

فاضل دیوبند ریویں ترجمہ قرآن اور فہمی مقام کی حقیقت

تالیفات

عالم ربانی محدث کبیر حضرت مولانا سید حامد میاں مدظلہ

ترتیب و تنویر

حافظ تنویر احمد شریفی

فاضل دیوبند ریویں ترجمہ قرآن

بریلی کا تعارف

کنز الایمان طوی ترجمہ

احمد رضا اور قسیم مراد آبادی

کی کتابیں

انبیاء کی عصمت پر حملہ

احمد رضا علم حدیث

سے محروم تھے

حضرت عائشہ اور حضرت طلحہؓ

کی شان میں گستاخیاں

قرآن سے کالی کا ثبوت

بد مذہبی کے لئے

احمد رضا گستاخ رسول

بریلوی اور قادیانی

سوا جاز ہے

طبی خیانتیں

احمد رضا کا انجام

قرآن و حدیث سے

تحفظ نظریات دیوبند اکادمی

فاضل بریلوی ترجمہ قرآن اور فہمی مقام کی حقیقت

تالیفات
عالم ربانی محدث کبیر حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

ترتیب و تہذیب

حافظ تنویر احمد شریفی

فاضل جامعہ یوسفیہ بنوریہ - کراچی

تحفظ نظریات دیوبند اکادمی

اللہمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ
كَصَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ
إِنَّكَ لَمُنْكَامٌ مُبْنِكٌ
اللہمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ
كَبَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ
إِنَّكَ لَمُنْكَامٌ مُبْنِكٌ

جملہ حقوق محفوظ ہیں

فہرست مضامین

۱۱	حافظ تنویر احمد شریفی	عرض مرتب
۱۵	مولانا نعیم الدین	مولانا سید حامد میاں - حالات زندگی
۲۷	مولانا سید حامد میاں	مقدمہ..... برائے مایے اور غور کیجیے
۲۷		اہل سنت والجماعت حنفی
۲۸		اختلاف کا پس منظر
۳۰		بدعت
۳۳		آگے..... آپ یہ پوچھیے
۳۳		بدعت کا نقصان
۳۴		بدعت کا ایک اور نقصان
۳۶		فاضل بریلوی کی فقہیت کی ایک مثال
۳۸		وہابی کسے کہتے ہیں؟
		نقد و تبصرہ برکنز الایمان و خزائن العرفان
۴۳	مولانا عطاء الرحمن رحمانی	تعارف
۵۱		باب (۱) بریلی کا تعارف
۵۱		احمد رضا اور نعیم الدین - ایک ذہن کے دو پڑوسی
۵۳		خان جی کے نزدیک لفظی ترجمے کی خرابی
۵۳		ملت بریلویہ کا خان جی کو حضرت امام اعظم کا درجہ دینے کی کوشش
۵۴		مداحین خان جی کے نزدیک کنز کی خامیاں
۵۵		باب (۲) احمد رضا خان اور نعیم الدین کی سنگین گستاخیاں
۵۵		وجی الہی اور شیطان کی بولی
۵۶		محتاج مترجمین اور خان جی

۲	سلسلہ اشاعت
	اشاعت
	کتاب
	مصنف
	ترتیب و تہویب
	کمپوزنگ
	مطبع
	ناشر

ملنے کے پتے

- ۱- مکتبہ جنید، سہراب گوٹھ، کراچی
- ۲- مکتبہ رشیدیہ، بالمقابل مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی
- ۳- ادارۃ الانور، علامہ سید محمد یوسف بنوری ٹاؤن، کراچی
- ۴- حاجی امداد اللہ اکیڈمی، مارکیٹ ٹاور، حیدر آباد
- ۵- مجیدیہ کتب خانہ، اردو بازار، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان
- ۶- مکتبہ عائشہ، حق اسٹریٹ، اردو بازار، لاہور
- ۷- مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور
- ۸- کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار، راول پنڈی
- ۹- مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ

۸۱	حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق آیات میں
۸۱	حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں
۸۱	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں
۸۳	بنیادی تراجم
۸۳	خان جی کا میدان فکر
۸۴	سب پر بد اعتمادی اور آخری وصیت
۸۴	فکر رضا کی پرچار سے خامیاں منظر عام پر
۸۷	باب (۵) مزید تقابلی جائزہ
۸۷	عرفا کے مقامات
۸۹	بہت گھانے کا سودا
۹۰	بریلوی ترجمہ مخالف اصل ہے
۹۱	کیا وضو کرتے وقت خان جی کا ترجمہ پڑھیں گے یا بسم اللہ؟
۹۱	خان جی کی اللہ کے ساتھ گستاخیاں
۹۲	خان جی سب سے بڑے گستاخ رسول
۹۷	کیا فاضل بریلوی خود قرآن تصنیف فرما رہے ہیں؟
۱۰۳	غیر اللہ کے نام پر ذبح کا حکم
۱۰۷	حضرت مدنی کا عمل
۱۰۷	حضرت ابن عباسؓ کے فتوے پر اکابر دیوبند کا عمل
۱۱۲	نبی کا ترجمہ
۱۱۲	خان جی کی حدیث پر نظر نہیں تھی
۱۱۸	نومی ترجمے کی برابری بیان القرآن سے
۱۲۰	”علم“ کی بجائے ”دیکھنا“ ترجمہ کیا
۱۲۴	قرآن پاک کے معانی میں دخل اندازی
۱۲۵	خان جی کے ترجمے کا سائنس سے ٹکراؤ

۵۷	وضاحتی ترجمے میں سارا بوجھ اپنے سر
۵۸	حضرت داؤد علیہ السلام کی عصمت پر حملہ
۵۹	مترجم اور مفسر علم حدیث سے عاری
۶۰	حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کی شان میں گستاخی
۶۱	صدر الافاضل کا بیان کردہ لغو شان نزول
۶۱	خان جی نے احادیث پڑھی بھی نہیں
۶۲	مدح کی آڑ میں حضرت عائشہؓ کی گستاخی
۶۳	اپنی ماں کے بارے میں ایسے افکار رکھنے والا کیا مقتدی بنانے کے قابل ہے؟
۶۳	عظمت قرآن کی پامالی اور اپنے ذوق کے مطابق قرآن سے گالی کا ثبوت
۶۵	مترجم اور مفسر کی سب سے بڑی خامی
۶۶	قیلو لے اور رات کے سوتے وقت ہونے والا ترجمہ کیسا ہونے چاہیے؟
۶۷	باب (۳) کنز کا مقدمہ نگار رضا اعظمی کی بدحواسیاں
۶۸	بریلوی دعوے میں قول و فعل کے تضاد کی وجہ سے علم میں پیچھے ہیں
۶۹	نخت بات بدل دی
۶۹	بدزبانی کے چند نمونے
۷۳	خان جی، نعیم اور احمد یار کے بارے میں کیا خیال ہے؟
۷۵	باب (۴) خان صاحب کی گستاخیاں اور قرآنی آیات
۷۷	کیا بعض انبیاء کی اہانت جائز ہے؟
۷۷	بشریت انبیاء کے قایل
۷۸	علم غیب کی نفی
۷۸	حضور علیہ السلام کے ساتھ گستاخی
۷۹	اسلاف پر طعن اور خود کی راہ
۸۰	انبیائے کرام کے متعلق بیان کردہ الفاظ کی فہرست

۱۷۷	سود کے جواز کا حیلہ
۱۸۴	اس فتوے کی نقل میں علمی خیانتیں
۱۹۷	باب (۴) بریلی اور بدایوں کے علما کی حضرت نانوتوی سے اختلاف کی حقیقت
۱۹۷	تحریک آزادی میں دارالعلوم کا حصہ
۲۰۲	تحفظ اسلام کی خدمت اور اجرائے مدارس
۲۰۶	مناظرہ رڑکی
۲۰۶	تحریک اصلاح عقد بیوگان
۲۱۳	باب (۵) بدعت کسے کہتے ہیں؟ اور اس کی تعریف
۲۱۳	مولانا امجد علی کا تعارف
۲۱۴	نقل فتویٰ میں سعیدی صاحب کی خیانت
۲۱۴	سنت و بدعت کی بحث کا آسان خلاصہ
۲۱۵	سنت و بدعت کی پہچان کے لیے مفید ترین قواعد
۲۱۹	تقلید شخصی پر اعتراض کا جواب
۲۱۹	پہلا قول
۲۱۹	دوسرا قول
۲۲۰	تیسرا قول
۲۲۰	چوتھا قول
۲۲۰	پانچواں قول
۲۲۵	کون اچھا اور صحیح راہ پر ہے؟
۲۲۸	تقوے کی حقیقت
۲۲۹	بریلویوں کو غور و فکر کی دعوت
۲۲۹	حضور علیہ السلام کی رہبری، دارالعلوم دیوبند کے لیے اعزاز
۲۳۱	باب (۶) فاضل بریلوی کی دیوبند دشمنی
۲۳۲	الزامات انبیاء سے کنز الایمان پر ہے

۱۲۷	قرآن کے الفاظ سمجھنے میں غلطی
۱۳۰	تفسیری ترجمے سے قرآن، قرآن نہیں رہتا
۱۳۳	خان جی نے نیچری راہ اپنائی
۱۳۵	خاتمہ
۱۳۵	فقہ حنفی کا مسئلہ
۱۳۸	متحدہ عرب امارات میں کنز الایمان پر پابندی کے حکم نامے کا عکس
۱۳۸	فاضل بریلوی کے فقہی مقام کی حقیقت
۱۴۳	تمہید
۱۴۳	فاضل بریلوی کی شخصیت
۱۴۵	دیوبندیت
۱۴۷	اس کتاب کی ضرورت کیوں پیش آئی؟
۱۴۹	اس مقالے کا تعارف
۱۵۳	باب (۱) اقسام احکام شرعیہ کے متعلق فاضل بریلوی کی غلط بیانی
۱۵۵	اقسام احکام شرعیہ کی تعریفات میں کمی
۱۵۵	فاضل بریلوی کے فتاوے کی حقیقت
۱۵۶	فاضل بریلوی سید طحاوی کی بات نہیں سمجھ سکے
۱۵۷	فاضل بریلوی کی علم حدیث میں کم زوری
۱۶۳	باب (۲) مایہ ناز تحقیق..... مسئلہ تقبیل ابہامین
۱۶۴	فاضل بریلوی کی اصطلاحات حدیث سے بے خبری
۱۶۵	فاضل بریلوی کی اصول حدیث سے ناواقفیت کی تشریح
۱۷۰	آنکھوں کے بارے میں ایک حدیث
۱۷۳	فاضل بریلوی کی مبالغہ آرائی اور فریب دہی
۱۷۷	باب (۳) فاضل بریلوی کی ایک اور نادر تحقیق

عرض مرتب

اللہ رب العزت کا بے شمار شکر ہے کہ اس نے حضرت خاتم الانبیاء جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہمیں پیدا کیا۔ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اس طبقے سے وابستہ کیا جو ماسا علیہ واصحابی کے طریق پر ہے۔ اس حدیث پاک کا مصداق اس دور میں بلا شک و شبہ علمائے دیوبند ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ ہمیں ہمیشہ اپنے اکابر کے دامن سے جزار کھے اور اسی پر موت دے۔ آمین

برصغیر پاک و ہند میں اسلام کے لبادے میں ایک فرقہ ہمیشہ سے اکابر اسلام پر طعن زنی اور مسلمانیت سے خارج کرتا رہا ہے۔ اس فرقے کے پادری ہمیشہ اپنے علاوہ اکابر علمائے حق کو کافر "بناتے" رہے۔ نیز ان کے متبعین کو کفر کی بھٹی میں جھونکتے رہے۔ اس کام کے لیے انہوں نے قرآن و حدیث سے وہ وہ مسائل نکالے جو کبھی کسی مجتہد کی نظر سے نہ گزرے تھے۔ اکثر ان باتوں میں تضاد بھی ہوا ہے۔ پادریوں کے بادشاہ کو یاد ہی نہیں رہا کہ کس جگہ میں کیا صفحہ کالا کر آیا ہوں؟

ایک زمانے میں ان کا بڑا چرچا تھا۔ اب تو پیسے کے بل بوتے پر یہ فرقہ اپنے کو اکثریت ثابت کرنے میں مصروف ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہی پرانے گھسے پٹے الزامات اکابر حق پر لگا رہے جو خود اپنی موت آپ مر چکے تھے۔ ہمارے اکابر نے ان کے مسکت جوابات اپنے اپنے دور میں دیے ہیں، لیکن ہمارے اکابر کی یہ خدمات نایاب ہوتی جا رہی ہیں۔

- ۲۳۴ حایضہ کے غسل کے پانی سے وضو درست ہے
- ۲۳۵ رنڈی کا مکان
- ۲۳۵ فاضل بریلوی کی تفرقہ بندی
- ۲۳۶ زندگی بھر کی کمائی
- ۲۳۷ فاضل بریلوی کی فطرت
- ۲۳۸ تبلیغی حضرات کی عورتوں سے زنا بالجبر کی تلقین
- ۲۳۹ بکواس کرنے والے پر مقدمہ اور اس کا فیصلہ
- ۲۳۹ زنا بالجبر سے اولاد سنی کہلائے گی
- باب (۷) بریلویت کی حقیقت
- ۲۴۱ بریلوی مدارس کا منظر
- ۲۴۲ بریلوی مسلک کی بنیاد ضعیف حدیثوں پر ہے
- ۲۴۲ بدعتی عوام سے بدعتی علما کا ڈر
- ۲۴۳ تعامل امت کو نظر انداز کرنا
- ۲۴۳ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی گنجائش کا انکار کرنا
- ۲۴۳ اصولوں کی مخالفت
- ۲۴۴ بریلوی مدارس میں تدریسی نصاب
- ۲۴۵ کوئی بریلوی بھی قبیح سنت نہیں ہے
- باب (۸) دارالعلوم دیوبند سے جاری ہونے والے فتاوے کی تعداد
- ۲۴۷ امت محمدیہ سے دشمنی
- باب (۹) دارالعلوم دیوبند کی مقبولیت و عظمت کا راز
- ۲۴۸ آٹھ اصول، ترقی کا زینہ
- خاتمہ: اکابر دیوبند کا رویہ
- ۲۴۹ میلاد منانا بے اصل ہے۔ صدر الشریعہ

زیر نظر کتاب بھی وہی دُر نایاب ہے جو دراصل تین مضامین و مقالات کا مجموعہ ہے۔ اس میں احمد رضا خان صاحب کے ترجمہ قرآن پر ”نقد و تبصرہ“، جس میں حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی گستاخیاں کی گئیں ہیں اور ترجمے میں جو غلطیاں ہیں ان کی نشان دہی کی گئی ہے۔

دوسرا مقالہ غلام رسول سعیدی کی کتاب ”اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام“ پر تبصرہ ہے۔ بتلایا گیا ہے کہ اس ”آلے حضرت“ نے فقہ کو کس طرح استعمال کیا ہے۔ حتیٰ کہ سود تک کو جائز قرار دے دیا۔

تیسرا مضمون غور و فکر اور دعوتی مضمون ہے۔ اسے مجموعہ کا مقدمہ بنا دیا گیا ہے۔ اول الذکر دونوں مقالے بالترتیب مدرسہ تجوید القرآن رحمانیہ خانو خیل، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان سے ۱۹۸۳ء میں شائع ہوئے تھے۔ راقم الحروف نے اس کے اولین ناشر حضرت مولانا عطاء الرحمن رحمانی مدظلہ سے اجازت لے کر ان کو مرتب کیا۔ ابواب قائم کیے اور ذیلی عنوانات لگائے۔ اس طرح کتاب کی اب یہ صورت ہے جو آپ کے سامنے ہے۔

شیخ الحدیث حضرت الاستاذ مولانا السید حامد میاں نور اللہ مرقدہ (بانی جامعہ مدنیہ۔ لاہور) کی رد بدعات پر میری نظر میں جتنی تحریرات تھیں وہ اس کتاب میں جمع ہو گئیں۔

اس کی اشاعت کے لیے جس ادارے کا انتخاب کیا گیا وہ اپنے اکابر کی اسی نوعیت کی نایاب کتابوں کی اشاعت کا عزم رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ”تحفظ نظریات دیوبند اکادمی“ کے کارکنان کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور اس عزم پر ثابت قدم رکھتے ہوئے مسلک دیوبند کی خدمت کے لیے قبول فرمائے۔ آمین

اس کتاب کی ترتیب و اشاعت میں اپنے بزرگوں اور بعض دوستوں کا مشورہ اور دعائیں شامل ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے داماد حضرت مولانا نعیم الدین

مدظلہ (استاذ الحدیث جامعہ مدنیہ۔ لاہور) اور برادر مر مولانا محمد عابد حامدی زاد مجددہ (صفہ اکادمی۔ لاہور) کی خصوصی ہدایات اور مشورے باعث سعادت رہے۔ برادر مر نعمان محمد امین نے تو اس کتاب کو پڑھا اور بعض مواقع میں قیمتی مشورے دیے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس کی اشاعت کے اسباب کے وقت روزانہ ان سے کسی نہ کسی امور میں بات ہوتی تھی تو مبالغہ نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ انہیں خوب خوب جزائے خیر عطا فرمائے۔ یہ میرے خصوصی شکریے کے مستحق ہیں۔

حضرت مولانا نعیم الدین مدظلہ کے قلم سے حضرت شیخ الحدیث کے حالات زندگی شامل ہیں۔ اس سے آپ کی خدمات و عظمت کا اندازا ہوگا۔

”تحفظ نظریات دیوبند اکادمی“ نے جو مشن اٹھا رکھا ہے اس میں یہ بات شامل ہے کہ اس ادارے کی مطبوعات سے جو آمدنی ہوگی وہ اسی ادارے سے نایاب کتابوں کی اشاعت میں لگائی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

میری اہل علم سے گزارش ہے کہ وہ کتابوں کی خریداری کی صورت میں ادارے سے تعاون فرمائیں اور ساتھ ساتھ اس فتنہ بریلویت سے آگاہی کے لیے اپنے اکابر کی خدمات سے فائدہ اٹھائیں۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مؤلف و مصنف، مرتب، معاونین، ناشر اور قاری کے لیے نجات کا ذریعہ بنائے اور اپنے مسلک حق سے وابستہ رکھے۔ آمین

تنویر احمد شریفی عفی عنہ

۲۳ رزوالحجۃ الحرام ۱۴۳۰ھ

۱۱ دسمبر ۲۰۰۹ء

مختصر حالات زندگی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

خاندان، ماحول، نشوونما اور تعلیم و تربیت:

آپ نبأ حسینی سید ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب اکتالیس واسطوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ آپ کا خاندان دیوبند کا سب سے پرانا خاندان سادات ہے۔ آپ کے اجداد میں سے ایک بزرگ حضرت سید محمود قلندر شام کے شہر حمص سے ہندوستان تشریف لائے۔ آپ ایک مرتاض (تصوف میں مشقت اٹھانے والے) بزرگ تھے۔ عبادت و ریاضت میں آپ کو غیر معمولی استغراق حاصل تھا۔ آپ کے معاصر مورخ عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں:

”شیخ محمود قلندر لکھنوی، شیخ محمد غوث گوالیاری کے خلفا میں سے ہیں۔ وہ اسمائے الہیہ کے عامل تھے۔ ریاضت، فقر اور توکل میں ان کا بڑا مقام تھا۔ اسی کے ساتھ لوگوں پر فیاضی سے خرچ کرتے تھے۔ لکھنؤ تشریف لائے تو آپ کی صحبت سے بہت لوگ شرف یاب ہوئے اور اپنے دور کے صاحب رشد و ہدایت بنے۔ آپ کی وفات وہیں لکھنؤ میں ہوئی۔“ (منتخب التواریخ، ج ۲۸۶، بہ حوالہ تذکرہ سادات رضویہ، ص ۷)

صاحب مفتاح العارفین تحریر فرماتے ہیں:

”شیخ محمود قلندر کا مذہب حنفی اور مشرب شطاری تھا۔ آپ ہندوستان کے مشہور شہر لکھنؤ کے رہنے والے تھے، صاحب کشف و کرامات تھے۔ شیخ محمود نے ۱۰۰۹ھ میں وفات پائی۔“ (مفتاح العارفین بہ حوالہ تذکرہ سادات رضویہ، ص ۷)

امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو منڈی بہاؤ الدین کے قریب قصبہ کٹھیا لہ سیداں میں وعظ کے لیے بلوایا گیا، لیکن بریلویوں نے سازش کی اور ایک پیر صاحب نے لوگوں کو اکسایا کہ کچھ بھی ہو جائے وہابی کا وعظ مت ہونے دو۔ شاہ جی سے کہا گیا کہ شدید خطرہ ہے جلسہ ملتوی کر دیں۔ شاہ جی نے فرمایا مجھے تاکنے میں ہٹاؤ! میں تو قصبے میں وعظ کروں گا۔ جب شاہ صاحب گھاؤں پہنچے تو وہاں ایک گروہ فساد کی نیت سے کھڑا تھا۔ ان کے ساتھ کچھ سکھ بہ غرض تماشا بھی کھڑے تھے۔ شاہ جی نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: میں قرآن سنانا چاہتا ہوں، گورو دارہ میں کچھ دیر کے لیے جگہ دو گے؟ خدا کی قدرت سکھوں نے خوشی سے منظور کیا اور شاہ صاحب کو ساتھ لے کر گورو دارہ میں چلے گئے۔ شاہ جی نے وہاں قرآن سنایا، سکھ ادب سے سننے لگے، پھر ”نور بھری“ والا قصہ سنایا: نور بھری کی حکایت کی مثال دے کر شاہ صاحب نے سامعین کو حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ فرمایا: کسی گاؤں میں ایک نور بھری نام کی عورت رہتی تھی نہایت بد صورت اور کریمہ النظر، چہرہ چمک زدہ، رنگ توے کی طرح کالا، کوئی اس کا رشتہ نہیں مانگتا تھا وہ پریشان رہتی تھی۔ اس نے ایک نایاب سے تعلق پیدا کر لیا اور اس سے کہا کہ حافظ جی! اگر آپ کی آنکھیں ہوتیں تو مجھے دیکھ کر مجھ پر ضرور عاشق ہو جاتے۔ میرا چہرہ گلاب کی مانند اور آنکھیں ہرنی کی طرح ہیں۔ غرض اس نے حافظ کو اپنا گرویدہ کر لیا اور ہر طرح سے پیش کرنے لگی۔ ایک دن اچانک اس نے ایک آواز سنی، ”سرمہ اندھوں کا سہاٹا کرنے والا سرمہ“۔ نور بھری پریشان ہو گئی کہ اگر یہ آواز حافظ نے سن لی تو وہ ضرور سرمہ خرید لے گا اور اگر اس کی بیٹائی واپس آگئی تو مجھے جوتے مارے گا کہ تو اپنے مصنوعی حسن کی تعریفیں کر کے مجھے لوٹی رہی۔ وہ بھاگی اور جا کر سرے والے سے کہا کہ حکیم جی! واقعی سرمہ اندھوں کو بیٹائی دے دیتا ہے؟ اس نے کہا کہ آؤ! کر دیکھ لو۔ نور بھری خوف زدہ ہو گئی، اپنے پیش کو پچانے کے لیے حکیم سے ساری شیشیاں خرید لیں اور اسے واپس کر دیا، تاکہ نایاب جس کے سر پر وہ پیش کر رہی تھی کہیں چٹان نہ ہو جائے۔ شاہ صاحب نے فرمایا: اے قصبے والو! تم سب نایاب ہو، تمہارے پیر اور صاحب زادگان نور بھریاں اور میں سرمہ بیچنے والا حکیم۔ تمہارا پیر مجھے اس لیے یہاں نہیں آنے دیتا تھا اگر تم نے سرمہ لگا لیا، آنکھوں کا نور واپس آ گیا تو ان نور بھریوں کے حسن کا پول کھل جائے گا۔ آج میں تمہاری آنکھوں میں سرمہ لگانے آیا ہوں، تاکہ تمہاری آنکھیں روشن ہو جائیں اور ان کے مکروہ چہرے دیکھ سکو۔“

(بخاری کی باتیں، ص ۱۹-۲۱)

شیخ محمود قلندر کے ایک پوتے سید محمد ابراہیم تھے، جو اپنے دادا سے سلسلہ قادریہ شطاریہ میں بیعت تھے، آپ اولیائے کاملین میں سے تھے، لکھنؤ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد اشغال صوفیہ قادریہ میں مشغول ہو گئے۔ اپنے دادا شیخ محمود اور شیخ محمد غوث گوالیاری کی اتباع میں سیاحت اختیار کی، سیاحت کے دوران اکثر اولیائے کرام کی خدمت میں حاضر ہو کر روحانی فیوض و برکات حاصل کیں۔ برناوہ نامی مقام میں شیخ علاء الدین چشتی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے مشورے سے قیام کے لیے دیوبند کو پسند فرمایا۔ سید محمد ابراہیم نے ۱۵ شوال المکرم ۱۰۳۴ھ میں بہ عہد جہاں گیر بادشاہ وفات پائی۔ دیوبند کے محلہ ”سرائے پیر دادگان“ میں مسجد کی جانب شمال آپ کا مزار مبارک مرجع عوام ہے۔ سید محمد ابراہیم کے دو صاحب زادے ہوئے، بندگی سید محمد اسماعیل اور شاہ محمد امین۔

سید محمد ابراہیم کی اولاد کا بڑا سلسلہ بندگی سید محمد اسماعیل سے چلا۔ آپ کے سات فرزند ہوئے، جن میں سے سید شاہ شبلی کی پانچویں پشت میں ایک بزرگ ہوئے، سید منظور محمد۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے دو فرزند عطا کیے (۱) مولانا سید محمد میاں (۲) جناب سید احمد میاں۔ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب اپنے دور کے بے مثال محدث، اعلیٰ درجے کے مفسر، ماہر مفتی، بہترین مؤرخ، صاحب طرز ادیب و انشا پرداز اور دیوبند کے مشہور خاندان ”سادات رضویہ“ کے عظیم چشم و چراغ تھے۔ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب کو اللہ تعالیٰ نے چار فرزند عطا کیے جن میں سے ایک آپ کے عظیم اور قابل قدر فرزند حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ولادت:

۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۶ھ / دسمبر ۱۹۲۶ء بہ روز پیر ہندوستان کے ضلع میرٹھ کے ایک گاؤں ”راؤلی“ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ وہاں آپ کے دادا جان جناب سید منظور محمد بہ سلسلہ ملازمت قیام فرماتے تھے۔ آپ کا نام ”حامد میاں“ رکھا گیا۔ تاریخی

نام ”سعید اختر“ ہے۔

تعلیم و تربیت:

تعلیم و تربیت کے متعلق حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود تحریر فرماتے ہیں کہ

”میں نے الف، با، تا۔ حضرت مولانا قاری علی اصغر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دارالعلوم دیوبند میں شروع کی..... کچھ عرصے بعد والد صاحب دام مجدہم نے دیوبند سے سب گھروالوں کو مراد آباد بلا لیا، وہاں جامعہ قاسمیہ میں حافظ نور محمد صاحب نور اللہ مرقدہ سے جو ناٹھ ضلع رام پور کے رہنے والے اور مقدس و معمر استاذ تھے، حفظ قرآن کریم شروع کیا۔ حافظ صاحب نے سات حج کیے تھے، لیکن ابھی سورہ آل عمران کا کچھ حصہ حفظ ہوا تھا کہ ان کی بہ مرض فالج وفات ہو گئی۔ ان کی وفات کے بعد حافظ محمد ابراہیم صاحب مدظلہم سے جو ان کے ہم وطن اور شاگرد رشید تھے، تکمیل کی..... مولانا قاری عبد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ سے تجوید شروع کی اور جب تک وہ حیات رہے میں ان سے تقریباً سات سال مشق کرتا رہا..... پھر فارسی اور عربی کتابیں پڑھیں، فارسی کی کتابیں والد صاحب سے بھی پڑھیں اور دیگر بعض معروف اساتذہ سے بھی۔ انوار سبکی اور سکندر نامہ تک فارسی پڑھی۔ حساب، جغرافیہ بھی مدرسے میں پڑھا۔ کتب عربیہ مولانا اشفاق صاحب، مولانا نذیر صاحب، مولانا محمد شاہ صاحب، مولانا انصار الحق صاحب، مولانا اختر الاسلام صاحب، مولانا سید واحد رضا صاحب، مولانا محمد اسماعیل سنبھلی صاحب، حضرت مولانا عبد الحق مدنی رحمہ اللہ اور والد صاحب دام مجدہم سے پڑھیں۔ حضرت مولانا عجب نور صاحب بنوی معقولات کے عظیم الشان استاذ تھے، ان سے شرح عقاید، جلالی مع حواشی، تصریح، شرح چھمینی، توضیح تلوح اور شمس بازغہ پڑھیں۔

یہ سب کتابیں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شانی میں پڑھیں۔ دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب ملتانی مرحوم و مغفور سے صدر اور قاضی پڑھیں۔ حضرت مولانا اعجاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہدایہ آخرین بحمد اللہ از اول تا آخر پڑھی۔ مولانا جلیل احمد صاحب دیوبندی خادم خاص حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے جلالین شریف پڑھی۔ حضرت مولانا عبدالمسیح صاحب مرحوم سے مشکوٰۃ کچھ عرصے پڑھی، پھر ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہم سے مکمل کی۔ کتب دورہ حدیث میں بخاری اور ترمذی شریف جلد اول حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ العزیز سے، ترمذی شریف جلد دوم، شمائل اور ابوداؤد حضرت مولانا اعجاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے، مسلم شریف حضرت مولانا ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ سے، نسائی شریف مولانا فخر الحسن صاحب مدظلہم سے، ابن ماجہ مولانا عبدالشکور صاحب عثمانی مہاجر مدینہ منورہ رحمۃ اللہ سے پڑھیں۔

حضرت سید صاحب کی اس تحریر سے قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ نے اپنے وقت کے کیسے بڑے بڑے اکابر علماء اور اساطین علم و فضل سے کسب فیض کیا۔ دارالعلوم دیوبند سے آپ کو جو سند ملی اس کے درج ذیل الفاظ سے آپ کی قابلیت و صلاحیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

وهو عندنا جيد الفهم، ذكي الذهن، قادر على التدريس وله مهارة بالعلوم العربية
”آپ ہماری رائے میں نہایت فہیم اور ذکی و ذہین ہیں، تدریس کی قدرت رکھتے ہیں اور آپ کو علوم عربیہ میں مہارت حاصل ہے۔“

بیعت و سلوک خلافت و اجازت:

حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ نے دارالعلوم دیوبند سے شعبان المعظم ۱۳۶۷ھ

مطابق جولائی ۱۹۴۷ء میں دورہ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔ دورہ حدیث شریف سے فارغ ہوتے ہی آپ اسی سال ۲۵ شعبان المعظم کو بعد نماز فجر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے دست اقدس پر شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً اکیس سال تھی۔

ذکر و شغل سے آپ کو بچپن ہی سے لگاؤ تھا۔ بیعت ہونے کے بعد اس میں مزید اضافہ ہو گیا۔ رویائے صالحہ اور بشارات منامیہ کا سلسلہ بڑھ گیا۔ اسی سال آپ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

”اسی سال میرے محبت و مشفق اور کرم فرما استاذ اور میرے خسر حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ مجھے اپنے ہم راہ حج کے لیے لے گئے، جزاء اللہ عنی خیرا و تقبل منی ومنہ“

یہ آپ کا پہلا حج تھا۔ اس کے علاوہ دو مرتبہ اور بھی حج کے لیے تشریف لے گئے۔ دوسری مرتبہ ۱۹۶۳ء میں اور تیسری و آخری مرتبہ ۱۹۷۱ء میں۔

حج سے واپسی پر آپ تکمیل سلوک میں مشغول رہے، حتیٰ کہ ۲۴ شوال المکرم ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۹ اگست ۱۹۴۹ء پہ روز جمعرات شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو درج ذیل گرامی نامے کے ساتھ سلاسل اربعہ میں بیعت کی اجازت مرحمت فرمائی:

”میں آپ کو طرق اربعہ معروفہ میں بیعت کرنے کی اسی طرح اجازت دیتا ہوں جس طرح میرے آقا حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز نے مجھ کو عطا فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے اور آپ کے ذریعے سے فیض اکابر طریقت جاری فرمائے۔ جدوجہد اور مراقبہ و ذکر میں پوری مشغولیت کے ساتھ علوم دینیہ کے مشاغل کو جاری رکھیں اور اسلاف کرام کے قدم بہ قدم چلنے کی کوشش کرتے رہیں اور اس ناکارہ کو دعوات صالحہ میں فراموش نہ فرمائیں۔ رزقا اللہ وایاکم رضاه وفضلہ فی الدارين، والسلام

انارکلی اور مسجد نیلا گنبد کو اپنی تعلیمی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور مدرسہ کا نام جامعہ مدنیہ رکھا۔ کم و بیش ۱۲-۱۳ سال ان مقامات میں تعلیمی سلسلہ کامیابی سے چلتا رہا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اس لگائے ہوئے گلشن میں وقت کے چوٹی کے علما و مدرسین جمع ہو گئے جن میں حضرت مولانا سید میرک شاہ فاضل دیوبند، حضرت مولانا عبدالداہم جلائی فاضل دیوبند، حضرت مولانا حکیم عبدالحکیم فاضل دیوبند و خلیفہ مجاز حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی عبدالحمید سیتاپوری فاضل دیوبند، حضرت مولانا کریم اللہ دامانی فاضل دیوبند اور حضرت مولانا ضیاء الحق فاضل دیوبند نمایاں شخصیات ہیں۔ ان بزرگوں کے طفیل مدرسے کو چار چاند لگے اور جوق در جوق طلبا آنے لگے۔

انہی دنوں آپ نے بعد نماز مغرب مسلم مسجد میں درس حدیث کا سلسلہ شروع فرمایا جو لوگوں میں اس قدر مقبول ہوا کہ اس سے فیض یاب ہونے کے لیے دور دور سے لوگ آنے لگے۔

جامعہ مدنیہ کریم پارک کا آغاز:

جب طلبا کی تعداد زیادہ ہونے لگی اور تین جگہ پھیلے ہوئے کام کو سنبھالنا مشکل

→ → قاری محمد طیب قاسمی کی تقریر کا اعلان کیا، بریلویوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ یہ تقریر نہیں ہونے دیں گے لیکن وہ اس میں ناکام رہے۔ بریلویوں نے بڑے بڑے غنڈے تقریر کے دوران مجمع میں بٹھائے تاکہ ہلڑ بازی کریں، جنہوں نے حضرت حکیم الاسلام کو سنا ہے انہیں معلوم ہے کہ آپ کے بولنے کا انداز ہوش کا ہوتا تھا، آج کل کے مقررین کی طرح پر جوش نہیں ہوتا تھا۔ اللہ و رسول، اولیائے کرام کے واقعات اور اکابر دیوبند کے قصے آپ کی تقریر کا لازمی حصہ ہوتا تھا۔ آپ نے اسی طرح بیان شروع کیا۔ بریلوی سن کر انکسبت بد مذاں رہ گئے کہ ہمارا ملا تو چیخنے چلانے، گھاپھانے کے علاوہ کچھ جانتا ہی نہیں اور سوائے کافر کا کفر کا فری تہج پڑھنے کے ان کی تقریر میں کچھ ہوتا ہی نہیں۔ ایک یہ بھی تو دیوبند کا مولوی ہے جو واقعی تقریر کا حق ادا کر رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کتنے ہی بریلوی حضرت شیخ الحدیث کے معتقد ہو گئے۔ ان ہی میں ایک حاجی گام نامی تھے، جو آپ کے جانی دشمن تھے۔ پھر وہ آپ کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ جامعہ مدنیہ کریم پارک کی عمارت اپنی نگرانی میں کھڑے ہو کر بنوائی۔ (شریفی)

نگ اسلاف حسین احمد غفرلہ ۲۴ شوال ۱۳۶۸ھ

(مکتوبات شیخ الاسلام: ج ۳، ص ۲۲۶)

پاکستان آمد:

۱۹۵۲ء کی بات ہے کہ آپ ہندوستان سے کھوکھرا پار کے راستے افغانستان تشریف لے جانے کی غرض سے روانہ ہوئے۔ آپ کو سلسلہ چشتیہ کے بزرگ شیخ نظام الدین بنی رحمۃ اللہ علیہ سے خاص قسم کا قلبی لگاؤ تھا، اسی مناسبت سے آپ بلخ میں مستقل قیام کا ارادہ رکھتے تھے۔ دوران سفر ٹرین میں آپ نے خواب دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ لاہور میں ایسے اتر دیجیے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ۔ اس خواب کے مشاہدے کے بعد آپ لاہور تشریف لے آئے۔ ساتھ ہی آپ کے والد ماجد حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے خط پہنچا کہ ”افغانستان جا کر کیا کرو گے؟ وہاں تو بادشاہت ہے۔ یہیں لاہور ہی میں کام کا موقع مل سکے گا۔ لاہور ہی رُک جاؤ۔“

چنانچہ آپ نے لاہور ہی کو اپنا مسکن بنالیا اور حتی المقدور اشاعت علوم دینیہ اور سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ترویج و ترقی میں مشغول ہو گئے۔

یہاں آپ نے مولوی فاضل کا امتحان دیا۔ امتحان میں اول پوزیشن حاصل کی۔ اس کے علاوہ میٹرک اور ایف اے کے امتحانات بھی اچھے نمبروں میں پاس کیے۔ بی اے کی نصابی کتب کا مطالعہ بھی کیا لیکن امتحان کا موقع نہ ملا۔

شروع میں کچھ عرصہ لاہور کی مشہور دینی درس گاہ جامعہ اشرفیہ میں تدریس کی خدمت انجام دی۔ پھر تھوڑے ہی عرصے بعد جامع مسجد حنفیہ، گلی اکھاڑا بوٹا مل، لاہور میں ”احیاء العلوم“ کے نام سے اپنا مدرسہ قائم کیا۔ تعلیمی کام میں جب اضافہ ہونے لگا تو جگہ چھوٹی پڑ گئی، اس لیے آپ نے مسلم مسجد (۱) لوہاری گیٹ، مکی مسجد

(۱) مسلم مسجد جسے ایک منارہ مسجد کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، بریلوی مکتب فکری ہے اور اس وقت بھی قحی۔ اس مسجد میں حضرت شیخ الحدیث مولانا سید حامد میاں نور اللہ مرقدہ نے حکیم الاسلام حضرت مولانا

ہو گیا تو آپ نے ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء میں احباب کے مشورے سے کریم پارک راوی روڈ لاہور میں مدرسے کے لیے بڑی جگہ خرید کر مدرسہ کی تعمیر شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کام کے لیے بعض مخلص اور نیک بندے ایسے دے دیے جو اس تعمیری کام میں تن من و دھن سے لگے رہے اور دنوں کے دنوں میں مدرسے کی عمارت اچھی خاصی تعمیر ہو گئی۔ چنانچہ ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۸ء میں آپ مسلم مسجد سے جامعہ مدنیہ کریم پارک (لاہور) میں منتقل ہو گئے اور تادم حیات اسی مدرسے میں قیام پذیر رہے۔

حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے مدرسے کی ایسی خدمت کی کہ اسے ملک کے معروف اور بڑے مدارس کی صف میں لاکھڑا کیا۔ آپ مدرسے کے شیخ الحدیث اور مہتمم مقرر ہوئے اور اخیر زندگی تک ان مناصب پر فائز رہے۔ آپ نے مدرسے میں درس نظامی کے ساتھ ساتھ شعبہ تجوید و قراءات اور شعبہ افتا بھی قائم فرمایا۔ فن طب و حکمت کے ساتھ ساتھ شعبہ کتابت کا بھی اجرا فرمایا۔ آپ کو چوں کہ علمی کتابوں کے جمع کرنے کا بھی بے حد شوق تھا اس لیے آپ نے مدرسے میں ایک وسیع کتب خانہ بھی قائم فرمایا۔

جامعہ مدنیہ جدید کے قیام کا ارادہ:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ جامعہ مدنیہ کی اس عمارت کو تعلیم کے لیے ناکافی خیال فرماتے تھے آپ کی دیرینہ خواہش تھی کہ ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا جائے، جس میں کم از کم سات آٹھ ہزار طلباء تعلیم حاصل کر سکیں اور اس کے ساتھ خانقاہ بھی قائم کی جائے۔ آپ نے اس خواہش کی تکمیل کے لیے جگہ کی تلاش شروع کر دی اور تلاش بسیار کے بعد ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء میں لاہور رائے ونڈ روڈ پر برب سڑک تقریباً پچاس جریب رقبہ خرید کر مدرسہ اور خانقاہ کے لیے وقف فرمایا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اب دو سفر کروں گا، یہاں سے جامعہ مدنیہ رائے ونڈ روڈ اور وہاں سے مدینہ منورہ، مگر عمر نے وفانہ کی اور آپ کی وفات کا سانحہ پیش آ گیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش کے

مطابق آپ کے چھوٹے صاحب زادے حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب مدظلہم نے جامعہ مدنیہ جدید اور خانقاہ حامدیہ کی تعمیر کا کام شروع کر رکھا ہے اور آپ کے زیر اہتمام چار سو سے زائد طلباء وہاں تعلیم و تربیت میں مصروف ہیں۔

بیعت و ارشاد، مجالس ذکر و فکر:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے درس و تدریس کے ساتھ اپنے شیخ کی ہدایت کے مطابق بیعت و ارشاد کا سلسلہ بھی قائم فرمایا۔ بے شمار افراد نے آپ کے دست اقدس پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ بہت سے خوش نصیب افراد منازل سلوک طے کر کے آپ کے خلیفہ مجاز بنے۔ آپ سے اجازت بیعت حاصل کرنے والے خوش نصیب افراد کے نام درج ذیل ہیں:

- (۱) حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہم۔ کراچی
- (۲) حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب۔ خوشاب
- (۳) حضرت حاجی محمود احمد صاحب عارف۔ لاہور
- (۴) حضرت مولانا فیض محمد صاحب۔ خوشاب
- (۵) حضرت مولانا غلام محمد صاحب سربازی ایران
- (۶) حضرت مولانا رشید فارسی صاحب۔ مکہ مکرمہ
- (۷) حضرت مولانا حامد علی شاہ صاحب۔ فیروزہ
- (۸) حضرت مولانا سید ظفر علی شاہ صاحب۔ چک جھمرہ، فیصل آباد
- (۹) حضرت مولانا صالح محمد صاحب۔ مستونگ
- (۱۰) حضرت مولانا عبدالغنی صاحب۔ لاہور

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسے میں مجالس ذکر کا سلسلہ بھی شروع فرمایا۔ اس سلسلے کی ہفتہ میں دو مجلسیں ہوا کرتیں (۱) مجلس خاص (۲) مجلس عام۔

اول الذکر مجلس میں آپ کے مریدین اور اہل علم شریک ہوا کرتے تھے، یہ مجلس آپ کی نشست کے کمرے میں ہوا کرتی تھی، جس میں حضرت پہلے ذکر کرواتے، پھر درس حدیث ارشاد فرماتے۔ ثانی الذکر مجلس ہفتے میں ایک بار مسجد میں بعد نماز عشا ہوا کرتی، یہ مجلس مسجد میں آپ اس لیے رکھی تھی کہ مسجد کے نمازی بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔

تصنیف و تالیف:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو تصنیف و تالیف کا بھی خاصا شغف تھا، چنانچہ مختلف موضوعات پر آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ آپ نے اپنی زیر ادارت ایک ماہ نامہ مجلہ انوار مدینہ کے نام سے جاری کیا جو رجب ۱۳۹۰ھ / ستمبر ۱۹۷۰ء سے شروع ہو کر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ / جون ۱۹۷۴ء تک مسلسل شائع ہوتا رہا۔ جس میں آپ کے درس حدیث اور ادارتی مضامین شائع ہوتے رہے۔ اس کے علاوہ مختلف سیاسی و مذہبی موضوعات پر آپ کے وقیع مضامین ملکی روزناموں اور دیگر مجلات میں شائع ہوتے رہے۔ آپ کے بہت سے قیمتی مضامین جو غیر مطبوع تھے انہیں انوار مدینہ کی جدید اشاعت میں سلسلہ وار شائع کیا جا رہا ہے۔

آپ کی سیاسی زندگی:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو سیاسی ذوق وراثت میں ملا تھا۔ آپ کے والد ماجد مؤرخ ملت حضرت مولانا سید محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ ایک منجھے ہوئے سیاست دان تھے اور آپ کے شیخ مکرم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سیاست کے امام تھے۔ اس لیے آپ میں سیاسی ذوق ہونا ایک فطری امر تھا۔ آپ ایک اصول پسند، جرأت مند اور نڈر سیاسی رہنما تھے۔ گزشتہ ادوار میں بہت سے سیاسی نشیب و فراز آئے مگر آپ کے پائے استقلال میں ذرہ برابر لغزش نہیں آئی۔ جس بات کو حق سمجھا

ڈنکے کی چوٹ پر کہا اور جس بات کو ملک و ملت کے لیے مذہبی، قومی، اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی طور پر نقصان دہ سمجھا اس پر کھل کر تنقید کی اور قوم کو اس کی مضرت سے آگاہ کیا۔ آپ ایک عرصے تک اکابر علماء کے ساتھ جمعیت علمائے اسلام کے پلیٹ فارم سے سیاسی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۲۸ / محرم الحرام ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۹۸۵ء بروز پیر آپ کو جمعیت علمائے اسلام کا مرکزی امیر منتخب کیا گیا اور تاحیات آپ جمعیت کے امیر رہے۔

وفات حسرت آیات:

۱۲ / رجب ۱۴۰۸ھ / ۲ / مارچ ۱۹۸۸ء بروز بدھ صبح تقریباً نو بج کر دس منٹ پر آپ کو دل کا دورہ پڑا۔ آپ کے معالج ڈاکٹر سید افتخار الدین صاحب کوفون کیا گیا، وہ فوراً تشریف لے آئے۔ ڈاکٹر راشد رندھاوا صاحب کو بھی بلا لیا گیا، دونوں حضرات نے ہسپتال لے جانے کا مشورہ دیا، چنانچہ فوراً آپ کو میو اسپتال لے جایا گیا، وہاں فوری علاج کے بعد آپ کی طبیعت کچھ سنبھلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ دوسرے دن جمعرات کو دن کے دو بجے کے بعد اچانک طبیعت بگڑ گئی اور ڈاکٹروں نے مایوسانہ انداز میں کہا کہ دعا کی ضرورت ہے۔ آخر چار بجے ڈاکٹروں نے یہ روح فرسا خبر سنائی کہ حضرت مولانا کا انتقال ہو گیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

آپ کی وفات کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور لوگ جوق در جوق مدرسہ آنے لگے۔ آپ کی میت کو ہسپتال سے گھرا کر غسل اور تجہیز و تکفین کا اہتمام کیا گیا ۱۴ / رجب ۱۴۰۸ھ / ۴ / مارچ ۱۹۸۸ء نماز جمعہ سے قبل یونیورسٹی گراؤنڈ میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی، جس میں بے شمار علماء و مشائخ اور عوام کے جم غفیر نے شرکت کی۔ امامت کے فرایض حضرت اقدس مولانا خولجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم نے ادا کیے۔ نماز جنازہ کے بعد قبرستان میانی صاحب میں حضرت طاہر بندگی رحمۃ اللہ علیہ کے جوار میں آپ کی تدفین ہوئی۔ بِرَحْمَةِ اللّٰہِ رَحْمَۃً وَّ اِصْحٰۃً

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیچھے ہزاروں کی تعداد میں روحانی اولاد کے علاوہ جسمانی اولاد میں پانچ لڑکے اور نو لڑکیاں چھوڑیں۔ سب سے بڑے صاحب زادے حضرت مولانا سید رشید میاں صاحب مدظلہ جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور کے مہتمم کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔ دوسرے صاحب زادے حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب مدظلہ جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ روڈ کے مہتمم ہیں۔ مولانا سید وحید میاں صاحب ہندوستان میں مقیم ہیں۔ مولانا سید مسعود میاں صاحب جامعہ مدنیہ کریم پارک میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ سب سے چھوٹے صاحب زادے مولوی حافظ سید مقصود میاں دور طالب علمی ہی میں تراویح میں قرآن پاک سناتے ہوئے انتقال کر گئے تھے۔

اس وقت حضرت کی ایک اہلیہ محترمہ حیات ہیں۔ بڑی اہلیہ محترمہ جو حضرت مولانا عبدالحق مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحب زادی تھیں انتقال کر گئیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی دینی مساعی کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے، اپنی شایان شان آپ کے درجات بلند فرمائے، آپ کے لگائے ہوئے گلشن کو ترقی عطا فرمائے اور آپ کے اخلاف کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین

برائے مانیے اور غور کیجیے

نُحَمِّدُ اللہَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ

الْکَرِیْمِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اَمَّا بَعْدُ!

اہل سنت والجماعت حنفی:

بھائیو! جو شخص بھی اپنے آپ کو اہل سنت حنفی کہتا ہے مسلمان ہے۔ اُسے کافر سمجھنا، ذلیل نظروں سے دیکھنا گناہ کبیرہ ہے۔

۱۸۵۷ء میں جب سقوطِ دہلی کے بعد ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط ہو گیا تو اس نے اہل سنت والجماعت حنفی مسلمانوں میں جن کی حکومت اس نے چھینی تھی پھوٹ ڈالنی شروع کی۔ اس سے پہلے کبھی متبع سنت علما کو کافر نہیں کہا گیا تھا اور نہ متبع سنت علما نے بدعتی علما کو کافر کہا تھا۔ یہ صرف سو سال کے اندر اندر انگریزوں نے انقلاب پیدا کیا، اس کی پالیسی ہی یہ تھی کہ لڑاؤ اور حکومت کرو۔

اس مقصد میں سب سے زیادہ کار نمایاں فاضل بریلوی احمد رضا خان صاحب نے انجام دیا۔ انہوں نے متبعین سنت علمائے اہل سنت کی تکفیر (کافر قرار دینا) سرگرمی سے شروع کی۔ اسی کام میں ان کی ساری عمر کئی، لیکن یہ کام ان کے لیے اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک وہ ان حاکمین فقہ و سنت علما پر پہلے فرضی جھوٹے الزامات جنہیں بہتان کہا جائے نہ لگائیں، انہوں نے اس غرض سے ان کے اوپر غلط عقاید رکھنے کا

الزام لگایا اور اپنے ماننے والوں کو اتنا برخلاف کیا کہ اگر یہ اکابر یہ کہیں اور لکھیں بھی کہ ہم پر یہ جھوٹا الزام ہے، ہمارا تو یہ عقیدہ ہی نہیں ہے تو بھی وہ ان کا اعتبار نہ کریں اور شک کرتے رہ جائیں۔

حالاں کہ ان کے عقاید صحیح ہونے کی دلیلیں بھی سامنے ہیں، مثلاً: یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ سارے اہل سنت حنفی مدارس میں الف با کے قاعدے سے لے کر تفسیر کی آخری کتاب تک حدیث شریف کی تمام ہی کتابیں مشکوٰۃ شریف اور صحاح ستہ، فقہ کی تمام ہی کتابیں ہدایہ آخرین تک، عقاید کی تمام ہی کتابیں، پھر فتوؤں کی تمام ہی کتابیں، غرض الف سے لے کر یا تک جو اہل سنت والجماعت (دیوبندی) حضرات کے یہاں پڑھائی جاتی ہیں وہی بدعتی علما (بریلوی حضرات) کے یہاں بھی پڑھائی جاتی ہیں، اس کو ”درس نظامی“ کہتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہر جگہ ہر دو مکتب فکر کے علما اپنے اپنے فتوؤں میں جن کتابوں کے حوالے دیتے ہیں وہ سب ایک ہیں۔ اس میں آپ کو کہیں اختلاف نظر نہیں آئے گا۔ یہ ہمارا دعویٰ ہے جو واضح ہے اور مدلل ہے۔ اگر اس میں ذرا غلط بیانی کا شبہ ہو تو آپ خود خاموشی سے اہل سنت دیوبندی اور اہل بدعت بریلوی مدارس میں تحقیق کر کے دیکھ لیں۔ سب کے یہاں یہی نصاب ملے گا اور سب کے مفتی عالم گیری، شامی، قاضی خاں، البحر الرائق، فتح القدیر، مبسوط وغیرہ سے ہی فتوؤں کے جواب لکھتے نظر آئیں گے۔

اختلاف کا پس منظر:

پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اختلاف کہاں سے آیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس اختلاف کے بانی فاضل بریلی احمد رضا خان صاحب ہیں اور چوں کہ ان کی کتابوں کے علاوہ کہیں اختلاف تھا ہی نہیں، اس لیے انہوں نے اپنے انتقال سے پہلے یہ وصیت کر دی تھی کہ

”میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔“ (وصایا شریف، وصیت نمبر ۱۴: ص ۱۰)

یعنی قرآن و حدیث کے احکام تو فرض تھے ہی یہ تو تم سنتے آئے ہو، لیکن میرا مذہب کچھ اور ہے، وہ میری کتابوں سے ظاہر ہے، اس پر قائم رہنا بلکہ مضبوطی سے قائم رہنا اس سے بھی بڑا فرض ہے۔ وہ دین و مذہب جو انہوں نے اپنی کتابوں میں بھرا ہے صرف یہ کہ علمائے حق پر الزام رکھ کر انہیں جگہ جگہ کافر کہا ہے۔ ان کی کتابیں پڑھی جائیں تو ان میں جگہ جگہ تکفیر ہی دکھائی دے گی یا نئے نئے مسائل جو انہوں نے بنائے ہیں تاکہ جھگڑے کی بنیاد بنیں۔ (اس لیے) وہ آج تک ان کے نقش قدم پر چل کر مسلمانوں کی تکفیر کیے جا رہے ہیں اور تفریق پھیلا رہے ہیں۔

انہیں پڑھانے والوں نے صحابہ کرامؓ سے بھی بڑھا دیا۔ (اور وہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ)

”زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ میں نے بعض مشائخ کرامؓ کو یہ کہتے سنا ہے کہ ان کو دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی زیارت کا شوق کم ہو گیا۔“ (وصایا شریف، ص ۳۴)

مذکورہ معروضات سے معلوم ہوا کہ فاضل بریلوی کی کتابیں ہی فساد کی جڑ ہیں۔ اب آپ ہی سوچیں کہ آپ سنت کی پیروی کرنی چاہتے ہیں یا احمد رضا خان کی بدعات کی؟

آپ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں یا فاضل بریلوی احمد رضا خان صاحب کے؟

یقیناً آپ اہل سنت والجماعت ہیں، آپ حنفی ہیں، یقیناً عاشق رسول ہیں اور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت پر جو چلے آپ اس کے بھی عاشق ہیں، اس لیے آپ ہر مسئلے میں بریلوی عالم سے یہ پوچھ لیا کریں کہ حدیث شریف میں اور فقہ

امام اعظمؒ میں کیا حکم آیا ہے؟ بس اسی پر عمل کریں اور اپنی آخرت سنواریں۔

بدعت:

پھر اگر بریلوی عالم یہ کہے کہ یوں کر لیا کرو۔ اگرچہ حدیث میں تو نہیں، تفسیر میں بھی نہیں اور فقہ میں بھی نہیں، لیکن یوں ہے دلوں ہے، اس میں حرج ہی کیا ہے؟ تو سمجھ لیا کریں کہ یہ نئی چیز نکال رہا ہے، اسے ثواب کا کام کہہ رہا ہے اور یہی کہہ کر کہ اس میں حرج ہی کیا ہے محدث بدعت ایجاد کر رہا ہے۔ ایسے مسئلے میں اس کی بات نہ مانیں، (کیوں کہ) اسی کو بدعت کہا جاتا ہے۔ سوائے اس کے کوئی نیا مسئلہ درپیش ہو اور اس پر سب علما متفق ہو جائیں، کوئی اسے بدعت نہ کہے تو ایسا مسئلہ اجماع امت کے تحت درست ہوگا، ورنہ اگر کچھ علما کہتے ہوں کہ یہ جائز ہے، اس میں حرج کیا ہے؟ اس میں یہ فائدہ ہے اور کچھ علما کہتے ہوں کہ یہ بدعت ہے تو وہ بدعت ہی کہلائے گا، وہ ثواب اور نیکی نہ بنے گا۔ (حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب الاسماء واللغات میں یہ وضاحت فرمائی ہے)۔

حدیث پاک میں بدعتی کے لیے سخت وعید آئی ہے۔ بدعت کی یہ نحوست بتلائی گئی ہے کہ جب کوئی قوم بدعت میں لگ جاتی ہے تو سنت اٹھالی جاتی ہے۔ پھر سنت نہیں لٹائی جاتی۔ آپ دیکھ لیں کہ بدعتی علمائے نئے مسئلے اٹھا کر ان کی پابندی کر رہے ہیں اور اتفاق و اتحاد کے فرض کو مٹا رہے ہیں۔ بھائی بھائی میں نفرت و نفاق کا بیج بور ہے ہیں۔

بدعت کی جو تعریف حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہے وہ بدعت کی ایسی تعریف ہے جسے خود بدعتی علمائے صحیح تسلیم کیا ہے اور فاضل بریلوی کے دور میں یہ انوار ساطعہ اور براہین قاطعہ میں ضبط تحریر میں بھی آچکی ہے، لیکن انہوں نے کچھ لکھی اور کچھ چھوڑی ہے، کیوں کہ پوری بات لکھ دیتے تو اسی تعریف کی رو سے وہ خود بدعتی قرار پاتے۔ پوری عبارت یہ ہے جو علمائے اہل سنت کے افادے کے لیے درج کی

جاتی ہے۔

وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ بِإِسْنَادِهِ فِي مَنَاقِبِ الشَّافِعِيِّ عَنِ الشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ الْمُحَدَّثَاتُ مِنَ الْأُمُورِ ضَرْبَانِ أَحَدُهُمَا مَا أُحْدِثَ مِمَّا يُخَالِفُ كِتَابًا أَوْ سُنَّةً أَوْ أَثَرًا أَوْ إجماعًا فَهَذِهِ الْبِدْعَةُ الضَّلَالَةُ.

وَالثَّانِيَةُ مَا أُحْدِثَ مِنَ الْخَيْرِ لَا خِلَافَ فِيهِ لِوَاحِدٍ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَهَذِهِ مُحَدَّثَةٌ غَيْرُ مَذْمُومَةٍ وَقَدْ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ نِعْمَةُ الْبِدْعَةِ هَذِهِ يَعْنِي أَنَّهَا مُحَدَّثَةٌ لَمْ تَكُنْ وَإِذَا كَانَتْ لَيْسَ فِيهَا رَدٌّ لِمَا مَضَى. هَذَا آخِرُ كَلَامِ الشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

(تہذیب الاسماء واللغات للامام النووی رحمۃ اللہ علیہ الجزء الاول من القسم الثاني حرف الباء ص ۲۲)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی سند کے ساتھ اپنی کتاب مناقب شافعی میں لکھا ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا ہے کہ دین میں (دین کا کام سمجھ کر) نئی چیزوں کی ایجاد دو قسم کی ہے، ایک وہ محدث (نئی ایجاد) جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اقوال صحابہ یا اجماع کے مخالف ہو تو یہ وہ بدعت ہے جو ضلالت (گم راہی) ہے، دوسری قسم وہ ایسی نیکی کی ایجاد ہے جو سب علما نے مل کر طے کی ہو، جس میں کسی ایک بھی عالم نے مخالفت نہ کی ہو۔ یہ وہ محدث (نئی چیز ہے) جسے برا نہیں بتلایا گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان کے مہینے میں قیام (تراویح) کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ بہت اچھی بدعت ہے یعنی یہ ایسی ایجاد ہے جو پہلے راتج نہ تھی اور جب شروع ہوئی تو اس میں کوئی رد و قدح نہیں کیا گیا، کیوں کہ یہ گزر چکی تھی (یعنی جناب رسول

کیوں کہ دین مسلمانوں کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت ہے اسے ویسا ہی رکھنا ضروری ہے جیسا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم امت کے سپرد کر کے تشریف لے گئے ہیں۔

آگے..... آپ یہ پوچھیے:

آپ یہ پوچھیے کہ اذان کے وقت کیا کرنا چاہیے؟ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا بتلایا ہے؟ بس اسی پر عمل کریں۔ حدیث پاک میں صاف آتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”جب مؤذن کو اذان دیتے سنو تو مؤذن کے کلمات تم بھی کہتے رہو فُتْمُ صَلُّوا عَلَیْیَ پھر مجھ پر درود بھیجو، کیوں کہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت اتارتے ہیں۔ پھر میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلے کی دعا مانگو۔ وسیلہ جنت میں ایک درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں ایک ہی بندے کے لیے ہوگا اور مجھے امید ہے کہ میں وہ ہوں فَمَنْ مَسَّأَلِیَ الْوَسِيلَةَ خَلَّتْ عَلَیْهِ الشَّفَاعَةُ جو میرے لیے وسیلے کی دعا کرے گا اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگی۔“ (مشکوٰۃ شریف: ص ۶۴، ج ۱)

یعنی اذان کے بعد درود شریف پڑھے، پھر اَللّٰهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ ... الخ کی دعا پڑھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیم کردہ طریقے پر عمل کریں اور بس۔

بدعت کا نقصان:

بریلوی علماء بات بات پر یہ کہہ کر کہ اس میں حرج ہی کیا ہے؟ بدعات کو فروغ دیتے ہیں۔ حالانکہ اس سے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی عبادت کی شکل بدل جائے گی اور دین کی کسی چیز کی شکل بدلنے کا اختیار آقا صلی اللہ

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں دو دن اس پر عمل فرمایا تھا) یہ امام شافعیؒ کی گفتگو کا آخری حصہ ہے۔

اب جو لوگ کوئی بدعت نیکی کہہ کر ایجاد کرتے ہیں تو آپ اسے اس معیار سے جانچ لیا کریں کہ کیا سارے حنفی اہل سنت علما اس پر متفق ہیں یا نہیں؟ اگر سب متفق ہوں تو وہ جائز ہوگی، بدعت نہ ہوگی اور اگر اختلاف ہو تو بدعت سمجھیں۔ صرف اس نیکی پر عمل کریں جس پر سب علما کا اتفاق ہو۔

تازہ بدعت:

تازہ مثال دیکھ لیجیے کہ اذان سے پہلے صلوٰۃ و سلام کا رواج نہ اسلام کے شروع میں تھا، نہ پہلی صدی میں۔ حتیٰ کہ تیرھویں صدی گزری اور چودھویں صدی میں آکر یہ تقریباً ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء میں شروع کیا گیا اور فوراً ہی اسے اسلام کا جز بنا لیا۔ حالانکہ ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء کے لگ بھگ ہائی کورٹ نے یہ فیصلہ دیا تھا کہ شیعہ اپنی اذان میں اذان کے کلمات کے علاوہ جو کچھ بڑھاتے ہیں وہ سب بے اصل ہے۔ اذان اُن کے مذہب کے اعتبار سے بھی وہی ہے جو ہماری ہے مگر انہیں روکتے روکتے ہم نے خود ایک بدعت شروع کر دی، جس کا کہیں پہلے ثبوت نہیں ہے۔ جسے بعض بدعتی (بریلوی) علما نے بھی منع کیا، ان کے فتوے بھی چھپے اور جس پر خود بریلی میں بھی پابندی سے عمل نہیں کیا جاتا (۱)۔

اگر اذان کے ساتھ یہ اضافہ شیعوں کے مقابلے کی نیت سے کیا گیا ہے تو بھی درست نہیں ہے، کیوں کہ اس سے اذان کی اس شکل میں تبدیلی آتی ہے جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنا کر دی تھی اور ہر مسلمان پر اس کی حفاظت ضروری تھی

(۱) بریلوی مکتبہ فکر کے مفتی مظہر اللہ جو فتح پوری مسجد دہلی کے امام تھے، پاکستان بننے کے بعد کراچی کے دورے پر آئے۔ کراچی میں ان کے لڑکے ایک مسجد میں امام تھے۔ مفتی صاحب نے جو نماز میں ڈرامے دیکھے تو اپنے بیٹے کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہمارے مذہب میں یہ سب چیزیں نہیں ہیں۔ تو بدعتی ہو گیا۔ (شریفی)

علیہ وسلم کو تھا، ہم غلاموں کو نہیں۔ ہمیں تو صرف آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا حکم ہے کہ آنکھ میچ کر صرف اتباع سنت کرتے جائیں تو بیڑا پار ہو جائے گا۔

آخر آپ دیکھیے کہ ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی دو رکعتوں کے قعدے میں التحیات پڑھنے کے بعد درود پڑھنا منع ہے، بلکہ اگر کسی نے پڑھ لیا تو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس نے غلطی کی، اسے سجدہ سہو کرنا ہوگا۔ اگر آپ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ سے پوچھیں گے کہ اس میں حرج ہی کیا ہے؟ اور کون سی حدیث میں آیا ہے کہ پہلے قعدے میں درود شریف مت پڑھنا؟ تو حضرت امام اعظم یہی جواب دیں گے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرامؓ نے ایسا نہیں کیا، اس لیے میں منع کرتا ہوں۔

اسی ایک تازہ بدعت کی مثال سے ہی آپ نے یہ سمجھ لیا ہوگا کہ افضل شخص وہی ہے جو پُرانے طے شدہ مسائل پر عمل کرے اور سنت پر قائم رہے۔ دوسروں کو بھی سنت پر عمل کی دعوت دے اور وہی ”اہل سنت والجماعت حنفی“ ہے اور جو نئے نئے مسائل پر چلے، جو صدیوں بعد ایجاد ہوئے ہیں وہ اہل سنت والجماعت میں نہیں ہے بلکہ بدعتی ہے۔ جو ان کے لیے جھگڑے بھی وہ پکا بدعتی ہے۔ وہ مرنے کے بعد جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دیکھائے گا اور آپ سے کیسے شفاعت چاہے گا؟

بدعت کا ایک اور نقصان:

بدعتی علما جب ایک دروازہ کھولتے ہیں تو عوام ایسے اور دروازے کھول لیتے ہیں۔ بدعتی علما جس چیز کو مستحب کہتے ہیں عوام اسے واجب بلکہ فرض بلکہ کفر و اسلام کا مسئلہ بنا ڈالتے ہیں۔ پھر اس پر لڑائی جھگڑے فساد تک کی نوبت آتی ہے۔ مثال کے لیے صفر کے آخری چار شنبہ (بدھ) ہی کو لے لیجیے، بریلوی عالموں نے اسے بے اصل اور غلط لکھا ہے۔ احمد رضا خان صاحب کے شاگرد اور خلیفہ صدر الشریعہ امجد علی صاحب لکھتے ہیں:

”ماہ صفر کا آخری چار شنبہ ہندوستان میں بہت منایا جاتا ہے، لوگ اپنے کاروبار بند کر دیتے ہیں، سیر و تفریح و شکار کو جاتے ہیں، پوریاں پکتی ہیں اور نہاتے دھوتے خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز غسلِ صحت فرمایا اور بیرونِ مدینہ طیبہ سیر کے لیے تشریف لے گئے تھے، یہ سب باتیں بے اصل ہیں بلکہ ان دنوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض شدت کے ساتھ تھا۔ وہ باتیں خلاف واقع ہیں اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس روز بلائیں آتی ہیں اور طرح طرح کی باتیں بیان کی جاتی ہے، سب بے ثبوت ہیں بلکہ حدیث کا ارشاد لَا صَفْرَ یعنی صفر کوئی چیز نہیں ایسے تمام خرافات کو رد کرتا ہے۔“

(بہار شریعت: حصہ شانزدہم، ص ۵۸-۵۷)

لیکن اب اس کے بارے میں کوئی بدعتی عالم زبان نہیں کھولتا، کوئی نہ روکتا ہے نہ ٹوکتا ہے، کیوں کہ بدعتی علما عوام کو دین نہیں سکھاتے، انہیں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ نہیں دکھاتے۔ ان کا مقصد دین سکھانا نہیں بلکہ ان کا مطلوب دنیا ہے۔ ان کا مقصد خدا کی خوش نودی حاصل کرنا نہیں بلکہ عوام کے غشا پر چل کر ان کی خوش نودی حاصل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے اور اللہ ہم سب کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر چلائے اور بدعات سے بچائے، آمین!

فاضل بریلوی احمد رضا خان صاحب کے بدعتی فرقے کی بنیاد اہل سنت والجماعت پر الزام تراشی اور سب و شتم پر ہے اور ان کے اجتہادی مسائل کی بنیاد ضعیف حدیثوں پر ہے۔ انہوں نے ضعیف حدیثوں کو قابلِ عمل بلکہ حجت قرار دینے کی بہت کوشش کی ہے۔ اس موضوع پر انہوں نے اپنے مجموعہ فتاویٰ میں تقریباً ایک سو پچیس صفحات کا طویل مضمون بھی لکھا ہے۔ اس طرح ضعیف حدیثوں سے بھی انہوں نے جو مسئلہ نکالا اسے بھی جھگڑے اور تفریق کی بنیاد بنایا ہے۔

دینا پڑتا ہے اور اسٹیٹ بینک اتنے ہی نوٹ چھاپتا ہے جتنا اس کے پاس سونا چاندی یا مال و جائیداد و تمسکات ہوں۔ اگر نوٹ اس سے زیادہ مثلاً ڈگنے چھاپ دے تو رپے کی قیمت آدھی کرنی پڑ جاتی ہے۔

تو معلوم ہوا کہ نوٹ ایک سرکاری دستاویزی کاغذ ہے۔ حوالہ اور ہنڈی کی طرح اس کا اصل مال جس کا یہ حوالہ ہے اسٹیٹ بینک میں ہے۔ بہ غرض سہولت انگریز کے چلے جانے کے بعد بھی اس طریقے کو باقی اور جاری رکھا گیا ہے۔ سونا چاندی باہر نہیں لایا گیا۔ مقصد یہ ہے کہ اس طرح بیت المال میں اصل مال محفوظ رہے اور اس کے حوالے سے لوگ اصل مال کے برابر فائدہ اٹھاتے رہیں اور اسے اصل سونے اور چاندی کے رپیہ اور اشرفی کی طرح چلاتے رہیں۔ عام خرید و فروخت اور بڑی سے بڑی تجارت کرتے رہیں۔ اس لیے یہ عام کاغذ کی طرح ہرگز نہیں ہے، لہذا اگر کوئی شخص کسی کو دس کا نوٹ قرض دے کر یہ کہے کہ مجھے تم ایک ماہ بعد گیارہ رپے کا نوٹ دو گے تو یہ سود ہی ہوگا۔

فاضل بریلوی کا مسئلہ اور اجتہاد بالکل غلط ہے اور چوں کہ نوٹ کی دوسری عربی رواجی حیثیت بھی ملحوظ رکھنی ضروری ہے کہ اس سے اتنا ج، کپڑا اور ہر قسم کا سامان خریدا جاتا ہے، حتیٰ کہ سونا چاندی بھی، اس لیے نوٹ پر نقدین یعنی سونا چاندی کا حکم بھی لگے گا اور زکوٰۃ فرض ہوگی۔

فاضل بریلوی کے پیروکار بدعتی علما ان کی تعریفوں کے پل باندھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا قلم محفوظ عن الخطا تھا، ان سے غلطی ہوتی ہی نہ تھی، لیکن یہ میں نے ان کی فقہی لغزش کی ایک مثال دی ہے، ان کی اس قسم کی لغزشیں ان کی کتابوں میں بے حد و حساب موجود ہیں۔ انہوں نے ان کو چھپانے کا یہ سہل طریقہ اختیار کیا کہ دوسرے بڑے بڑے علمائے سنت پر الزام تراشی کی، امت مسلمہ میں تفرقہ کا بیج بویا اور برصغیر کے متبعین سنت علمائے دیوبند کو وہابی قرار دیا۔

فاضل بریلوی کی فقہیت کی ایک مثال:

بہت سے مسائل میں انہوں نے اجتہاد بھی کیا ہے اور اس میں ان سے زبردست غلطیاں ہوتی رہی ہیں، لیکن انہوں نے ہمیشہ اپنی غلطی ماننے کے بجائے اصلاح کرنے والوں کا مذاق اڑایا ہے۔ مثلاً ان کی سمجھ میں یہ آیا کہ نوٹوں میں سود نہ ہونا چاہیے، کیوں کہ وہ کاغذ ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنا ایک رپیہ کا کاغذ ایک ہزار میں بیچ میں دے تو بالکل جائز ہے۔ کیوں کہ ہر آدمی کو اپنی چیز کی قیمت لگانے کا اختیار ہے۔ اس طرح انہوں نے ایک لمبا رسالہ لکھ ڈالا، اس کا نام ”کفل الفقہ الفہم فی احکام قرطاس الدراہم“ رکھ دیا اور اس میں ہر اس بزرگ کا مذاق اڑایا جس نے ان کے اس مسئلے کو غلط کہا اور اپنے مذکورہ بالا دلیل پر جے رہے۔ انہیں فقہ کی عبارتیں بہت یاد تھیں وہ سب لکھ ڈالیں، مگر وہ فقیہ نہ تھے۔ ان کا علم غیر اصولی تھا، مطالعہ سے بڑھا تھا اور طبیعت میں بے حد ضد اور عناد تھا، اس لیے اپنی غلطی پر متنبہ نہ ہوئے۔ آپ جانتے ہیں کہ پانچ رپیہ کے نوٹ پر بھی یہ عبارت ہوتی ہے:

”بینک دولت پاکستان پانچ رپیہ حامل ہذا کو مطالبہ پر ادا کرے گا۔“

حکومت کی ضمانت سے جاری ہوا“

پھر گورنر بینک دولت پاکستان کے دستخط ہوتے ہیں۔

تو یہ کاغذ وہ کاغذ نہیں جس پر فاضل بریلوی نے قیاس کیا کہ بلا کراہت اپنے کاغذ کو چاہے ایک ہزار میں بیچ دے اسے اختیار ہے۔ یہ حکومت کا کاغذ ہے۔ مملکت کا بیت المال (اسٹیٹ بینک) اس کا جاری کرنے والا ہے۔ اس کے پانچ کے نوٹ سے پانچ کا اور ہزار کے نوٹ سے ہزار ہی کا نفع حاصل کر سکتے ہیں اور جب وہ ضمانت سے انکار کر دے، نوٹ کینسل کر دے تو ہزار کے نوٹ بھی بے کار ہو جاتے ہیں۔ پانچ رپیہ کا نوٹ ہو یا ایک ارب کے نوٹ ہوں جب کسی بیرون ممالک میں چلے جاتے ہیں تو بین الاقوامی بینک کے ذریعے اتنے نوٹوں کا سونا، چاندی یا مال و اسباب پاکستان کو

تھے، ان کے ماننے والے سب حنبلی ہیں، انہیں ہی ”وہابی“ کہا جاتا ہے۔ حنفی، شافعی اور مالکی کی طرح حنبلی مذہب کا شمار بھی اہل سنت والجماعت میں ہوتا ہے اور یہاں پاکستان، افغانستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، برما اور ایران کے سنی حضرات سب حنفی ہیں۔ بمبئی اور جزائر مالدیپ وغیرہ میں کچھ شافعی حضرات بھی ہیں۔ درحقیقت یہاں کوئی وہابی سرے سے ہے ہی نہیں۔ پھر یہاں کے کچھ حنفی علمائے اہل سنت والجماعت کو ”وہابی“ کہنا خالص جھوٹ اور الزام ہے، جو فاضل بریلوی اور ان کے پیروکاروں نے پروپیگنڈے کے لیے علمائے حق کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا شروع کیا اور اسی پر آنکھ میچ کر چلے جا رہے ہیں۔

حامد میاں

حامد میاں

ہو سکتا ہے کہ یہ لغزش انگریزوں کی حمایت کا نتیجہ ہو۔ مسلمان نوٹوں پر سود حلال سمجھ کر چاندی کے سکے کے بجائے نوٹ پسند کرنے لگیں اور انگریز ہندوستان سے بے حساب چاندی سمیٹ لے جائیں، جس کی انہیں جنگ عظیم اول کے بعد شدید ضرورت تھی۔ انگریزوں کی حمایت ان کا جدی ورثہ تھی۔ مولوی احمد رضا خان کے پردادا حافظ کاظم علی خان بریلوی نے انگریزی حکومت کی پولیٹیکل خدمات انجام دیں۔ (حیات اعلیٰ حضرت: ص ۳۳۱۔ اقبال کے مدح و تحسین: ص ۱۸)

احمد رضا خان صاحب نے انگریزوں کی جو خدمات انجام دیں انگریزوں نے اس کی تعریف کی۔ فرانسیسی رابن سن لکھتا ہے:

”ان کا معمول کا طریقہ کار حکومت کی حمایت تھی اور جنگ عظیم اول اور تحریک خلافت میں انہوں نے مسلسل حکومت کی حمایت جاری رکھی اور ۱۹۲۱ء میں بریلی میں ترک موالات کے مخالف علماء کی ایک کانفرنس منعقد کی، ان کا عوام پر خاطر خواہ اثر تھا لیکن مسلمانوں کے پڑھے لکھے طبقے کی حمایت حاصل نہ تھی۔“ (سپرٹرم اننگ انڈین مسلمز: ص ۴۴۲)

انگریزوں کی حکومت اب ختم ہو گئی ہے، اس لیے ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ احمد رضا خان صاحب کی تمام تحریرات کو ضبط کرے۔ کیوں کہ ان کی تمام تحریرات میں فساد کا درس دیا گیا ہے۔

”وہابی“ کسے کہتے ہیں؟

حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے تبعین (پیروکاروں) میں جس طرح پوری دنیا میں مشہور روحانی بزرگ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ غوث وقت گزرے ہیں، اسی طرح ان کے ماننے والوں میں کئی صدی بعد ساری دنیا میں مشہور عالم علامہ ابن تیمیہ گزرے ہیں۔ پھر ان کے بعد بارہویں تیرہویں صدی میں ”محمد ابن عبدالوہاب“ نجد میں گزرے ہیں، یہ بھی علامہ ابن تیمیہ کی طرح حنبلی عالم

بَصْرَةُ وَكَرَى لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ

نقد و تبصرہ

برکنز الایمان و خزان العرفان

از

شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد مہدی صاحب

جامعہ منیرہ کریم پارک لاہور

اکاڑا ریلوے اسٹیشن سے متعلق ریلوے پولیس چوکی کی ایک مسجد ہے، جہاں مولانا عبدالحق (جو بخاری مسجد المعروف پل والی مسجد اکاڑا میں امام اور خطیب تھے) کا بریلوی حضرات کی مسلسل شرارتوں کی وجہ سے کچھ تنازعہ ہو گیا۔ یہ تنازعہ اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ مولانا عبدالحق کا بیٹا اور داماد شہید کر دیے گئے، آخر جب بریلوی حضرات کو اپنے مقصد میں ناکامی کا یقین ہونے لگا تو وہ یہ معاملہ دیپال پور شہر کی عدالت میں لے گئے، جس کا جج عیسائی تھا اور درپردہ عیسائی جج کے پاس مقدمہ لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ "اس کو بھڑکانیں گے کہ ان دیوبندیوں نے عیسائیت کے خلاف بڑا کام کیا ہے، یہی تمہارے ازلی مخالف ہیں اور اس طرح عیسائی جج کا فیصلہ اپنے حق میں ہونے کا غالب امکان ہے۔ اہل بدعت کے مقتدا مولوی غلام علی اکاڑوی اس معاملے میں سرفہرست تھے۔

چنانچہ بریلویوں کی جانب سے مولوی غلام علی اور اہل سنت والجماعت کی طرف سے مولانا محمد امین صفدر اکاڑوی جج کے رو بہ رو پیش ہوئے۔ مولانا نے فرقہ بریلویت کے بانی احمد رضا خان صاحب بریلوی کا یہ فتویٰ بھری عدالت میں پیش کر دیا کہ "اگر کوئی سنی اپنی کوئی فریاد یا مقدمہ یا اپیل کسی عیسائی کے پاس لے کر جائے تو وہ مرتد ہے، دایرہ اسلام سے خارج ہے اور اس کا نکاح باطل ہو جائے گا۔" گویا "لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا۔" بس مولانا کا یہ عبارت بھری عدالت میں پیش کرنا تھا کہ مولوی غلام علی اور ان کے حواری حواس باختہ ہو گئے اور عدالت درخواست کر دی گئی۔ بعد میں مولوی غلام علی نے اس ذلت و رسوائی کا داغ دھونے کے لیے تنہائی میں اپنی پگڑی مولانا امین صفدر کے قدموں میں رکھ دی اور تجویز صلح پیش کی۔ مولانا نے فرمایا کہ "آپ جج کے رو بہ رو معافی مانگ لیں، ہم مقدمہ خارج کرنے کے لیے تیار ہیں۔" چنانچہ مولوی غلام علی نے جج کے رو بہ رو معافی مانگی اور مقدمہ خارج کر دیا گیا۔

(علمی مجالس: ص ۲۱۷)

لکھنؤ اٹھ یا میں بہت بڑا شہر ہے، جس طرح دہلی ہے اس طرح لکھنؤ۔ یہ دونوں شہر اردو زبان کے گھر ہیں۔ اردو کے بڑے ماہرین یا دہلی میں ہوئے ہیں یا لکھنؤ میں۔ تو لکھنؤ میں مشاعرہ رکھا گیا۔ اب شاعر اپنی اپنی نظمیں اور اشعار لکھ کر لے آئے۔ موضوع تھا ”مقام حسین رضی اللہ عنہ“ اب ہر شہر میں کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو بغیر بلائے آجاتے ہیں کہ ایک آدھ نعت پڑھ دیں گے، کچھ رپے اکٹھے ہو جائیں، کھانا مل جائے، اب جو ایسے تھے وہ سارے اکٹھے ہو جائیں، کھانا مل جائے گزارا ہو جائے گا، اب جو ایسے تھے وہ سارے اکٹھے ہوئے کہ اگر لکھنؤ میں مشاعرے ہونے لگے اور بڑے بڑے شاعر آنے لگے پھر ہمیں کون جلسوں میں بلائے گا؟ اس لیے ہمارے تو ہیٹ کا مسئلہ بن رہا ہے، جس کی فکر کرنی چاہیے۔ اب کیا کرنا چاہیے؟ ایک نے کہا کہ آپ مجھے اپنا اعلیٰ حضرت مان لیں، جہاں میں شور مچاؤں آپ کو سمجھ آئے یا نہ آئے آپ نے شور مچا دینا ہے۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ سازش مکمل ہو گئی۔ اب سارے مجمع میں کوئی ادھر کوئی ادھر پھیل کر بیٹھ گئے اور اعلیٰ حضرت اسٹیج کے قریب بیٹھ گئے۔ پہلا شاعر کھڑا ہوا، پہلی نظم کا پہلا مصرعہ یہ تھا ”کان نبی کا گوہر یکسا حسینؑ ہے۔“ دو تین دفعہ اس نے مصرعے کو دہرایا۔ اعلیٰ حضرت کھڑے ہو گئے کہ کافر بے ایمان ہمارے نبی کو کانا کہتا ہے۔ اب جو ادھر ادھر بیٹھے تھے سارے کھڑے ہو گئے کہ کافر کافر کافر کافر۔ اللہ کے نبی پاک کو کانا کہتا ہے۔ کافر کافر کا شور مچ گیا۔ شاعر بڑا پریشان، یا اللہ! یہ دیہات تو ہے نہیں یہ تو شہر ہے وہ بھی لکھنؤ۔ ان کو ”کان“ کا مطلب نہیں آتا؟ جس سے ہیرے موتی جو ہرات نکلتے ہیں۔ میرا تو مطلب یہ ہے کہ نبی کی کان کا ایک موتی حسین ہے، انہوں نے کیا مطلب نکال لیا۔ اب وہ گھبرا گیا اور سوچا کہ موتی سیپ سمندر سے بھی نکلتے ہیں۔ اب اس نے مصرعہ تبدیل کر دیا، ”محر نبی کا گوہر یکسا حسینؑ ہے“ اتنے میں اعلیٰ حضرت اور اس کی پارٹی اسٹیج پر پہنچ گئی کہ یہ بڑا کافر ہے، پہلے ہمارے نبی کو کانا کہا پھر بھرا کہا۔ بس جناب اس کی پٹائی شروع کر دی۔ اب سارے شاعر سمجھائیں کہ اس کا مطلب تو اور ہے۔ کہنے لگے نہیں اچھیں کوئی گالی دے تو پتا چلے، اللہ کے نبی کو گالی دی ہے۔ تمہارے باپ تمہارے استاد کو گالی دے تو پتا چلے۔ اب تم تاویلیں کرتے ہو۔ وہ نبی کو گالیاں دیتا ہے تم تاویلیں کرتے ہو۔ اب اندازہ لگائیں کہ وہ سب پریشان اور اعلیٰ حضرت اور اس کی پارٹی آج تک کہہ رہی ہے کہ وہ کافر کافر کافر۔ (خطبات صفحہ: ج ۲، ص ۲۰-۲۱)

تعارف

پہ قلم: حضرت مولانا عطاء الرحمن زاد مجدہ

حق کے مقابلے میں باطل ہمیشہ سے چلا آرہا ہے اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، لیکن یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بالآخر حق کو بلندی اور فتح حاصل ہوتی ہے اور باطل خایب و خاسر ہوتا ہے۔

گزشتہ دور میں متحدہ ہندوستان میں ایشیا کی عظیم اسلامی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند حق و صداقت کی ترجمان تھی اور آج بھی ہے، ان شاء اللہ العزیز آئندہ بھی رہے گی۔ یہ عظیم دارالعلوم جسے دیکھ کر فرنگی کو اپنا مستقبل تاریک نظر آتا تھا، جس سے فارغ التحصیل ہونے والے مختلف صلاحیتوں کے مالک ہونے کے علاوہ عظیم مجاہد، فعال کارکن، فرنگی حکومت کے بیخ کن اور میدان سیاست کے بہترین شہسوار ہوتے تھے، تو پھر کیوں فرنگی کو اپنا مستقبل تاریک نہ نظر آتا؟ اس نے اپنا مستقبل روشن دیکھنے کی خاطر کئی جتن کیے۔ علمائے حق کے مقابلے میں علمائے سو پیدا کیے۔ جن کا مشغلہ علمائے حق کو برا بھلا کہنا اور بے دریغ کفر کے فتوے صادر کرنا تھا۔ اسی قسم کا ایک ”دارالتکفیر“ بریلی میں تھا، جس کے بانی و مؤسس آلے حضرت احمد رضا خان بریلوی تھے، جن کی تکفیر کا نشانہ سب سے زیادہ علمائے دیوبند اور اس کے علاوہ ہر وہ تحریک تھی جو انگریزی

حکومت کے خلاف اٹھتی تھی، بلکہ ہر وہ جس کو ان سے ذرہ بھر اختلاف ہو۔ اسی لیے مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے کہا تھا۔

جب سے پھوٹی ہے بریلی سے کرن تکفیر کی
دید کے قابل ہے اس کا انعکاس و انعطاف
مشغلہ ان کا ہے تکفیر مسلمانان ہند
ہے وہ کافر جس کو ہوان سے ذرا بھی اختلاف (۱)

اس کے علاوہ جناب احمد رضا خان صاحب بریلوی نے قوم کو چند مخصوص اور خود ساختہ عقاید دیے، جس سے اسلام کے بنیادی عقاید کی عمارت بہ خوبی منہدم ہو سکے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جگہ حاضر ناظر ہونے کا عقیدہ، تاکہ معراج اور ہجرت کا اعزاز ختم ہو۔ مختار کل کا عقیدہ، تاکہ شفاعت مذنبین کا تمغہ نہ رہے۔ علم غیب کلی کا عقیدہ تاکہ وحی کی آمد کا سوال ہی پیدا نہ ہو۔

انہی خود ساختہ عقاید کو قرآن سے ثابت کرنے کے لیے وہ جا بجا قرآن پاک کے ترجمے میں تحریف اور بددیانتی کے مرتکب ہوئے ہیں، جس کو ان کے اخلاف نے قرآن پاک کی روح کا ترجمہ کہہ کر قوم کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں!

۱..... قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ
الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ (سورۃ النعام: ۵۰)

”تم فرماؤ میں تم سے نہیں کہتا، میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔“ (ترجمہ احمد رضا بریلوی)

(۱) اس کی حقیقت کو جاننے کے لیے ہمارے ادارے کی کتاب ”رضا خانوں کی کفر سازیاں“ مطالعہ کیجیے۔ (ناشر)

لا اعلم الغیب کا ترجمہ ”میں آپ غیب جان لیتا ہوں“ عربی گرامر کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے، لیکن یہ ترجمہ اس باطل عقیدے کے تحفظ کے لیے کیا گیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب تھے۔ جیسا کہ جناب احمد یار خان گجراتی لکھتے ہیں کہ

”اولیاء اللہ کے لیے دور و نزدیک یک ساں ہے۔ جب ان کی نظر دور و قریب کو یک ساں دیکھ سکتی ہے تو اگر ان کے کان دور و نزدیک کی آوازیں لیں تو کیوں شرک ہوا؟“ (جاء الحق: حصہ اول، ص ۱۶۹)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ
”تمام عالم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے اس طرح ہے جیسے اپنی کف دست“ (جاء الحق: ص ۶۳)

یہ آیت اس باطل عقیدے کو سبوتاژ کرنے کے لیے کافی ہے۔ اس آیت کا ترجمہ حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسن محدث دیوبندی) رحمۃ اللہ علیہ نے جو کیا ہے وہ صحیح ترجمہ ہے، دیکھیے:

”تو کہہ میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس ہیں خزانے اللہ کے۔ اور نہ میں جانوں غیب کی بات اور نہ میں کہوں تم سے کہ میں فرشتہ ہوں۔“
۲..... قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ط (سورۃ اعراف: ۱۸۸)

”تم فرماؤ میں اپنی جان کے بھلے برے کا خود مختار نہیں مگر جو اللہ چاہے۔“
(ترجمہ احمد رضا بریلوی)

یہ آیت اس باطل عقیدے کی نفی کر رہی تھی جس کی تعلیم احمد رضا خان صاحب بریلوی نے ”حدائق بخشش“ میں یوں دی ہے

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محبت میں نہیں میرا تیرا

(حدائق بخشش: حصہ اول، ص ۲)

اس باطل عقیدے کے تحفظ کے لیے لَا اَمْلِكُ کا معنی خود مختار نہیں کیا ہے۔
اب صحیح ترجمہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا دیکھیے:
”تو کہہ دے کہ میں مالک نہیں اپنی جان کے بھلے کا اور نہ برے کا مگر جو
اللہ چاہے۔“

لطف کی بات یہ ہے کہ اسی قسم کی آیت جب سورہ یونس: ۳۹ میں آئی ہے تو وہاں
مولوی احمد رضا خان صاحب نے ترجمہ صحیح کیا ہے۔ ملاحظہ ہو!
”تم فرماؤ میں اپنی جان کے برے بھلے کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ
چاہے۔“

یہاں اختیار کے لفظ سے پہلے بریکٹ میں ذاتی کے لفظ کا اضافہ ہے اور یہ
اضافہ بعد کا معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ خان صاحب اتنے محتاط نہیں تھے بلکہ بیشتر الفاظ
ترجمے میں وہ اپنی طرف سے زیادہ کر دیتے ہیں اور کوئی بریکٹ وغیرہ نہیں ہوتا۔ ایسا
معلوم ہوتا ہے جیسا کہ قرآنی الفاظ کا ترجمہ ہو۔ نویں پارے والی آیت پہلے واقع ہے
اور عموماً دلیل میں وہی آیت پیش کی جاتی ہے، تو اس کے ترجمے میں تو اپنی طرف سے
من بھاتا ترجمہ کر دیا، لیکن گیارہویں پارے میں جب یہ آیت واقع ہوئی تو بھول
گئے۔ واہ رے خان صاحب تیری مسلمانی! اور یہ خان صاحب کی عادت ہے، اسی قسم
کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔

۳..... قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلَيَّ (سورہ کہف: ۱۱۰)

”تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں، مجھے وحی آتی ہے۔“

(ترجمہ احمد رضا بریلوی)

یہاں ظاہر صورت کسی قرآنی لفظ کا ترجمہ نہیں بلکہ خان صاحب کا اپنی طرف
سے اضافہ ہے اور کوئی بریکٹ وغیرہ بھی نہیں ہے، جس سے ظاہر ہو کہ یہ قرآنی لفظ کا

ترجمہ نہیں بلکہ مفہوم کو واضح کرنے کے لیے مترجم کی طرف سے اضافہ ہے، لیکن
منصب احتیاط خان صاحب سے کوسوں بعید ہے۔ اب رہا یہ کہ خان صاحب ظاہر
صورت کا اضافہ کرنے پر کیوں مجبور ہوئے؟ اور پھر اس اضافے کو ظاہر کیوں نہیں
ہونے دیا۔ اس کی وجہ بھی ایک باطل عقیدے کا تحفظ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم صرف ظاہری صورت میں بشر اور انسان تھے، حقیقت میں وہ نوری مخلوق سے
تھے۔ جیسا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نوری ہونے کے باوجود انسانی شکل میں بھی
آ جاتے تھے اور یہ آیت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کو ثابت کر رہی ہے، اس
لیے خان صاحب کو یہ اضافہ کرنا پڑا اور اس اضافے کو اس لیے چھپایا تا کہ اردو دان
حضرات یہ سمجھیں کہ قرآنی الفاظ کا ترجمہ ہے اور قرآن پاک میں اسی طرح آیا ہے۔
عموماً آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت پر استدلال کے لیے یہ آیت پیش کی
جاتی ہے، اس لیے خیانت کا ارتکاب اسی آیت میں کیا، لیکن جب یہی آیت سورہ حم
السجدہ: ۶ میں آتی ہے تو وہاں یہ ترجمہ کیا ہے:

”تم فرماؤ! آدمی ہونے میں تو میں تمہیں جیسا ہوں“

یہ ہے آلے حضرت کی دیانت۔ چند مثالیں آپ کی خدمت میں بندے نے
پیش کی ہیں اور مزید کچھ تبصرہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمۃ
اللہ علیہ (بانی مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور، خلیفہ مجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا السید حسین
احمد مدنی نور اللہ مرقدہ) کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے، جس سے ان بلند بانگ دعوؤں کی
قلعی خوب کھل جاتی ہے جو اس ترجمہ وحاشیے کو عام کرنے کے لیے اور عوام الناس کو
قرآن کے نام پر گم راہ کرنے کے لیے ایک کھیل کھیلا جا رہا ہے۔

خان صاحب بریلوی اس میدان کے آدمی نہیں تھے جس میں ان کو قہرین کھڑا
کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی فتاہت کا بھی خوب چرچا کیا جا رہا ہے۔ اس پر حضرت شیخ
الحدیث علیہ الرحمۃ کا ایک اور مقالہ ”فاضل بریلوی کی فقہی حیثیت“ بھی اس زیر نظر

مقالے کے ساتھ شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔

جو شخص جس میدان کا نہ ہو اس کو ایسے میدان میں لانا ذلت و رسوائی کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ خان صاحب بریلوی کا محبوب ترین مشغلہ ”تکفیر بازی“ تھا۔ ان سے جو بھی کوئی ذرہ بھرا اختلاف کرتا تو گالی گلوچ اور کفر کا فتویٰ اس بے چارے کا مقدر بن جاتا۔ اب ذرا کوثر و تسنیم سے دھلی ہوئی زبان ملاحظہ فرمائیے:

(۱) اشیاء (۲) یہ سب کے سب مرتد ہیں (۳) ملحد (۴) کذاب (۵) بد دین (۶) دوزخ کے کتے (۷) شیطان کے گروہ (۸) بدکار (۹) ملعون (۱۰) دغا باز (۱۱) مکار (۱۲) شیطان کے چیلے (۱۳) ان کا شیخ ابلیس (۱۴) بکواس کرنے والے (۱۵) کافروں سے بدتر (۱۶) کفری نجاستوں میں بھرے (۱۷) ہر مجلس میں ان کی تحقیر واجب، ان کی پردہ دری صواب!

یہ چند گالیاں ہم نے مقدمہ ”الشہاب الثاقب“ از مولانا انوار احمد صاحب ایم کام علیہ الرحمۃ سے نقل کی ہیں۔ جس میں لکھتے ہیں کہ ”خلاصۃ فوائد فتاویٰ“ میں احمد رضا خان صاحب نے چودہ صفحات میں تقریباً سات سو گالیاں جمع فرمائی ہیں۔ یہ تو مترجم کا حال تھا، اب ذرا محشی صاحب جناب نعیم الدین مراد آبادی کی زبان ملاحظہ فرمائیے، اگر اور کوئی ہوتا تو ہم اس کو ”بازاری زبان“ کے نام سے موسوم کرتے، لیکن یہاں کیا کریں کہ ایک آلے حضرت ہیں اور دوسرے ماشاء اللہ صدر الافاضل ہیں!

آپ خود اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

رئیس المجاہدین، خاندان ولی اللہی کے چشم و چراغ حضرت شاہ اسماعیل صاحب شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایمان افروز تصنیف ”تقویۃ الایمان“ جو کہ شرک و بدعت کے قلعوں پر بجلی بن کر گری، اس کے جواب میں ایک کتاب بہ نام ”اطیب اللسان“

نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے لکھی۔ پھر مراد آبادی صاحب کے جواب میں ایک اہل حدیث عالم مولانا حافظ عزیز الدین صاحب مراد آبادی نے ”اکمل البیان“ کے نام سے ضخیم کتاب تصنیف فرمائی۔ اس کے صفحہ ۷ پر اطیب البیان میں شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کو دی گئی گالیوں کو جمع کیا ہے اور وہ یہ ہیں:

(۱) ظالم (۲) بے دین (۳) سؤد اللہ و جبک (۴) مفتری (۵) تھوک دو اس بے حیا کے منہ پر (۶) دشمن دین (۷) بد نصیب (۸) بد باطن (۹) جاہل (۱۰) بد لگام (۱۱) نابینا (۱۲) بد بخت (۱۳) گم راہ (۱۴) جھوٹا (۱۵) دغا باز (۱۶) نافر جام (۱۷) قاتلہم اللہ تعالیٰ (۱۸) گستاخ (۱۹) نابکار (۲۰) بے ایمان (۲۱) مردود۔

اب فرمائیے! کیا یہ کسی مترجم یا مفسر کی زبان ہو سکتی ہے؟ جس گھر میں رہ کر مترجم و مفسر بنا جاتا ہے اس گھر کی زبان تو قال اللہ، قال الرسول ہے۔ یہ تو کسی اور گھر کی زبان ہے۔ ان بزرگوں کی ”مغلطات“ کا ایک علاحدہ موضوع ہے، یہاں گنجائش نہیں ہے۔

آخر میں ہم بریلوی حضرات سے صرف اتنی گزارش ضرور کریں گے کہ اپنے ان اکابر کو ترجمہ، تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کے میدان میں لانے کی کوشش مت کریں۔ وہ تو دنیا سے جا چکے ہیں، ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، لیکن اس میں خواہ مخواہ آپ کو ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ حقائق پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا، وہ ظاہر ہو کر رہتے ہیں۔ آپ اپنے اکابر کو کب تک غلط رنگ میں پیش کرتے رہیں گے؟ آپ کے سابقہ بزرگوں نے اچھا کام کیا کہ اس ترجمہ و حاشیے کی آج تک (یعنی ۱۹۸۰ء تک) اشاعت کی ضرورت نہیں سمجھی۔ کاش کہ آپ بھی سمجھ جاتے تو اس ترجمے کو شائع کر کے رسوا نہ ہوتے۔

اگر بندے کی تحریر میں کوئی تلخی محسوس ہو تو بندے کو مجبور سمجھیں، کیوں کہ آخر آپ نے بھی تو حضرت شاہ رفیع الدین صاحب اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب سے لے

کر علمائے دیوبند تک کے تمام تراجم کو گم راہ کن کہہ کر آخرت سے اپنی بے خونی کا ثبوت دیا ہے۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

تو اس لیے اگر بندے کی تحریر میں کچھ شدت آگئی ہو تو اِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا پر محمول فرمائیں۔

حضرت شیخ الحدیثؒ کے یہ رسائل ۱۹۸۳ء میں مدرسہ تجوید القرآن رحمانیہ، خانو خیل (ضلع ڈیرہ اسماعیل خان) سے شائع ہوئے تھے۔ اب کراچی کا جدید مسلکی اشاعتی ادارہ ”تحفظ نظریات دیوبند اکادمی“ جو اکابر دیوبند کی نایاب کتب شائع کرنے کا عزم رکھتا ہے، جدید، خوش نما کمپوز کرا کے عمدہ انداز سے شائع کر رہا ہے۔ اس ایڈیشن میں حافظ تنویر احمد شریفی نے حضرت شیخ الحدیثؒ کے مقالے میں ذیلی عنوانات کا اضافہ کیا ہے، اس لیے یہ ایڈیشن ممتاز ہے۔ اللہ تعالیٰ کارکنان ”تحفظ نظریات دیوبند اکادمی“ کی اس حق گوئی کو قبول فرمائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

عطاء الرحمن رحمانی عفا اللہ عنہ

خادم شعبہ درس نظامی

مدرسہ تجوید القرآن رحمانیہ خانو خیل

یکم شوال المکرم ۱۴۲۵ھ

۱۴ نومبر ۲۰۰۴ء بہ روز اتوار

باب (۱)

بریلی کا تعارف

بریلی صوبہ یوپی انڈیا میں ایک شہر کا نام ہے۔ پنجاب سے گزر کر کلکتہ جانے والی لائن پر یہ شہر آتا ہے۔ پنجاب کی سرحد دریائے جمنہ پر ختم ہوتی ہے، اس کے پار یوپی کا پہلا شہر بہارن پور آتا ہے، پھر ضلع بجنور کا حصہ، پھر مراد آباد، پھر ضلع رام پور اور پھر بریلی۔ بریلی کا فاصلہ پنجاب کی سرحد سے دوسو میل کے قریب ہے۔ بریلی انگریزوں کے زمانے میں بھی ضلع تھا اور وہاں دماغی امراض کا ہسپتال مشہور تھا۔ ریاست رام پور کو اب ضلع بنا دیا گیا ہے، ریاست پہلے ضلع مراد آباد میں داخل تھی، اس طرح مراد آباد اور بریلی ایک دوسرے سے متصل اضلاع تھے۔

احمد رضا اور نعیم الدین۔ ایک ذہن کے دو پڑوسی:

”علامہ“ احمد رضا خان صاحب بریلی میں تھے اور نعیم الدین صاحب مراد آباد میں۔ ایک صاحب نے ترجمہ لکھا اور دوسرے نے تفسیر۔

فاضل بریلوی شوال ۱۲۷۲ھ جون ۱۸۵۶ء میں بریلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے سوانح نگاروں نے ان کا لٹریچر پٹھانی میں لکھا ہے۔ انہوں نے اپنے والد سے پڑھا اور ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ پھر ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۷ء میں مارہرہ کے سجادہ نشین سید آل رسول صاحب سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے۔ فاضل بریلوی نے پہلا حج ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۷ء میں کیا اور دوسرا حج ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں کیا (۱)۔

پھر جب حضرت صدر الشریعہ اور دیگر علمائے حاضرین اعلیٰ حضرت کے ترجمے کا کتب تقاسیر سے تقابل کرتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ اعلیٰ حضرت کا یہ برجستہ فی البدیہہ ترجمہ تقاسیر معتبرہ کے بالکل مطابق ہے۔ الغرض اسی قلیل وقت میں یہ ترجمہ کا کام ہوتا رہا۔ پھر وہ مبارک ساعت بھی آگئی کہ حضرت صدر الشریعہ نے اعلیٰ حضرت سے قرآن مجید کا ترجمہ مکمل کرا لیا اور آپ کی کوشش تبلیغ کی یہ دولت دنیائے سنیت کو کنز الایمان کی دولت عظمیٰ نصیب ہوئی۔ (سوانح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا: ص ۷۵-۷۶)

خان جی کے نزدیک لفظی ترجمے کی خرابی:

اعلیٰ حضرت کے ترجمہ قرآن کے ساتھ شروع و اوراق میں یہ عنوان ”اردو تراجم قرآن کا تقابلی مطالعہ“ ایک مضمون شامل اشاعت کیا گیا ہے، اس میں ایک عنوان ہے ”قرآن کریم کا تفسیری ترجمہ نہ کہ لفظی ترجمہ“ اس میں لکھتے ہیں:

”اگر قرآن کریم کا لفظی ترجمہ کر دیا جائے تو اس سے بے شمار خرابیاں پیدا ہوں گی۔ کہیں شان الوہیت میں بے ادبی ہوگی تو کہیں شان انبیاء میں اور کہیں اسلام کا بنیادی عقیدہ مجروح ہوگا۔ چنانچہ آپ مندرجہ بالا تراجم (جن کا آلے حضرت کے ترجمے سے موازنہ کیا گیا ہے) پر غور کریں تو تمام مترجمین نے قرآنی لفظ کے اعتبار سے براہ راست اردو میں ترجمہ صحیح کیا ہے۔“ (مقدمہ: ص ۹)

ترجمہ صحیح ماننے کے باوجود تقابل نگار نے حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت شاہ عبدالقادر، حضرت شاہ رفیع الدین رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے اکابر ملت کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ ملت بریلویہ کا خان جی کو حضرت امام اعظم کا درجہ دینے کی کوشش:

اعلیٰ حضرت کے بعض معتقدین ان کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا درجہ دینا چاہتے ہیں۔ نہ جانے کس دل سے؟ فقط مجدد مائتہ حاضرہ امام احمد رضا خان انہیں لکھتے ہیں اور

انہوں نے ترجمہ قرآن پاک جس کا نام کنز الایمان رکھا ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۱ء میں لکھا اور لکھوایا (۱)۔ ۲۵ / صفر ۱۳۳۰ھ / نومبر ۱۹۲۱ء میں ان کی وفات ہوئی (۲)۔

کنز کس طرح وجود میں آیا:

اعلیٰ حضرت بریلویہ کا یہ ترجمہ قرآن کس طرح عالم وجود میں آیا؟ اس کی تفصیل ان کے سوانح نگار بدرالدین احمد رضوی کی زبان سے سنئے:

”صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ نے قرآن مجید کے صحیح ترجمے کی ضرورت پیش کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت سے ترجمہ کر دینے کی گزارش کی۔ آپ نے وعدہ فرمایا، لیکن دوسرے مشاغل دیرینہ کثیرہ کے ہجوم کے باعث تاخیر ہوتی رہی۔ جب حضرت صدر الشریعہ کی جانب سے اصرار بڑھا تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا: چوں کہ ترجمے کے لیے میرے پاس وقت نہیں ہے، اس لیے آپ رات سونے کے وقت یا دن میں قیلو لے کے وقت آجایا کریں، چنانچہ حضرت صدر الشریعہ ایک دن کاغذ قلم اور دووات لے کر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور یہ دینی کام بھی شروع ہو گیا۔

ترجمہ کا طریقہ یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت زبانی طور پر آیات کریمہ کا ترجمہ بولتے جاتے اور صدر الشریعہ اس کو لکھتے رہتے، لیکن یہ ترجمہ اس طرح پر نہیں تھا کہ آپ پہلے کتب تفسیر و لغت کو ملاحظہ فرماتے، بعدہ آیت کے معنی کو سوچتے، پھر ترجمہ بیان کرتے بلکہ آپ قرآن مجید کا فی البدیہہ برجستہ ترجمہ زبانی طور پر اس طرح بولتے جاتے جیسے کوئی پختہ یادداشت کا حافظ اپنی قوت حافظہ پر بغیر زور ڈالے قرآن شریف روانی سے پڑھتا جاتا ہے۔

باب (۲)

احمد رضا خان اور نعیم الدین کی سنگین گستاخیاں

وحی الہی اور شیطان کی بولی:

۱: حسب ذیل تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ خان صاحب اور صدر الافاضل دونوں کا یہ عقیدہ تھا کہ وحی الہی اور شیطان کی بولی ایک ہو جاتی تھی۔

دیکھیں قرآن پاک میں سورہ حج کی آیت ۵۲، موجودہ نسخے کا صفحہ ۵۰۵

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا
قَمْنَىٰ

”اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے سب پر کبھی یہ واقعہ گزرا ہے
کہ جب انہوں نے پڑھا اَلْقَى الشَّيْطَانُ فِيْ اُمْنِيَّتِهِ تو شیطان نے ان
کے پڑھنے میں لوگوں پر کچھ اپنی طرف سے ملا دیا۔“

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ

اس کے شان نزول میں صدر الافاضل منظر کشی کرتے ہوئے مزید وضاحت
فرماتے ہیں:

”جب سورہ النجم نازل ہوئی تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد حرام میں
اس کی تلاوت فرمائی اور بہت آہستہ آہستہ آیتوں کے درمیان وقفہ فرماتے
ہوئے جس سے سننے والے غور بھی کر سکیں اور یاد کرنے والوں کو یاد کرنے
میں مدد بھی ملے۔ جب آپ نے آیت وَمَنْوَةَ الثَّالِثَةِ الْاٰخِرٰی پڑھ کر
حسب دستور وقفہ فرمایا تو شیطان نے مشرکین کے کان میں اس سے ملا کر

اسے ثابت کرنے کے لیے صرف ان کی تعریف پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ آگے بڑھ کر
دوسرے اکابر امت کی تنقیص بھی کرتے ہیں۔ دوسروں کی تنقیص کر کے وہ گویا اپنے
ماسوا سب اہل سنت والجماعت کو اس کا جواب دینے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

اپنے اعلیٰ حضرت کے سوا دیگر مترجمین کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

”یا لفظ بہ لفظ ترجمہ کرنے کے سبب حرمت قرآن، عصمت انبیاء اور وقار

انسانیت کو بھی نہیں پہنچی ہے اور اس سے بھی آگے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے

جن چیزوں کو حلال ٹھہرایا ہے ان تراجم کی بہ دولت وہ حرام قرار پائی ہیں

اور ان ہی تراجم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ معاذ اللہ بعض امور کا علم اللہ

رب العزت کو بھی نہیں ہوتا۔ اس قسم کا ترجمہ کر کے وہ خود بھی گم راہ ہوئے

اور مسلمانوں کے لیے گم راہی کا راستہ کھول دیا۔“ (ص ۱)

مداحین خان جی کے نزدیک کنز کی خامیاں:

مذکورہ بالا عبارت میں جو عیوب دوسرے تراجم قرآن کریم میں بیان کیے گئے
ہیں واقعہ یہ ہے کہ خود احمد رضا خان صاحب کے ”بہ قول ان کے مداحین کے“ تفسیری
ترجمے میں بھی یہ عیوب ہیں، بلکہ صرف ان سے ہی نہیں ان کے تفسیری ترجمے کے مفسر
صدر الافاضل سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی سے بھی ایسی ہی سخت غلطیاں سرزد
ہوئی ہیں۔ ان سے ایسی غلطیاں کیوں ہوئی ہیں؟ جب کہ انہوں نے ان ہی غلطیوں
سے بچنے کی خاطر ترجمہ نہیں کیا بلکہ تفسیری ترجمہ کیا ہے۔ کیا قرآن پاک کی عبارات
ہی ایسی ہیں جن کا چاہے تفسیری ترجمہ کیا جائے، پھر بھی ایسی ہی صورت بن جائے گی
یا فاضل بریلوی اور ان کے مداحوں کو یہ شوق ہو گیا ہے کہ وہ بلاوجہ الزام اہانت لگاتے
ہیں؟ حقیقتاً وہ عند اللہ اور از روئے شریعت اہانت نہیں ہوتی۔ انہوں نے جس طرح
کے الزامات دوسروں پر لگائے اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی ایسی عبارات سے نکلنے نہیں دیا
ہے۔ ہم مثال کے طور پر چند غلطیاں دکھاتے ہیں۔

دو کلمے ایسے کہہ دیے جن سے بتوں کی تعریف نکلتی تھی۔ جبریل امین نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ حال عرض کیا۔ اس سے حضور کو رنج ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

اس ترجمہ اور تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی جو مدار ایمان ہے شیطان اس میں ملاوٹ کر سکتا تھا اور وہ معاذ اللہ کبھی کبھی غیر محفوظ ہو جاتی تھی یا پہلے غیر محفوظ ہوتی تھی، پھر اصلاح و نسخ کے بعد وہ درست کی جاتی تھی۔ یہ اعتقاد خلاف اسلام، عصمت وحی اور حرمت قرآنی کے منافی ہے۔ کیا کنز الایمان پڑھنے والوں کا ایمان سلامت رہے گا؟ اگر یہ جھوٹی روایت لکھنی ہی تھی تو پہلے تفسیر تو صحیح لکھ دی ہوتی پھر لکھ دیتے کہ بعض لوگوں نے یہ روایت بھی بیان کی ہے جو غلط ہے، لیکن انہوں نے غلط اور صحیح کی تمیز کیے بغیر صرف غلط ہی روایت پر مدار رکھا ہے۔ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ انہیں علم حدیث پر دسترس نہ تھی اور ایسے آدمی کو نہ ترجمہ کرنا چاہیے نہ تفسیر۔

مخاطب مترجمین اور خان جی:

مقالہ نگار اعظمی صاحب نے اپنے مضمون میں لکھا ہے:

”ایک عربی یہودی یا نصرانی یا ہمارے یہاں جنہوں نے عربی زبان پڑھی ہے وہ بھی اس قسم کا ترجمہ کر سکتے ہیں تو آپ جو کہ عالم دین کہلاتے ہیں تفاسیر اور حدیث و فقہ کی تعلیم سے آراستہ ہیں بغیر سوچے سمجھے لفظ بہ لفظ ترجمہ کر دیں تو آپ میں اور ان میں کیا فرق ہوگا؟“ (ص ۳)

مضمون نگار اعظمی صاحب کے یہی کلمات ہم دہراتے ہیں، حالاں کہ احمد رضا خان صاحب نے بقول ان کے قرآن کریم کی روح کا ترجمہ کیا ہے الفاظ کا نہیں، اور پورے پورے معنی لیے ہیں کچھ چھوڑا نہیں ہے۔

دوسرے مترجمین کا آپ لوگوں نے یہ قصور بتلایا تھا کہ انہوں نے لفظی ترجمہ

کر دیا۔ اب آپ ہی غور فرمائیں کہ دوسرے مترجموں نے زیادہ احتیاط کی تھی یا اعلیٰ حضرت نے زیادہ احتیاط کی؟

وضاحتی ترجمے میں سارا ابو جھ اپنے سر:

حقیقت یہ ہے کہ جو وضاحتی ترجمہ کرتا ہے وہ کئی معنی میں سے ایک معنی انتخاب کر کے گویا سارا ابو جھ اپنے سر لے لیتا ہے اور جو ایک ایک لفظ کو غور کر کے نظم قرآنی کا صرف ترجمہ کرتا ہے وہ زیادہ ذمے داری محسوس کر کے اپنا فرض ادا کرتا ہے۔ اگرچہ اعجاز قرآنی کی وجہ سے کلمات کا حق ادا کرنے سے ہر ایک قاصر ہے اور جب عربی جیسی جامع زبان میں قرآن پاک کے کلمات کے بجائے عربی کے کلمات بھی لانے ناممکن ہیں تو دوسری زبان میں کون لا سکتا ہے۔ مقدمہ نگار کو اپنے مضمون میں صرف یہ لکھنا چاہیے تھا کہ یہ قرآن پاک کا اعجاز ہے کہ اس کا ترجمہ کوئی بھی کر لے حق ادا کرنا ناممکن ہے۔ مگر انہوں نے دعویٰ کے پہاڑ کھڑے کر دیے اور اعلیٰ حضرت کے ترجمے کے سامنے سب تراجم میں کمی ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اکابر امت کی شان میں اس قدر سخت زبان استعمال کی جس سے معاذ اللہ ان کا جاہل ہونا یا کافر ہونا دماغ میں بیٹھے۔ ہم بالکل صحیح بات کہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کے ترجمے میں ایسی ایسی خامیاں ہیں کہ جن سے ایمان و اسلام اور وحی الہی سب کی عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔

مذکورۃ الصدقہ آیت کو ہی لے لیجیے! کس خوبی سے اسلام کی بنیاد انہوں نے اکھاڑ پھینکی ہے کہ پڑھنے والے کی نظر میں تمام انبیاء اور رسولوں اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا اعتبار نہ رہے۔

غرض اعلیٰ حضرت کے ترجمے اور صدر الافاضل کی تفسیر کا ایک فائدہ تو یہی سامنے آیا کہ عصمت و حفاظت وحی کا انہوں نے صفایا کر دیا۔ انہوں نے معاذ اللہ خدا تعالیٰ کی، فرشتوں کی، تمام انبیاء کی، رسولوں کی، وحی الہی کی اور اسلام کی سب کی توہین کی ہے۔ کفر یہ اور باطل باتوں کو قرآن اور اس کی تفسیر بنا دیا ہے۔ اب آپ کے اعلیٰ حضرت نے

اس سے آگے آیت ۲۴ کے حاشیے میں لکھتے ہیں:

”اور نبی (یعنی آیت میں نَعَجَةٌ کا لفظ) ایک کنایہ تھا، جس سے مراد عورت تھی، کیوں کہ ننانوے عورتیں آپ کے پاس ہوتے ہوئے ایک اور عورت کی آپ نے خواہش کی تھی، اس لیے نبی کے پیرائے میں سوال کیا گیا، جب آپ نے یہ سمجھا۔“

اب آپ فرمائیے کہ انبیاء کے بارے میں اسرائیلیات کی ایسی مکروہ اور غلط باتیں لکھنے کی جگہ قرآن پاک کا حاشیہ ہی رہ گیا تھا؟ اور کیا ان باتوں سے عصمت انبیاء مجروح نہیں ہوئی؟ کیا ان مقالہ نگاروں کے لیے اس غلط تفسیر کی تعریف جایز ہے؟ اور ان کی تعریف کی وجہ سے جو مسلمان اس تفسیر کو پڑھے گا وہ گم راہ نہ ہوگا؟

میں بریلوی حضرات سے گزارش کروں گا کہ وہ اس ترجمہ و تفسیر کی اشاعت بند کر دیں۔ ایمان زیادہ عزیز ہے یا احمد رضا خان اور نعیم الدین صاحبان؟ پہلی آیت اور تفسیر سے وحی الہی کا غیر محفوظ ہونا اور اس دوسری آیت کی تفسیر سے انبیائے کرام علیہم السلام کی عصمت کا صفایا ہو رہا ہے۔

مترجم اور مفسر علم حدیث سے عاری:

فاضل بریلی احمد رضا خان صاحب ہوں یا صدر الافاضل نعیم الدین صاحب مراد آبادی!!! معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی نظر احادیث پر نہ تھی۔ جو روایات نظر پڑیں چاہے وہ اسرائیلیات (یہودیوں کی بنائی ہوئی روایتیں اور ان کے یہاں معروف زبان زد قصے) ہی ہوں تفسیر میں درج کر ڈالیں۔ اگر حدیث پر نظر ہوتی تو پہلے صحیح تفسیر لکھتے، پھر غلط تفسیر کی غلط ہونا بتلاتے، لیکن انہوں نے غلط تفسیر ہی پر بنیاد قائم کر ڈالی۔

وحی الہی اور شان انبیاء پر اس ترجمہ و تفسیر سے جو زد پڑتی ہے وہ آپ کے سامنے

چھوڑا ہی کیا ہے جو آپ اسلام پر قائم ہیں۔ یہ ہے دوسروں کو کافر کہنے کا اوبار!

حضرت داؤد علیہ السلام کی عصمت پر حملہ:

۲: اعلیٰ حضرت بریلویہ کے ترجمے کی فضیلت پر جو مقالے لکھے گئے ہیں ان میں بتلایا گیا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے ترجمے اور صدر الافاضل کی تفسیر میں جو روح قرآنی کا ترجمہ و تفسیر ہے عصمت انبیاء کا پورا پورا تحفظ کیا گیا ہے۔

ان مضمون نگاروں کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے۔ دیکھیے تیسویں پارے میں سورہ صٰن نکالے، اس کے دوسرے رکوع میں ہے:

إِنَّ هَذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعَجَةً وَلِي نَعَجَةٌ
وَاحِدَةً (آیت: ۲۳)

”بے شک یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دنبی۔“

اس کی تفسیر میں صدر الافاضل نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں:

”یہاں جو صورت مسئلہ ان فرشتوں نے پیش کی اس سے مقصود حضرت داؤد علیہ السلام کو توجہ دلانا تھی اس امر کی طرف جو انہیں پیش آیا تھا، وہ یہ تھا کہ آپ کی ننانوے بیبیاں تھیں، اس کے بعد آپ نے ایک اور عورت کو پیام دے دیا، جس کو ایک مسلمان پہلے ہی پیام دے چکا تھا، لیکن آپ کا پیام پہنچنے کے بعد عورت کے اعزہ واقارب دوسرے کی طرف التفات کرنے والے کب تھے؟ آپ کے لیے راضی ہو گئے اور آپ سے نکاح ہو گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس مسلمان کے ساتھ نکاح ہو چکا تھا، آپ نے اس مسلمان سے اپنی رغبت کا اظہار کیا اور چاہا کہ وہ اپنی عورت کو طلاق دے دے، وہ آپ کے لحاظ سے منع نہ کر سکا اور اس نے طلاق دے دی، آپ کا نکاح ہو گیا۔“

حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کی شان میں گستاخی:

۳: ایک نمونہ اور ملاحظہ فرمائیے، جس سے عصمت صحابہ کرامؓ مجروح ہوتی ہے۔

اٹھائیسویں پارے کی آخری سورہ تحریم نکالے، اس کی چوتھی آیت ہے:

إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا

”نبی کی دونوں بیویو! اگر اللہ کی طرف تم رجوع کرو تو ضرور تمہارے دل

راہ سے ہٹ گئے ہیں۔“ (ترجمہ اعلیٰ حضرت بریلویہ)

اعلیٰ حضرت نے یہ ترجمہ قرآن کی روح سمیت ترجمہ کیا ہے۔ حالاں کہ ازواج

مطہرات خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کی عظمت ملحوظ

رکھتے ہوئے فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا کا ترجمہ ایسا کرنا چاہیے تھا جس میں یہ مفہوم ادا

ہوتا کہ ضرور تمہارے دل توبہ کی طرف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مایل

ہو گئے ہیں۔ یہی ترجمہ ان کی عظمت شان کے مناسب ہے۔ کیوں کہ وہ دنیا اور

آخرت میں آپ کی ازواج مطہرات ہیں اور ہم ازواج کے ساتھ ”مطہرات“ (یعنی

خدا کی طرف سے پاکیزہ بنائی ہوئیں) کا لفظ بھی لگاتے ہیں، مگر اعلیٰ حضرت نے اس

طرف توجہ نہیں کی۔ حضرت عائشہ و حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے مناسب شان ترجمہ

وہ ہے جو حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے اکابر رحمہم اللہ نے کیا:

إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا

”اگر تم دونوں توبہ کرتی ہو تو جھک پڑے ہیں دل تمہارے۔“

یعنی اب اگر توبہ کرتی ہو تو یقیناً تمہارے دل توبہ کی طرف مایل ہو گئے ہیں۔

قرآن کریم کے لفظی ترجمے سے تو یہ اچھی بات بن رہی ہے اور اعلیٰ حضرت نے

جو اپنی طرف سے اپنے ترجمے میں ”راہ سے“ اور ”کچھ“ کے الفاظ بڑھائے ان سے

معنی خراب ہو رہے ہیں اور یہاں بھی اعلیٰ حضرت نے ترجمے میں تفسیر کو داخل کر کے

ذمے داری اپنے اوپر لے لی ہے۔ فاضل بریلویہ کے ترجمے میں ایسی باتیں جا بجا

پر ہی پڑی ہیں۔ تو یہ ترجمہ کیسے افضل ہوا؟ حقیقتاً ایسا ترجمہ خلاف دیانت و تقویٰ ہے

اللہ تعالیٰ کے لیے گم راہیوں کا سبب ہے، کیوں کہ ایک عام آدمی اعلیٰ حضرت کی بڑھائی

والی عبارت کو بھی یہی کہے گا کہ ”قرآن پاک میں آیا ہے۔“ حالاں کہ وہ خود خان

صاحب کے الفاظ ہوں گے، قرآنی الفاظ مبارکہ کا ترجمہ نہ ہوگا۔ آپ نے جو اس

تفسیری ترجمے کی محض لفظی ترجمے پر فوقیت بیان کی ہے وہ غلط ہے۔ اگر خان صاحب

اعلیٰ ترجمہ کرتے تو ان پر بار نہ آتا، کہا جاتا ہے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہی یہ ہے اور اس

میں توجیہ تشریح اور تاویل کی گنجائش ہوتی۔

صدر الافاضل کا بیان کردہ لغوشان نزول:

حاشیہ دیکھیں تو صدر الافاضل نے اس کا قصہ مڑے لے لے کر بیان کیا ہے کہ

”سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے محل

میں رونق افروز ہوئے، وہ حضور کی اجازت سے اپنے والد حضرت عمر رضی

اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئیں۔ حضور نے حضرت ماریہ

قبطیہ کو سر فراز خدمت کیا، یہ حضرت حفصہ پر گراں گزرا۔ حضور نے ان

کی دل جوئی کے لیے فرمایا کہ میں نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام کیا اور میں

تمہیں خوش خبری دیتا ہوں کہ میرے بعد امور امت کے مالک ابو بکر و عمر

ہوں گے (رضی اللہ عنہما)۔ وہ اس سے خوش ہو گئیں اور نہایت خوشی میں

انہوں نے یہ تمام گفتگو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سنائی۔ اس میں آیت

کریمہ نازل ہوئی۔“

بخاری شریف میں ان آیات کی شان نزول کا اور واقعہ آیا ہے وہ انہوں نے موخر

کر دیا، اسے خوب دل چسپ بنا کر پیش کیا۔

خان جی نے احادیث پڑھی بھی نہیں:

اعلیٰ حضرت نے تو باقاعدہ حدیث کی کتابیں پڑھی ہی نہ تھیں۔ زیارت حریم

شریفین کے موقع پر کچھ اکابر کو چند حدیثیں سنا کر ان سے سند حدیث لے لی تھی، لیکن صدر الافاضل نعیم الدین صاحب نے تو باقاعدہ حدیث کی کتابیں پڑھی تھیں، اسی لیے وہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اہانت نہیں کرتے۔ جب کہ احمد رضا خان ان کی تعظیم نہیں کرتے، مگر انہیں اتباع احمد رضا خان نے خراب کر دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ صدر الافاضل کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدہ کے لیے عرفی محل کا لفظ لانا پھر اس میں حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا والی روایت سے دل چسپی اور اعلیٰ حضرت کا قلوب ازواج مطہرات کے لیے راہ سے ہٹنے کا جملہ استعمال کرنا ایک خاص بے راہ روی کا پتہ دیتا ہے، جس میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلی ہتلا تھے اور اس رو میں نعیم الدین صاحب بھی بہہ گئے۔

مدح کی آڑ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گستاخی:

فاضل بریلوی نے اس کا اظہار ذرا کھل کر ”حدائق بخشش“ حصہ سوم میں مدح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے عنوان کی آڑ میں کیا ہے۔ اس خرابی نے اشعار ذیل کی شکل اختیار کر لی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

تنگ و چست ان کا لباس اور وہ جو بن کا ابھار

مسکی جاتی ہے قبا سر سے کمر تک لے کر
یہ پہنا پڑتا ہے جو بن مرے دل کی صورت

کہ ہوئے جاتے ہیں جامہ سے بروں سینہ و بر
خوف ہے کشتی ابرو نہ بنے طوفانی

کہ چلا آتا ہے حسن اہلہ کی صورت بن کر
خامہ کس قصد سے اٹھا تھا کہاں جا پہنچا

راہ نزدیک سے ہو جانب نشیب سفر
(حدائق بخشش: حصہ سوم، ص ۳۷)

اپنی ماں کے بارے میں ایسے افکار رکھنے
والا کیا مقتدی بنانے کے قابل ہے؟

محترم بریلوی احباب! آپ حضرات نے جنہیں مقتدا بنانا چاہا ہے ذرا ان پر
غیر جانب دارانہ نظر بھی ڈالیے، ان کے ذہن کا اندازہ کیجیے، ایسا شخص کس ذہن کا
مالک ہوگا جو اپنی ماں کے بارے میں ایسے افکار رکھے اور ایسی شاعری کرے۔

آپ کے سامنے عصمت و حفاظت وحی، پھر سیرت انبیاء اور پھر سیرت ازواج
مطہرات پر ضرب ہائے کاری کا بیان آچکا ہے کہ اس ترجمہ اعلیٰ حضرت و تفسیر صدر
الافاضل سے ان پر کیا کیا معاذ اللہ دپڑتی ہے۔

عظمت قرآن کی پامالی اور اپنے ذوق

کے مطابق قرآن سے گالی کا ثبوت:

اب ایک ایسی مثال پیش کرتا ہوں جس سے معاذ اللہ عظمت قرآن کریم مجروح
ہوتی ہے۔ پارہ ۲۹ نکالیں، اس میں دوسری سورہ نک ہے جس کا نام سورۃ القلم بھی ہے،
اس کے پہلے دو غ میں ایک کافر کے بارے میں ایک آیت ہے:

غَتَلِ بَعْدَ ذَٰلِكَ ذَنبِهِ (آیت: ۱۳)

”ورشت خود اس سب پر طرہ یہ کہ اس کی اصل میں خطا۔“

اس کی تفسیر میں صدر الافاضل فائدہ لکھتے ہیں:

”یعنی بدگوہر تو اس سے افعال خبیثہ کا صدور کیا عجب ہے۔ مروی ہے کہ
جب آیت نازل ہوئی تو ولید ابن مغیرہ نے اپنی ماں سے جا کر کہا کہ (محمد
صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرے حق میں دس باتیں فرمائی ہیں، نو کو تو میں
جانتا ہوں کہ مجھ میں موجود ہیں لیکن دسویں بات اصل میں خطا ہونے کی
اس کا حال مجھے معلوم نہیں۔ یا تو مجھے سچ بتادے ورنہ میں تیری گردن

”اور بے شک تمہاری خوبی بڑی شان کی ہے۔“

اور خود آقائے نام دار صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بارے میں ارشاد فرما رہے ہیں:

بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ

”میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ بلند ترین اخلاق مکمل کر کے دکھاؤں۔“

دیگر صحابہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ فحش باتیں نہیں کیا کرتے تھے۔ یہاں قرآن پاک میں فوراً ہی زنیم گالی کے معنی پر استعمال کرنا کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ تو صرف اعلیٰ حضرت کی وقت نظریہ ذوق سب و شتم کا نتیجہ ہے کہ ترجمہ قرآن تک میں گالی کو داخل کر دیا۔

مترجم اور مفسر کی سب سے بڑی خامی:

اعلیٰ حضرت کے ترجمے اور صدر الافاضل کی تفسیر میں بہت بڑی خامی یہ ہے کہ دونوں حضرات غلط اور کم زور روایات پر بنیاد کھڑی کر دیتے ہیں۔

محدثین و مفسرین کے نزدیک جب کوئی روایت کم زور ہوتی ہے تو اسے یسروای روایت کی گئی ہے جیسے الفاظ سے ذکر کرتے ہیں۔ اگر اس سے بھی زیادہ کم زور ہو تو اسے قیل یعنی ”کہا گیا“ ہے کے لفظ سے ذکر کرتے ہیں۔ ہمیں اس ترجمہ و تفسیر میں جا بجا یہ خامی نظر آتی ہے کہ دونوں حضرات قیل کے لفظ سے بتلائی ہوئی بات کو بھی جہاں ان کی مرضی ہو بے دھڑک مستند بنا کر لکھ دیتے ہیں۔ اب پڑھنے والا اگر خود عالم نہ ہو گا تو ترجمہ قرآن پاک اور تفسیر سے یہ سمجھے گا کہ یہ بات قرآن پاک میں آئی ہے اور قرآن پاس سے ثابت ہے، حالاں کہ وہ بے حقیقت ہوگی۔

جیسے انہوں نے سورہ رحمن میں عَلَّمَهُ الْبَيَانَ کے ترجمے میں تصرف کیا ہے کہ البیان سے مراد مکان و مایکون کا بیان مراد ہے۔ یہ تفسیر اسلاف میں سے کس نے کی ہے اور کیا سند ہے؟ اس سے انہیں کوئی بحث نہیں۔ ترجمہ پڑھنے والا اگر غور کرے گا تو سمجھ جائے گا کہ بیان کے یہ معنی فاضل بریلوی نے اپنے خاص نقطہ نظر

ماردوں گا۔ اس پر اس کی ماں نے کہا کہ تیرا باپ نامرد تھا، مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ مرجائے گا تو اس کا مال غیر لے جائیں گے تو میں نے ایک چرواہے کو بلایا، تو اس سے ہے۔“

ترجمہ نگار اور حاشیہ نگار دونوں نے ایسی بات کو ترجیح دی ہے جو برائی کی طرف جائے اور (مرزا قادیانی کی طرح) ہر گالیاں بکنے والا شخص کہے کہ میں نے گالی دی تو کیا ہوا قرآن میں بھی تو گالیاں ہیں۔ غلام احمد قادیانی بھی تو اپنی گالیوں کا جواز اس آیت سے ثابت کرتا تھا۔

یہاں بھی اعلیٰ حضرت کی پیروی میں صدر الافاضل نعیم الدین صاحب نے کم زور روایات کو اصل قرار دے کر تفسیر لکھ دی ہے، حالاں کہ زنیم کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التفسیر میں بتایا ہے:

قال رجل من قريش له زنمة مثل زنمة الشاة

(ج ۲، ص ۷۳۱)

”حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قریش میں ایک شخص کا کان ایسا تھا جیسا بکری کا کٹا ہوا کان ہو۔“

زمانہ جاہلیت میں اونٹ کے کان کا بھی کچھ حصہ کاٹ دیا جاتا تھا، وہ لٹکا رہتا تھا، اسے زنمۃ الاہل کہتے تھے۔ یہ کون شخص تھا؟ اس کے بارے میں کوئی معین بات ثابت نہیں ہے کہ وہ ولید تھا یا ابو جہل یا اسود بن یغوث یا اخنس بن شریق۔

(بخاری شریف: حاشیہ ۸، ص ۷۳۱)

اب آپ اندازہ تو کریں کہ آغاز سورت میں تو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد ہو رہا ہے:

إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ

جس کا ترجمہ اعلیٰ حضرت نے ڈپٹی نذیر احمد کے انداز میں، یہ فرمایا:

سے کیے ہیں، ورنہ سمجھے گا کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ماسکان وما
یکون کا عالم ہونا قرآن میں آیا ہے۔

قیلو لے اور رات کے سونے کے وقت

ہونے والا ترجمہ کیسا ہونا چاہیے؟

ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ ترجمہ فاضل بریلوی نے دو پہر کو سونے کے وقت اور
رات کو سوتے وقت لکھوایا ہے، اس لیے اس میں ایسی ایسی غلطیاں ہیں کہ جو آپ کے
تصور سے بھی باہر ہیں۔ مثلاً انہوں نے پہلے پارے کے آخری صفحے پر آیت ۱۳۹ میں
صِبْغَةَ اللّٰهِ کے ترجمے میں غلطی کی ہے۔ انہوں نے ترجمہ کیا ہے ”اللہ کی ریٹی“ جب
کہ ریٹی سونے کی سلاخ کو کہتے ہیں۔ بریلی اور رام پور کے سناریہ لفظ استعمال کرتے
ہیں۔ حالاں کہ صِبْغَةَ اللّٰهِ کے معنی ہیں ”اللہ کا رنگ“۔ یہ نامعلوم انہیں کیا ہوا تھا؟
سو گئے تھے؟ اوگھ رہے تھے یا کسی خیال میں تھے کہ یہ لکھا گئے؟ پھر لکھنے والے صاحب
صدر الشریعہ امجد علی صاحب کو کیا ہو گیا تھا کہ انہوں نے ان سے رجوع نہیں کیا؟ یا تو یہ
غلطی نیند کی وجہ سے ہوئی ہے یا پھر اس وجہ سے ہوئی ہے کہ نہ قرآن پاک فاضل بریلوی
کو یاد تھا نہ صدر الشریعہ کو اور وہ صِبْغَةَ کو صِبْغَةَ (ڈھالنے کی چیز یا ڈھلا ہوا) پڑھ گئے
اور اسی کا ترجمہ کرا ڈالا۔ یہی ترجمہ ہر جگہ چل رہا ہے۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ
اس لیے اس ترجمے کے مطالعے سے پرہیز لازم ہے، خصوصاً عام مسلمانوں کو۔

شاید اسی کم زوری کے باعث ۱۹۱۱ء سے لے کر اب تک احمد رضا خان صاحب کا
ترجمہ زاویہ خمبول میں رہا۔ اسے خود بریلوی مکتب فکر کے لوگوں میں بھی مقبولیت حاصل
نہیں ہوئی، حتیٰ کہ اب کہیں سے بے تحاشہ رپیہ حاصل ہو گیا ہے تو اس کی اشاعت
ہوئی، مفت تقسیم کیا جا رہا ہے اور اس پر تقابلی جائزے لکھے گئے اور ہمیں بھی اس پر تبصرہ
لکھنا پڑا۔

باب (۳)

کنز کا مقدمہ نگار رضا اعظمی کی بدحواسیاں

فاضل بریلوی کے مترجم قرآن پاک پر مقدمہ نگار اعظمی صاحب نے ”تراجم“
کے تقابلی جائزے میں یہ آیت لکھی ہے:

وَلَمَّا أَتَتْهُمْ أَمْوَاءُهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ
إِنَّكَ إِذَا لَمِمتَ الظَّالِمِينَ (سورۃ بقرہ: ۱۳۵)

”اور کبھی تو چاہا ان کی پسند پر بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا تو تیرا کوئی نہیں
اللہ کے ہاتھ سے حمایت کرنے والا نہ مددگار۔“ (ترجمہ: حضرت شاہ
عبد القادر)

قارئین کرام! دیکھیے کیا یہ اس آیت کا ترجمہ ہو سکتا ہے؟ دراصل رضاء المصطفیٰ
صاحب احمد رضا خان صاحب کو بڑھانے کے لیے ان اکابر (شاہ ولی اللہ صاحب،
شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبد القادر صاحب رحمہم اللہ) پر تنقید کرنے کی جلدی
میں تھے۔ انہوں نے سورۃ بقرہ کی آیت ۱۲۰ کا ترجمہ لکھ دیا اور آیت دوسرے پارے کی
لکھ دی، صحیح آیت یہ ہے:

وَلَمَّا أَتَتْهُمْ أَمْوَاءُهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ
مَالِكٌ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيِّ وَلَا نَصِيرٍ

اور اس کا ترجمہ وہ ہے جو اوپر درج ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

”نہی معصوم جن کی نسبت سے قرآن کے صفحات بھرے ہیں جن کو طہ،

یس۔ مزل، مدثر جیسے القاب و آداب دیے گئے، اچانک اس قدر زجر و توبخ کے کلمات سے اللہ تعالیٰ ان کو مخاطب کرے۔ سیاق و سباق سے بھی کسی تہدید کا پتا نہیں چلتا، لہذا مترجم کو چاہیے کہ کھوج لگائے نہ یہ کہ براہ راست کلمات کا ترجمہ کر دے۔ جو بات ان کی عصمت کے خلاف ہے وہ کیسے امکانی طور پر ان کی طرف منسوب کی جاسکتی ہے؟

پھر لکھتے ہیں:

”تراجم مذکور میں بعض مترجمین نے خاص حاشیہ آرائی کی ہے، مگر کسی مترجم کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ وہ غور کرے کہ ڈانٹ ڈپٹ کے الفاظ حضور کی شان میں کیوں کہے جا رہے ہیں؟“

جناب! ذرا اس غصے کا رخ اعلیٰ حضرت کی طرف بھی کیجیے، انہوں نے بھی اسی مضمون کی آیت کا ایسا ہی ترجمہ کیا ہے۔

إِذَا لَذَقْنَكَ ضِعْفَ الْحَيَوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا (سورہ بنی اسرائیل: ۷۵)

”اور ایسا ہوتا تو تم کو دو گنی عمر اور دو چند موت (کے عذاب) کا مزہ دیتے، پھر تم ہمارے مقابل کوئی مددگار نہ پاتے۔“

(ترجمہ اعلیٰ حضرت بریلویہ۔ بین القوسین صدر الافاضل بریلویہ نعیم الدین صاحب)

بریلوی دعوے میں قول و فعل کے

تضاد کی وجہ سے علم سے پیچھے ہیں:

قارئین کرام! اعظمی صاحب کا اوویلا محض دکھاوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بریلوی علما دعوے میں آگے اور علم و عمل میں بہت پیچھے ہیں۔ ان کے قول و فعل میں تضاد ہے۔ دعوے کی طرح یہ دکھاوے کے بھی عادی ہیں اور سستی شہرت حاصل کرنے کا موقع نہیں جانے دیتے۔

اس بہانے سے کہ ہم نے قرآن پاک کا لفظی ترجمہ نہیں کیا، تفسیری ترجمہ کیا ہے۔ انہوں نے دین اسلام میں تحریف کی کوشش کی ہے۔ خانہ ساز اختلافات کو قرآن پاک میں جگہ دی ہے اور اس کے مطالب کو بگاڑا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دلوں میں خوف آخرت نہیں ہے، ورنہ ترجمہ قرآن پاک میں اپنی طرف سے زیادتی اور زبرد و بدل کی کیسے جرأت کر سکتے تھے اور کون مسلمان ایسی جرأت کر سکتا ہے؟

سخت بات بدل دی:

بات یہ چل رہی تھی کہ بریلوی علمائے جو دل کھول کر وضاحتی ترجمہ کیا ہے اور اعظمی صاحب نے مذکورہ آیت کی مثال دے کر بتلایا ہے کہ ایسے الفاظ سے پاک ہے۔ سوچ سمجھ کر سیاق و سباق دیکھ کر اور کتابوں کا مطالعہ کر کے لکھا گیا ہے۔ قرآن پاک کے اگر کسی لفظ کا سخت ترجمہ بنتا بھی ہے تو اسے تفسیری ترجمے میں لا کر نرم کر دیا گیا ہے اور اس کا بدل لایا گیا ہے، یا ایسے الفاظ بڑھادیے گئے ہیں جن سے کلام الہی کے مخاطب نبی نہ رہیں بلکہ اور مخاطبین کی طرف خطاب کا رخ بدل جائے۔

بدزبانی کے چند نمونے:

انہوں نے اسی طرح کے لکھے ہوئے دوسرے رسائل میں دوسرے لوگوں نے استَغْفِرُ لَذَنْبِكَ اور لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ کے لفظی ترجمے پر اعتراض کیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علاج کے لیے ان کے ماہ الفخر ترجمہ اعلیٰ حضرت اور مایہ ناز تفسیر صدر الافاضل کے کچھ نمونے ایسے بدزبانوں کے لیے سامنے رکھ دیے جائیں، تاکہ ان کے محض زبانی دعوؤں کی حقیقت سامنے آجائے۔

(۱) سورہ بقرہ کی آیت ۳۵ میں ہے کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام سے فرمایا گیا:

وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ

”مگر اس بیڑ کے پاس نہ جانا کہ حد سے بڑھنے والوں میں ہو جاؤ گے۔“
(اعلیٰ حضرت نے ترجمے میں مگر کا لفظ بڑھا دیا ہے، حالاں کہ نظم قرآن میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے، فقط واو ہے)۔

اس کے حاشیے پر صفحہ ۹ میں صدر الافاضل نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں:
”ظلم کے معنی ہیں کسی شے کو بے محل وضع کرنا، یہ ممنوع ہے اور انبیاء معصوم ہیں، ان سے گناہ سرزد نہیں ہوتا، یہاں ظلم خلاف اولیٰ کے معنی میں ہے۔
مسئلہ: انبیاء کو ظالم کہنا اہانت و کفر ہے۔ جو کہے وہ کافر ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مالک و مولیٰ ہے، جو چاہے فرمائے، اس میں ان کی عزت ہے۔“
اس سے اگلی آیت ہے:

فَازِلُهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ
”تو شیطان نے جنت سے انہیں لغزش دی اور جہاں رہتے تھے وہاں سے انہیں الگ کر دیا۔“

اس کے حاشیے پر صفحہ ۱۰ میں صدر الافاضل لکھتے ہیں:
”حضرت آدم علیہ السلام کو خیال ہوا کہ لا تقربا کی نمی تنزیہی ہے تحریری نہیں۔ کیوں کہ اگر وہ تحریری سمجھتے تو ہرگز ایسا نہ کرتے کہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ یہاں حضرت آدم علیہ السلام سے اجتہاد میں خطا ہوئی اور خطائے اجتہادی معصیت نہیں ہوتی۔“

حسب ذیل دو آیات کے تراجم پر ”ضیائے کنز الایمان“ اور ”محاسن کنز الایمان“ میں بحث کی گئی ہے اور قاری رضاء المصطفیٰ صاحب نے تو مقدمہ قرآن پاک میں بہت شور مچایا ہے اور خوب بدزبانی کی ہے۔

الف: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا

عَزِيزًا ۝ (سورہ فتح: ۱-۳)

ترجمہ شیخ الہند: ”ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ، تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ، جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے اور پورا کر دے تجھ پر اپنا احسان اور چلائے تجھ کو سیدھی راہ اور مدد کرے اللہ تیری زبردست مدد۔“

ب: ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أُنْزِلَ اللَّهُ فَاحْبَطُوا أَعْمَالَهُمْ (سورہ محمد: ۹)

ترجمہ شیخ الہند: ”اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایمان دار مردوں اور عورتوں کے لیے۔“

حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی فرماتے ہیں:

”ہر ایک کا ذنب (گناہ) اس کے مرتبے کے مطابق ہوتا ہے۔ کسی کام کا بہت اچھا پہلو چھوڑ کر کم اچھا پہلو اختیار کرنا گودہ حدود جواز و استحسان میں ہو، بعض اوقات مقربین کے حق میں ذنب (گناہ) سمجھا جاتا ہے۔
حسنات الابراہیمات المقربین کے یہی معنی ہیں۔“

(موضح الفرقان)

اعظمی صاحب! صدر الافاضل کی بات مایے یا لفظی تراجم کے عیوب سے توبہ کیجیے!

آپ کے سامنے صدر الافاضل کی عبارتیں بھی ہیں، انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ
”اللہ تعالیٰ مالک و مولیٰ ہے، جو چاہے فرمائے، اس میں ان کی عزت ہے۔“
صدر الافاضل کی یہ بات مایے یا لفظی تراجم کی عیب جوئی سے توبہ کیجیے۔

فَتَلَقَىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ (سورہ بقرہ: ۳۷)
”پھر یکے لیے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کر لی۔“
(ترجمہ اعلیٰ حضرت)

اس کے حاشیے پر صدر الافاضل صفحہ ۱۱ میں لکھتے ہیں:

”طبرانی وحاکم وابو نعیم و بیہقی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مرفوعاً

روایت کی کہ جب حضرت آدم علیہ السلام پر عتاب ہوا۔ الخ“

پہلے نمبر ۲ میں ہم نے صدر الافاضل کا حاشیہ نقل کیا ہے کہ وہ لکھتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام کو خیال ہوا کہ لَا تَقْرَبَا کی نئی تنزیہی ہے اور یہاں ”عتاب“ کا صریح لفظ لکھا اور فاضل بریلوی نے بھی اپنے فتاویٰ میں مکروہ تنزیہی کی یہی تعریف لکھی ہے کہ جس کام کا کرنا مطلقاً موجب استحقاق عتاب ہو۔

(اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام: ص ۱۲، بہ حوالہ فتاویٰ رضویہ: ج ۱، ص ۷۵-۷۳) بریلوی حضرات کے حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی نے بھی اپنی تفسیر میں سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں ”عتاب“ اور ”خطا“ کے لفظ استعمال کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”اس خطا سے رب تعالیٰ کی بندہ نوازی بندہ پروری ان سے بند نہ

ہوئی۔“ (تفسیر نعیمی: ج ۸، ص ۴۱۱)

اور اسی صفحہ پر سطر ۱۱ میں ہے:

”یہاں پوچھ گچھ عتاب کی ہے۔“

پھر سطر ۱۴، ۱۵ میں ہے:

”اولاً تو کھالینے دیا، پھر یہ عتاب فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس عتاب

و خطاب میں صد ہارا ز ہیں۔“

پھر سب انبیائے کرام کے بارے میں لکھتے ہیں:

”حضرات انبیاء کی خطائیں بھی رب کی طرف سے ہوتی ہیں۔“

سطر ۱۵، صفحہ مذکورہ (بریلوی) حکیم الامت نے سارے ہی انبیائے کرام کو معاذ

اللہ خطا کار بننا دیا۔

تفسیر قولہ تعالیٰ: وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَا. (سورۃ الاعراف: ۲۲)

خان جی، نعیم اور احمد یار کے بارے میں کیا خیال ہے؟

بریلوی بھائیو! اب ذرا ہمت کر کے اعلیٰ حضرت، صدر الافاضل اور حکیم الامت کے بارے میں بھی تو کچھ فرمائیے۔ حضرت شاہ عبدالقادر اور حضرت شیخ الہند رحمہما اللہ نے تو ذنب کا لفظی ترجمہ کیا تھا، ان کا تو عذر بھی تو واضح ہے۔ ان بریلوی علما کو کیا ہوا جو تفسیر اور تفسیری ترجمے میں حد سے بڑھنا، خلاف اولیٰ کام کی نسبت، لغزش، نہی تنزیہی کا ارتکاب، اجتہاد میں خطا آمیز عتاب، انبیاء کی خطا یہ سات الفاظ بریلوی مترجمین و مفسرین کے اور حضرت شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سامنے رکھیے تو آپ کے سامنے واضح ہو جائے گا کہ حضرت شیخ الہند کے ترجمے میں کوئی خرابی نہیں ہے بہ قول نعیم الدین صاحب:

”اللہ تعالیٰ مالک و مولیٰ ہے، جو چاہے فرمائے، اس میں ان کی عزت

ہے۔“

یہ لفظی ترجمے کو برا کہنے والے صحیح کام نہیں کر رہے۔ اگر اردو میں ترجمہ بدل بھی دیں گے تو عربی میں تو وہی الفاظ رہیں گے۔ نیز کہاں کہاں بدلیں گے؟ آخر بہت سی جگہیں ایسی ہوں گی کہ کچھ نہ کر سکیں گے۔ جیسے کہ یہ مثالیں گزریں اور مزید اگلے باب میں آ رہی ہیں۔

باب (۴)

خان صاحب کی گستاخیاں اور قرآنی آیات

چند مثالیں اور ترجمہ خان جی:

قَالَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا
لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ. (سورہ اعراف: ۲۳)

”دونوں نے عرض کی اے رب ہمارے! ہم نے اپنا آپ برا کیا، اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور نقصان والوں میں ہوئے۔“
(ترجمہ اعلیٰ حضرت)

سیدنا حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے کی آیت:

قَالَ يَنْرُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ
قَالَ تَسْنَلُنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ط إِنِّي أَعْطُكَ أَنْ
تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ
أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ط وَالْأُتُغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي
اَكُنْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ (سورہ ہود: ۴۷-۴۶)

”فرمایا: اے نوح! وہ تیرے گھر والوں میں نہیں، بے شک اس کے کام بڑے نالائقی ہیں، تو مجھ سے وہ بات نہ مانگ جس کا تجھے علم نہیں، میں تجھے نصیحت فرماتا ہوں کہ نادان نہ بن۔ عرض کی: اے رب میرے! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تجھ سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور رحم نہ کرے تو میں زیاں کار ہو جاؤں۔“ (ترجمہ اعلیٰ حضرت)

حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی مجھے ملا، اس نے کہا میں اسلامیات میں پی ایچ ڈی کر کے آیا ہوں آکسفورڈ امریکہ سے، انہوں نے کہا کہ وہاں کیا سیکھا سمجھا؟ اس نے کہا کہ یہ جو آپ نماز پڑھتے ہیں اس کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں۔ اس نے ڈکٹری اٹھائی۔ اس میں سے لفظ صلوٰۃ دکھایا تو اس کا معنی تو لکھا ہے ”تحریک الصلوٰۃ“ اپنے جسم کو ہلادینا، تو صلوٰۃ کا یہ معنی ہے۔ میں نماز کا پورا پابند ہوں۔ صبح مسجد کے سامنے تھوڑی سی دوڑ لگا لیتا ہوں تاکہ مولوی صاحب دیکھ لیں کہ اس کا جسم ہل رہا ہے اور یہ نماز پڑھ رہا ہے۔ کبھی مسجد کے دروازے پر دو چار بیٹھکیں بھی لگا لیتا ہوں تاکہ تحریک الصلوٰۃ ہو جائے، وجود ہل جائے۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں: میں اس کی باتیں سنتا رہا اور مسکراتا رہا۔ میں نے پوچھا کہ نماز تو نے اللہ کے لیے پڑھنی ہے یا مولوی صاحب کے لیے؟ کہتا ہے کہ اللہ کے لیے۔ تو پھر تو خواہ مخواہ مصیبت میں پڑا ہوا ہے کہ تو مسجد کے سامنے دوڑ لگاتا ہے اور کبھی بیٹھکیں لگاتا ہے۔ جب تو رات بیوی کے پاس گیا تھا تو دونوں طرف سے جسم ہل گیا تھا تو تیری تو باجماعت نماز ہو گئی تھی، اس لیے جو معنی تو کر رہا ہے اس کے مطابق تو باجماعت نماز تو نے رات بھی ادا کر لی تھی، اب مولوی صاحب کی تجھے کیا فکر ہے؟ وہ تجھے نمازی کہیں یا نہ کہیں۔ ہر آدمی سکھ ہو یا ہندو یہ نماز باجماعت ادا کر لیتا ہے رات کو، اس لیے ادھر ادھر بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ (خطبات صفحہ: ج ۳، ص ۳۷۱)

کیا بعض انبیا کی اہانت جائز ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو جواب دیا:

قَالَ فَعَلْتُهَا إِذَا وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ (سورہ شعراء: ۲۰)

”موسیٰ نے فرمایا میں نے وہ کام کیا جب کہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی۔“

(ترجمہ اعلیٰ حضرت)

بریلوی علماء دیکھیں کہ اعلیٰ حضرت نے ضالین کا ترجمہ اولعزم رسول کے بارے میں راہ سے بے خبر کا کیا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو سورہ الضحیٰ میں ضالاً فہلذی کے ترجمے پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے؟ جب کہ وہاں یہ لفظ ہدایت کے ساتھ تقابل کی صورت میں آیا ہے اور یہاں فقط من الضالین ہے، ہدایت کے مقابلے میں نہیں ہے۔ کیا خان صاحب کے نزدیک کچھ انبیا کی اہانت جائز ہے اور کچھ کی نہیں؟ یا یہ کہنا ہی صحیح ہوگا کہ ترجمہ قرآن پاک میں کسی نبی کی کوئی توہین نہیں ہوتی۔ یہ کلام ربانی ہے اور انبیا اس کی مخلوق ہیں۔ بہ قول نعیم الدین صاحب: ”وہ جو چاہے فرمائے اس میں ان کی عزت ہے۔“

بشریت انبیا کے قایل:

قَالَتْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (سورہ ابراہیم: ۱۱)

”ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم ہیں تو تمہاری طرح انسان۔“

(ترجمہ فاضل بریلوی)

اب خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آیات کے تراجم ملاحظہ

ہوں:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا

أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ۝ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ

إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ (سورہ نساء: ۶۶-۱۰۵)

ابوالانبیا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں آیت مبارکہ:

وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ.

”اور وہ جس کی مجھے آس لگی ہے کہ میری خطائیں قیامت کے دن بخشے

گا۔“

(سورہ شعراء: ۸۲)

خَطِيئَةُ واحد ہے، انہوں نے اسے جمع سمجھا اور ترجمہ بجائے خطا کے خطائیں کر دیا (جب کہ حضرت شیخ الہند نے خطیئۃ کے ترجمے میں ”میری تقصیر“ تحریر فرمایا ہے)۔ اس میں نادان نہ بن..... زیاں کار ہو جانا اور یہ کہ انہیں علم غیب کی نہ تھا یہ سب کچھ خان صاحب کے ترجمے میں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے عرض کیا:

قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ إِنَّهُ هُوَ

الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (سورہ قصص: ۱۶)

”عرض کی اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر زیادتی کی، تو مجھے بخش

دے، تو رب نے اسے بخش دیا۔ بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔“

اس کی تفسیر میں صدرالافاضل لکھتے ہیں:

”یہ کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بہ طریق تواضع ہے، کیوں کہ آپ سے کوئی معصیت سرزد نہ ہوئی اور انبیا معصوم ہیں۔ ان سے گناہ نہیں ہوتے۔ قبلی کا مارنا آپ کا دفع ظلم اور ادا ظلم تھی، یہ کسی ملت میں بھی گناہ نہیں۔ پھر بھی اپنی طرف سے تقصیر کی نسبت کرنا اور استغفار چاہنا یہ مقررین کا دستور ہی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا اس میں تاخیر اولیٰ تھی، اس لیے حضرت موسیٰ نے ترک اولیٰ کو زیادتی فرمایا اور اس پر حق تعالیٰ سے مغفرت طلب کی۔“

لَا ذَنْبَكَ ضِعْفُ الْحَيَاةِ وَضِعْفُ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ۝ (سورۃ بنی اسرائیل: ۷۳ سے ۷۵ تک)
”اور وہ تو قریب تھا کہ تمہیں کچھ لغزش دیتے ہماری وحی سے جو ہم نے تم کو بھیجی کہ تم ہماری طرف کچھ اور نسبت دے دو اور ایسا ہوتا تو وہ تم کو اپنا گہرا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف کچھ تھوڑا سا جھکتے اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دوئی عمر اور دو چند موت کا مزہ دیتے، پھر تم ہمارے مقابل اپنا کوئی مددگار نہ پاتے۔“

(ترجمہ اعلیٰ حضرت بریلوی)

صدر الافاضل نے حاشیے پر دو چند موت کے عذاب کا مزہ دیتے لکھا ہے۔ دیکھیے! معاذ اللہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں آیت کا ترجمہ اور ترجمے کا تتمہ۔ اس سارے ترجمے کے الفاظ دیکھیے! یہ تو اسلاف کے ضالاً فہدای کے ترجمے سے بہت بڑھ کر ہے، جس پر آپ لوگوں نے شور مچا رکھا تھا۔ بہتر ہو کہ آپ لوگ صدر الافاضل کی تفسیر اعلیٰ حضرت کے ترجمے پر سے ہٹا دیں اور اپنی جماعت سے انہیں خارج کر دیں۔

اسلاف پر طعن اور خود کی راہ:

سورۃ اذا حياء عام طور پر نماز میں پڑھی جاتی ہے۔ یہ سورت وہ ہے کہ جسے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر کہا گیا ہے۔ اس میں ارشاد ہے:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا (آیت: ۳)

”تو اپنے رب کی ثنا کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور اس سے بخشش

چاہو، بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔“ (ترجمہ اعلیٰ حضرت)

یہاں اعلیٰ حضرت نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بخشش

چاہو“ کا ترجمہ کیا ہے۔ پھر سورۃ انا فتخنا میں استغفر للذنبک کے ترجمہ

”اے محبوب! بے شک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو، جس طرح تمہیں اللہ دکھائے اور دعا والوں کی طرف سے نہ جھگڑو اور اللہ سے معافی چاہو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“ (ترجمہ اعلیٰ حضرت)

یہاں فاضل بریلوی نے اپنی طرف سے ترجمے میں اے محبوب! کا جملہ بڑھا کر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے معافی چاہنے کا حکم خاص کر دیا ہے، اللہ سے معافی چاہو“ اور دعا والوں کی طرف سے نہ جھگڑو۔“ اللہ سے معافی چاہو کے الفاظ بالکل ویسے ہی ہیں جیسے استغفر لذنوبک سورۃ انا فتخنا کے ترجمے میں اسلاف نے لکھا اور انہوں نے استغفر اللہ کا ترجمہ بھی ”اس سے بخشش چاہو“ ہی کیا ہے۔

علم غیب کی نفی:

عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذْنَتْ لَهُمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ۝ (سورۃ توبہ: ۴۳)

”اللہ تمہیں معاف کرے، تم نے ان کو کیوں اذن دے دیا جب تک نہ کھلے تھے تم پر سچے اور ظاہر نہ ہوئے تھے جھوٹے۔“ (ترجمہ اعلیٰ حضرت)

اس آیت میں اعلیٰ حضرت نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنے ترجمے میں ”اللہ تمہیں معاف کرے“ کا جملہ استعمال کیا ہے اور ترجمے میں علم غیب کلی کی نفی کی ہے۔

حضور علیہ السلام کے ساتھ گستاخی:

وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ وَإِذَا لَا تَأْخُذُوكَ خَلِيلًا ۝ وَلَوْلَا أَنْ تَبْتَئِنَّاكَ لَعَدَّتْ تَرْكُنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۝ إِذَا

اسلاف پر آپ کیسے اعتراض کر سکتے ہیں؟ اس کے حاشیے میں صدر الافاضل نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں:

”اس سورت کے نازل ہونے کے بعد سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے
سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ اسْتَغْفِرُ اللَّهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ کی بہت کثرت
فرمائی۔“

نوٹ: حاشیے میں بھی غلطی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بجائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ لکھا گیا ہے کہ وہ روئے تھے۔

مَا كُنْتُ تَذَرُنِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ (سورہ شوریٰ: ۵۲)
”اس سے پہلے تم نہ کتاب جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل۔“ (ترجمہ
اعلیٰ حضرت)

وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ (سورہ انعام: ۵۰)

”اور یہ نہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں۔“ (ترجمہ اعلیٰ حضرت)
قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ
كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَأَسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسْنِيَ
السُّوءُ. (سورہ اعراف: ۱۸۸)

”تم فرماؤ میں اپنی جان کے بھلے برے کا خود محتار نہیں مگر جو اللہ چاہے،
اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کر لی
اور مجھے کوئی برائی نہ پہنچی۔“ (ترجمہ اعلیٰ حضرت)

انبیائے کرام علیہم السلام کے متعلق بیان کردہ الفاظ کی فہرست:

آپ نے دیکھا کہ بریلوی مترجم اعلیٰ حضرت اور مفسر صدر الافاضل نے انبیائے
کرام کے بارے میں کتنے الفاظ استعمال کیے؟ ذرا ان کی فہرست پر دوبارہ نظر ڈال
لیجیے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے واقعے میں اور ان سے متعلق آیات میں:

- ۱ شیطان نے انہیں اغزش دی..... اعلیٰ حضرت
- ۲ قلم سے مراد خلاف اولیٰ کام کا ارتکاب ہے..... صدر الافاضل
- ۳ حضرت آدم نے مکروہ تنزیہی کا ارتکاب کیا..... صدر الافاضل
- ۴ حضرت آدم علیہ السلام سے اجتہاد میں خطا ہوئی..... صدر الافاضل
- ۵ حضرت آدم پر عتاب ہوا..... صدر الافاضل
- ۶ ہم نے اپنا آپ برا کیا، اگر تو ہمیں نہ بخشے تو ہم ضرور نقصان
والوں میں ہوئے..... اعلیٰ حضرت

حضرت سیدنا نوح علیہ السلام کے بارے میں:

- ۷ تو مجھ سے وہ بات نہ مانگ جس کا تجھے علم نہیں..... اعلیٰ حضرت
- ۸ نادان نہ بن..... اعلیٰ حضرت
- ۹ اگر تو مجھے نہ بخشے اور رحم نہ کرے تو میں زیاں کار ہو جاؤں.. اعلیٰ حضرت
- ۱۰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں خطیبہ کے ترجمے میں
”خطا میں“ کر ڈالا، کیوں کہ آپ ابوالانبیاء تھے، اس لیے اکٹھا جمع کا ترجمہ ہی مناسب
لگا ہوگا اور ترجمہ تو یہ ہے بھی نہیں تفسیر ہے۔ پھر بھی ایسی غلطی؟
- ۱۱ دیگر انبیاء کے بارے میں بشر کا ترجمہ انسان..... اعلیٰ حضرت

حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں:

- ۱۲ میں نے اپنی جان پر زیادتی کی..... اعلیٰ حضرت
 - ۱۳ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ترک اولیٰ ہوا..... صدر الافاضل
 - ۱۴ جب کہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی..... اعلیٰ حضرت
- جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اسی قسم کے جملے ملاحظہ

ہمیں اس سے بحث نہیں کہ کسی اور نے کیا ترجمہ کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے ایسا ترجمہ کیوں کیا؟

حقیقت یہ ہے کہ وہ کلام اللہ ہے، اسے اردو میں قریب تر لفظوں میں رہنے دینا ہی کلام الہی کی عظمت کا تقاضا ہے، تاکہ اس میں اپنی طبیعت سے ذرا بھی تصرف نہ ہو اور یہ قول صدر الافاضل ”اللہ تعالیٰ مالک و مولیٰ ہے جو چاہے فرمائے۔“

بلکہ انہوں نے تو یہ کہا ہے کہ اس میں انبیائے کرام کی ”عزت“ ہے۔ اب آپ ہی غور کریں کہ کیا آپ کے مقالوں میں لگائے گئے الزامات کی کوئی حقیقت ہے؟ یا اکابر و اسلاف اور دیگر علماء پر خواہ مخواہ کیچڑا چھالنا تکفیر امت محمدیہ کی طرح کوئی نیا مشغلہ نکالا ہے؟

بنیادی تراجم:

ارے بھائی! ترجمہ قرآن پاک کے لیے نہایت متقی اور بہت بڑا پختہ کار عالم ہونا ضروری ہے۔ یہ سب اوصاف حضرت شاہ ولی اللہ صاحب، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمہم اللہ میں بہ درجہ کمال موجود تھے، اس لیے سب اکابر ان کے ترجمے کو بنیادی حیثیت دیتے ہیں۔ ان حضرات نے روزے رکھ رکھ کر بلکہ اعتکاف بھی کر کے نہایت درجے رجوع الی اللہ کے ساتھ تراجم لکھے ہیں اور ہر ایک کی اپنی جگہ مسلمہ کامل شخصیت تھی۔

خان جی کا میدان فکر:

ادھر دیکھیے تو اعلیٰ حضرت بریلویہ نے اپنے والد سے تعلیم حاصل کی، ان کا منتہائے علم ان کے والد ہی ہیں اور آگے ان کی سند علم جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تک سب غایب ہے۔ اسی لیے انہوں نے تبرکاً حجاز مقدس کے علماء سے سندیں حاصل کیں۔ وہ طبعاً ذہین تھے، طبیعت میں حدت اور جدت تھی اور ان کا میدان فکر

ہوں کہ جیسے جملوں کی وجہ سے دوسروں پر اعتراض کیا گیا ہے۔

۱۵ قریب تھا کہ تمہیں کچھ لغزش دیتے ہماری وحی سے جو ہم

نے تم کو بھیجی..... اعلیٰ حضرت

۱۶ کہ تم ہماری طرف کچھ اور نسبت دے دو..... اعلیٰ حضرت

۱۷ اور اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے..... اعلیٰ حضرت

۱۸ پھر تم ہمارے مقابل اپنا کوئی مددگار نہ پاتے..... اعلیٰ حضرت

۱۹ ہم تم کو دونی عمر اور دو چند موت کے عذاب کا مزہ دیتے..... ترجمہ اعلیٰ

حضرت تفسیر

صدر الافاضل

۲۰ اور دعا والوں کی طرف سے نہ جھگڑو..... اعلیٰ حضرت

۲۱ اور اللہ سے معافی چاہو..... اعلیٰ حضرت

۲۲ اللہ تمہیں معاف کرے..... اعلیٰ حضرت

۲۳ اور اس سے بخشش چاہو..... اعلیٰ حضرت

۲۴ نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل..... اعلیٰ حضرت

۲۵ نفی علم غیب کلی..... اعلیٰ حضرت

۲۶ مختار کل کی نفی اور علم غیب کلی کی نفی..... اعلیٰ حضرت

گزشتہ آیات مع مکمل حوالہ جات و ترجمہ اور تفسیر آپ کے سامنے ہیں۔ یہ چند آیات بہ طور نمونہ ہیں۔ اگر قرآن پاک کے ترجمے سے انبیائے کرام کی توہین ہوتی ہے اور ان کی عظمت و رفعت شان پر حرف آتا ہے تو سب سے زیادہ توہین علمائے بریلویہ نے کی ہے، کیوں کہ اعلیٰ حضرت نے قرآن پاک کا مفہوم (اسی بات سے بچنے کے لیے) سلیس اردو زبان میں منتقل کیا ہے اور لفظی ترجمہ اسی لیے نہیں کیا کہ لفظی ترجمہ بھونڈا لگتا ہے یا اس میں انبیائے کرام کی طرف سخت لفظ کی نسبت ہو جاتی ہے۔

پھر ترجمہ قرآن پاک جیسا عظیم کام دوپہر کو قیلو لے کے وقت یا رات کو سونے کے وقت لیٹے لیٹے ہی کرنے کا نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے قرآن پاک کی عظمت بھی ملحوظ نہیں رکھی جو اس کا حق تھا اور مطالعہ بھی نہیں کیا۔

(ماخوذ از محاسن کنز الایمان: ص ۱۹، ۱۸)

واضح رہے کہ سوانح نگاروں نے ترجمے کا یہی قصہ لکھا ہے، تو کہاں یہ ترجمہ اور کہاں تراجم اسلاف کرام رحمہم اللہ رحمة واسعة۔

ہم نے اعلیٰ حضرت کے ترجمے و تفسیر پر اجمالی نظر ڈالی ہے تو یہ خامیاں سامنے آئیں۔ اگر تفصیلی جائزہ لیا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ یہ تفسیری ترجمہ اور اس کی تفسیر دونوں ہی اغلاط سے پر ہیں۔

فقہ، ریاضی اور شعر تھا۔ ایسا آدمی جو شجرہ علمی میں باقاعدہ منسلک نہ ہوا ہو وہ بزرگوں میں سے کسی کا پابند نہیں ہوتا۔ اس کا علم اپنی ذہانت و مطالعے کا رہین منت ہوتا ہے۔ ایسا علم وسیع تو ہو سکتا ہے مگر اس میں پختگی نہیں ہوتی اور یکسانیت اور اصولی گہرائی نہیں ہوتی۔ آپ کو ان کے تمام افکار و تحریرات میں یہی رد و قدح، جدت و وحدت، آزادی اور اسلاف کرام کی عظمت کا فقدان نظر آئے گا۔ جو بات ایک جگہ کہتے ہیں دوسری جگہ اس کے خلاف لکھ دیتے ہیں۔

سب پر بد اعتمادی اور آخری وصیت:

اپنے سوا کسی پر اعتماد نہیں، حتیٰ کہ فقہ حنفی پر بھی نہیں۔ اسی لیے انہوں نے آخری وصیت یہ کی تھی:

”اور میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے

قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ اللہ توفیق دے۔ والسلام ۲۵ صفر

۱۳۴۰ھ بہ روز جمعہ مبارکہ ۱۲ بج کر ۲۱ منٹ پر یہ وقتی وصایا قلم بند ہوئے۔

فقیر احمد رضا قادری مٹھی عنہ بہ قلم خود بہ حالت صحت و حواس۔

یہ وصیت ایک چھوٹے سے رسالے میں بھی ہے، جو وصایا شریف کے نام سے ملتا ہے۔ اور تجانب اہل سنت میں صفحہ ۴۵ پر ہے۔

دیکھ لیجیے! فقہ حنفی کی بیروی سے وصیت خالی ہے۔ انہوں نے صاف بتا دیا ہے کہ ان کا دین و مذہب کچھ اور ہے جو ان کی کتابوں میں ہے۔

فکر رضا کی پرچار سے خامیاں منظر عام پر:

بہر حال اگر آپ انہیں امام مانتے ہیں تو مانیے اور ان کی تعریف کرتے ہیں تو کیجیے، آپ کی مرضی، لیکن دوسروں پر کیچڑ اچھال کر اعلیٰ حضرت کی خامیاں کیوں منظر عام پر لاتے ہیں؟ اب آپ نے دیکھا ان چند آیات میں کتنی جگہ آپ کے دعویٰ کے منافی الفاظ آگئے۔ کیا آپ اسی ترجمہ اور تفسیر کی تعریف کرتے ہیں؟

باب (۵)

مزید تقابلی جائزہ

ہمارا خیال تھا کہ یہیں تک لکھنا کافی ہوگا، لیکن اکابر اسلاف پر اور بھی کئی ترجموں میں تقابلی جائزے دیکھنے میں آئے، تو خیال ہوا کہ ان جائزوں کی کچھ اور آیات پر بھی لکھ دیا جائے۔

عرفا کے مقامات:

اس موضوع پر بریلوی حضرات کے ایک دوسرے رسالے ”ضیائے کنز الایمان“ میں ”تقابلی جائزہ“ کے زیر عنوان تحریر ہے کہ

”صوفیا اور عرفا کے دو مقام ہوتے ہیں، ایک وہ ہیں جن کی نظر ہر چیز کے

بعد اس کے خالق تک پہنچتی ہے، دوسرے وہ ہیں جن کی نظر پہلے خالق پر

پھر کسی اور شے (چیز) پر ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اِنَّ

مُصَٰحِبِ رَبِّیْ مِیْرَے ساتھ میرا رب ہے۔ پہلے اپنا اور پھر رب کا ذکر کیا اور

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہے،

پہلے اللہ تعالیٰ کا اور پھر اپنا ذکر کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مکتوب

اس طرح لکھا اِنَّہٗ مِنْ سُلَیْمٰنٍ وَاِنَّہٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اور

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قل کو یوں خط لکھوایا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ

الرَّحِیْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ۔ خلاصہ یہ ہے کہ مقام محمدی اور اسوۃ

مصطفیٰ یہ ہے کہ پہلے اللہ کا نام لیا جائے پھر اور کسی شے کا ذکر کیا جائے۔

اس تمہید کے بعد اعلیٰ حضرت کا ترجمہ نقل کیا ہے۔

کسی نے سوال کیا مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے کہ صاحب زادہ فیض الحسن صاحب نے (مجلس احرار اسلام کو) کیوں چھوڑ دیا۔ ارشاد فرمایا: وہ نوری ہوئے میں خاکی۔ ان نوریوں سے امید و فاقہ ہے۔ سب سے بڑے نوری حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے شب معراج میں میرے تانا صلی اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ پر ہی چھوڑ دیا تھا۔ (بخاری کی باتیں ص ۳۱)

”اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا ہے“

حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو مضمون نگاروں نے دوسرے درجے کے عرفا میں داخل کیا ہے۔ جس کی وجہ یہ قول ان کے یہ ہے کہ آپ نے اِنَّ مَّعِيَ رَبِّيٰ فرمایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے اِنَّ اللہَ..... پہلے اللہ کا اور پھر اپنا ذکر فرمایا۔

لیکن یہ بات درست نہیں کیوں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا جملہ یوں ہے لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللہَ مَعَنَا جس کا ترجمہ فاضل بریلوی نے یوں کیا ہے ”غم نہ کھا، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“

اس ارشاد میں لَا تَحْزَنْ پہلے موجود ہے، تو آپ کی ساری تحریر بے معنی ہے۔ ہمارے نزدیک انبیائے کرام علیہم السلام کے بارے میں ایسے خیالات کی تبلیغ خطرناک گناہ ہے۔

قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو اپنی قوم سے دوسری جگہ نقل فرمائی گئی ہے۔ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا اِذَا سَأَلْتُمُوهُ فَاَنصُرْكُمْ سَآئِلُكُمْ فَتًّیٰ۔ پھر ان کی قوم نے بھی جواب میں اسی طرح کہا ہے عَلٰی اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا (سورہ یونس: ۸۵) ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَعَلٰی اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوا (سورہ مائدہ: ۲۳)

”اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو اگر تمہیں ایمان ہے۔“

حضرت نوح علیہ السلام نے بھی یہی ارشاد فرمایا ہے:

فَعَلٰی اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ (سورہ یونس: ۷۱)

”اللہ ہی پر میں نے بھروسہ کیا۔“

مگر اس مقام پر اعلیٰ حضرت بریلویہ سے چوک ہو گئی یا آنکھ لگ گئی ہوگی۔

انہوں نے ترجمہ کیا ”تو میں نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا۔“ یعنی یہاں انہوں نے

ترجمہ میں اللہ کے نام پاک سے پہلے ”میں نے“ مقدم کر کے لکھ دیا ہے۔ یہ نہ کرنا چاہیے تھا۔ صحیح ترجمہ یہ ہے اللہ ہی پر میں نے بھروسہ کیا۔

دیگر انبیاء کے اقوال مبارکہ سورہ ابراہیم کے دوسرے رکوع تیرھویں پارے میں نقل فرما گئے ہیں کہ ان اقوام کے پیغمبروں نے کہا:

وَعَلٰی اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ.

”اور اللہ پر مسلمانوں کو بھروسہ چاہیے۔“

وَعَلٰی اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ

”اور بھروسہ کرنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔“

(سورہ ابراہیم: ۱۱-۱۲)

فاضل بریلوی نے ان دونوں آیات کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

”اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیے۔“

”اور بھروسہ کرنے والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیے۔“

بہت گھائے کا سودا:

یہاں دونوں جگہ اللہ کے نام پاک سے پہلے اور کلمات لائے ہیں۔ گویا تنقید کرنے والے بریلوی علما کو بتلا گئے ہیں کہ میں خود بھی ایسا ترجمہ کر ڈالتا ہوں، میری تعریف میں زمین آسمان کے قلابے نہ ملانا۔

لہذا اولاً تو دیگر انبیائے کرام کے بارے میں مضمون نگار کا بے دھڑک ایسے کلمات استعمال کر ڈالنا اور ایسے انبیاء کا ایسے انداز سے تقابل کرنا اور لوگوں کو دعوت فکر دینا خود بڑی گستاخانہ جرأت ہے، پھر یہ جرأت اگر محض اس لیے ہو کہ فاضل بریلوی کے ترجمے کی افضلیت ثابت کر دی جائے تو یہ بہت گھائے کا سودا ہے۔

بسم اللہ کا ترجمہ:

فاضل بریلوی نے اَشْرَعُ ”میں شروع کرتا ہوں“ فعل محذوف مانا ہے۔ فرق یہ ہے کہ ان حضرات نے تقدیر عبارت بِسْمِ اللّٰهِ اَشْرَعُ اللّٰهِ شروع اللہ کے نام سے اور اعلیٰ حضرت نے تقدیر عبارت بِسْمِ اللّٰهِ اَشْرَعُ (اللہ کے نام سے شروع) قرار دی ہے۔ اور اسی لحاظ سے (بہ قول آپ کے) ترجمہ کیا ہے۔ تقدیر عبارت بِسْمِ اللّٰهِ اَشْرَعُ ماننے میں عربی قواعد کے لحاظ سے انہوں نے تقدیم ماحقہ التاخیر کی ہے۔ اگر آپ کا یہ ہی کہنا ہے تو اس لحاظ سے اعلیٰ حضرت کا ترجمہ بالکل غلط قرار پاتا ہے۔ اس لیے کہ تقدیم ماحقہ التاخیر حصر کا فائدہ دیتا ہے، جس کے لیے اردو میں عام طور پر لفظ ”ہی“ آتا ہے۔ انہیں ترجمے میں اس کا لحاظ رکھنا چاہیے تھا اور یوں لکھنا چاہیے تھا:

”اللہ ہی کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا“

اردو میں ایسی صورت میں ”ہی“ لایا جاتا ہے اور خود اعلیٰ حضرت نے فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا اور وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوا میں یہی کیا ہے، جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔

بریلوی ترجمہ مخالف اصل ہے:

یہ ترجمہ ”نقل مطابق اصل نہیں ہے“ بلکہ ”مخالف اصل“ ہے۔ کیوں کہ حق تعالیٰ نے جو الفاظ تعلیم فرمائے ہیں ان میں باء، س، میم پہلے آئے ہیں۔ پھر اسم پاک آیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں منشاء خداوندی یہی ہے کہ پہلے کچھ آئے اور پھر نام پاک آئے۔ ترجمہ میں اس کی رعایت دیگر اکابر نے رکھی ہے اور فاضل بریلوی اس گہرائی تک نہیں پہنچے۔ کیوں کہ اگر نام پاک کو مقدم کرنا مقصود ہوتا تو عبارت ہی کسی اور طرح کی لائی جاتی اور بتلائی جاتی، کیوں کہ ایک ہی بات کئی طرح کہی جاتی ہے۔

مثلاً کسی جگہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ آیا ہے، جیسے فَاعْلَمُوا أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ (سورہ محمد:

(۱۹) میں۔ اور آیت الکرسی میں اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ارشاد ہوا ہے۔ یعنی جہاں اس پروردگار نے جو چیز مقدم یا موخر کرنی پسند کی وہ بتلا دی۔ بسم اللہ میں اپنا نام پاک بعد میں لانا پسند ہے تو ب، س، م پہلے لے آئے۔ لہذا اتباع منشاء خداوندی کی فضیلت اس ترجمے میں زیادہ نظر آرہی ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ سے لے کر حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسن محدث دیوبندی) رحمۃ اللہ علیہ تک اکابر نے کیا ہے۔

کیا وضو کرتے وقت خان جی کا ترجمہ پڑھیں گے یا بسم اللہ؟

جب آپ وضو کریں گے تو اس وقت اعلیٰ حضرت کا ترجمہ پڑھیں گے یا بسم اللہ کہیں گے؟ اگر بسم اللہ کہتے ہیں تو پھر وہی بات ہوگئی کہ ب، س، م کے بعد ہی ”اللہ“ کا نام لیا۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اس لحاظ سے قابل عمل نہ ہوا اور یقیناً آپ اس پر عمل نہیں کرتے۔

خان جی کی اللہ کے ساتھ گستاخیاں:

اعلیٰ حضرت کے ترجمے میں ایک بہت موٹی غلطی ہے اور وہ یہ ہے بسم اللہ شریف میں الرحمن الرحیم کا ترجمہ سب اکابر نے ”بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے“ کیا ہے۔ یہ دونوں اسمائے حسنی عربی قواعد کے لحاظ سے مبالغے کے صیغے قرار دیے گئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے رحمت خداوندی کو الرحمن کے صیغے میں معاذ اللہ کم کر کے دکھایا ہے۔ انہوں نے تمام قرآن میں اس صیغے کو ایک جگہ بھی اس کا حق نہیں دیا۔ ”نہایت رحم والا“ کے بجائے انہوں نے ہر جگہ فقط ”رحم والا“ ترجمہ کیا ہے۔

کیا انہیں زیادہ رحمت نہیں چاہیے تھی؟

یا اس میں ان کا خرچ ہوتا تھا؟

یا وہ اپنا ترجمہ پڑھنے والوں کو زیادہ رحمت نہیں دلانی چاہتے تھے؟

یا انہیں اس لیے رحمت سے ناامیدی ہوگئی کہ ان کا تحریف کردہ ترجمہ لوگ

پڑھیں گے تو رحمت خود ہی کم ہوگی؟

قال البيضاوی: الرحمن الرحيم اسمان بنيا للمبالغة
من رحم كالغضبان من غضب والعليم من علم.
(وشرح فی شرح البيضاوی لشهاب الدين الخفاجی: ج ۱، ص ۶ و فی
شیخ زادہ: ج ۱، ص ۲۷)

اور سب مفسرین نے لکھا ہے کہ الرحمن الرحيم مبالغے کے صیغے ہیں اور یہ
بحث بھی کی ہے کہ ان دونوں میں سے کون سے اسم پاک میں زیادہ مبالغہ ہے۔ رحمن
وہ ذات جس کی رحمت کے آثار قوی ہوں، جیسے آخرت میں مؤمنین ہی پر اس کی
رحمت ہوگی۔ ایک اسم میں کیت کی زیادتی اور دوسرے اسم پاک میں کیفیت کی زیادتی
ہے۔ رحمن الدنيا ورحيم الآخرة.

ایک اور صورت یہ ہو سکتی تھی کہ وہ الرحيم کو صفت کا صیغہ قرار دیتے، ہمیشہ رحم والا
یا دایمی رحمت والا، لیکن انہوں نے ایسا دانستہ نہیں کیا یا توجہ نہیں گئی۔ بہر حال انہوں
نے اچھا نہیں کیا کہ بزرگان دین کے ترجمے کو چھوڑ کر نیا ترجمہ اختیار کیا۔ بہتر ہو کہ
آئندہ تراجم میں اس کی اصلاح کر دی جائے۔ (مگر اعلان کر کے اصلاح ہونی
چاہیے، چپکے سے نہیں)۔ اس ترجمہ فاضل بریلوی کے بارے میں یہ سمجھ لیجیے کہ اس کی
بسم اللہ ہی غلط ہو گئی اور۔

خشت اول چوں نہد معمار کج تاثر یامی رود دیوار کج
لہذا صحیح ترین ترجمہ وہی ہے جو اکابر نے کیا تھا۔

”شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔“

حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام کے گرامی نامے کی تفسیر میں جو ملکہ سبا کے نام
تھا، یہ روایت پیش نظر رکھیں:

روی الشعبي والاعمش ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان

يكتب "باسمك اللهم: حتى امر ان يكتب بسم الله فكتبها فلما نزلت
"قل ادعوا الله او ادعوا للرحمن" كتب "بسم الله الرحمن" فلما نزلت
"انه من سليمان وانه بسم الله الرحمن الرحيم" كتبها.

وفی مصنف ابی داؤد قال الشعبي وابو مالک وقتادة وثابت بن
عمارة ان النبي صلى الله عليه وسلم لم يكتب بسم الله الرحمن
الرحيم حتى نزلت سورة النمل (تفسیر قرطبی: ج ۱، ص ۹۲)

اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ میں تقابلی ترجمہ:

اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (سورہ فاتحہ: ۵)

اس آیت کے ترجمے میں مضمون نگار اعظمی صاحب نے یوں تقابل کیا ہے، وہ
لکھتے ہیں:

(حضرت شاہ رفیع الدین صاحب)

ترجمہ: دکھا ہم کو راہ سیدھی

(مولانا اشرف علی صاحب تھانوی)

تلا دیجیے ہم کو راستہ سیدھا

(حضرت شاہ ولی اللہ صاحب)

ہم کو راہ راست

(اعلیٰ حضرت)

ہم کو سیدھا راستہ چلا

”کوئی غیر مسلم اگر یہ دعا کرے تو مناسب ہے کہ وہ سیدھا راستہ دیکھنے کا

متننی ہے، بل ایک مسلمان جو قبول اسلام کے ساتھ ہی سیدھا راستہ دیکھ

چکا ہے وہ ہر دعا میں خصوصاً ہر نماز میں سیدھا راستہ دیکھنے کے لیے اپنے

خدا سے دعا کرتا ہے کس قدر لائق اور لغواتجا ہے؟

اعلیٰ حضرت نے تفاسیر قرآن کی روشنی میں ہر رخ کا بہ غور جائزہ لیا۔

ہدایت کے دو معنی ہیں

اول: اراء الطريق

دوم: اصال الى المطلوب.

عام مترجمین نے اول الذکر معنی لیے ہیں، جو یہاں مسلمان کے لیے مقصود نہیں۔ اعلیٰ حضرت نے ایصال الی المطلب کے معنی سے فرمایا اور یہی آیت کا مدعا ہے۔

اعظمی صاحب نے تقابلیں میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ تک کو لیا ہے، تاکہ احمد رضا خان صاحب کی شخصیت کو بہت اونچا کیا جاسکے اور اراء الطریق اور ایصال الی المطلب کا فرق انہوں نے زور بیان میں لکھ دیا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت بریلویہ کے ذہن میں اراء الطریق (یعنی راستہ دکھانا) اور ایصال الی المطلب (یعنی مقصد تک پہنچانے) کا فرق تھا ہی نہیں۔ وہ ہدایت کا ترجمہ کبھی راستہ دکھانا لکھ دیتے تھے اور کبھی راستہ چلانا۔ کیوں کہ ان آیات کے ترجمے میں جو انبیاء کے بارے میں آئی ہیں اور ان میں ہدایت کا لفظ استعمال ہوا ہے اعلیٰ حضرت نے سیدھی راہ دکھانے کا ترجمہ کیا ہے۔

دیکھیے ساتویں پارے میں ایک ہی رکوع میں متعدد انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے۔

كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ
وَسُلَيْمٰنَ وَيُوسُفَ وَمُوسٰى وَهَارُونَ. (سورۃ
انعام: ۸۵)

”ان سب کو ہم نے راہ دکھائی اور ان سے پہلے نوح کو راہ دکھائی اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو۔“ (ترجمہ اعلیٰ حضرت)

آگے اور انبیائے کرام کے اسمائے گرامی ذکر فرما کر ارشاد ہوا:

وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ. (سورۃ
انعام: ۸۸)

”اور ہم نے انہیں چن لیا اور سیدھی راہ دکھائی۔“ (ترجمہ اعلیٰ حضرت)

آپ غور فرمائیں: وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ. اور اهْدِنَا الصِّرَاطَ
الْمُسْتَقِيمَ کتنے ملتے جلتے کلمات ہیں۔ مداحان کنز الایمان ہی بتلائیں کہ کیا
انبیائے کرام کو حق تعالیٰ نے فقط سیدھی راہ دکھائی تھی یا ان کو راہ ہدایت پر چلایا بھی تھا؟
یہی نہیں بلکہ اعلیٰ حضرت نے جا بجا انبیائے کرام کے بارے میں راہ دکھانے کا
ترجمہ کیا ہے۔

حضرت سیدنا ابراہیم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ارشاد ربانی کا یہ
ترجمہ کیا:

اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (سورۃ نحل: ۱۲۱)
”اللہ نے اسے چن لیا اور اسے سیدھی راہ دکھائی۔“

حضرت سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ارشاد کا ترجمہ:
ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَاهُ. (سورۃ طہ: ۱۳۲)

”پھر اس کے رب نے چن لیا تو اس پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائی اور
اپنے قرب خاص کی راہ دکھائی۔“ (ترجمہ اعلیٰ حضرت)

حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کو قرب خاص حاصل تھا نہ یہ کہ انہیں فقط راہ دکھائی،
مگر خان صاحب فرماتے ہیں کہ بس راہ دکھائی تھی اور یہ قرب خاص کون سے لفظ کا
ترجمہ ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں:

الَّذِي خَلَقْنِي فَهُوَ يَهْدِينِ (سورۃ شعراء: ۷۸)

میں خان صاحب نے ترجمہ کیا ہے:

”وہ جس نے مجھے پیدا کیا تو وہ مجھے راہ دے گا۔“

اس ترجمے میں انہوں نے احتیاط کیوں ملحوظ نہیں رکھی؟ یعنی گویا معاذ اللہ اب
تک راہ دکھائی بھی نہیں اور دی بھی نہیں، اب دے گا۔

ہے کہ اس آیت مبارکہ کے ترجمے میں سب سے پہلے حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ ہی نے ”چلا ہم کو راہ“ کا ترجمہ کیا ہے۔ اس ترجمے کو اعلیٰ حضرت کی فضیلت میں ذکر کرنا اور حضرت شاہ صاحبؒ کا ذکر ہی نہ کرنا مقالہ نگار کی علمی خیانت ہے۔

کیا فاضل بریلوی خود قرآن تصنیف فرما رہے ہیں؟

ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ (سورہ بقرہ: ۲)

ترجمہ حضرت شیخ الہند: ”اس کتاب میں کچھ شبہ نہیں۔“

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: ”یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ

نہیں۔“

ذالک: یعنی وہ۔ اشارہ بعید (دور) کے لیے ہے، لیکن لازمی نہیں کہ اس کا ترجمہ ”وہ“ ہی کیا جائے۔ چنانچہ وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں۔ اس میں ہدایت ہے۔ فاضل بریلوی نے جگہ جگہ ترجمے میں ”یہ“ اختیار کیا ہے بلکہ سورہ بقرہ میں چند ہی رکوع بعد ترجمے میں ”یہ“ لکھا ہے۔

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ (سورہ بقرہ: ۶۱)

”یہ بدلاتھا اس کا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور انبیاء کو ناحق شہید کرتے، یہ بدلاتھا ان کی نافرمانیوں اور حد سے بڑھنے کا۔“

دونوں جگہ ترجمہ فاضل بریلوی اور آیت میں دو جگہ ”ذالک“ کا لفظ آپ کے سامنے ہے۔ فاضل بریلوی کو ماننے والے یہ اعتراض کر ہی نہیں سکتے کہ دوسرے اکابر نے بجائے ”وہ“ کے ”یہ“ کا ترجمہ کیوں کیا ہے؟

بات یہ ہے کہ ذالک قریب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور وہاں تاکید معنی مقصود ہوتے ہیں، مخاطب کی پوری توجہ اس طرف لگانے کے لیے بھی ہذا کے بجائے

سیدنا موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بارے میں ارشاد کا ترجمہ:

وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (سورہ صافات: ۱۱۸)

”اور ان کو سیدھی راہ دکھائی۔“ (ترجمہ اعلیٰ حضرت)

دیگر انبیائے کرام کے بارے میں ارشاد کا ترجمہ:

وَقَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا (سورہ ابراہیم: ۱۳)

”اس نے ہماری راہیں ہمیں دکھا دیں۔“ (ترجمہ اعلیٰ حضرت)

اور جو خود آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا اس کا ترجمہ بھی دیکھ لیجیے۔

قُلْ إِنِّي هَدَانِي رَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (سورہ انعام: ۱۶)

”تم فرماؤ! بے شک مجھے میرے رب نے سیدھی راہ دکھائی۔“ (ترجمہ اعلیٰ حضرت)

خان جی سب سے بڑے گستاخ رسول:

اب یا تو مقالہ نگار رضاء المصطفیٰ اعظمی صاحب یہ بات تسلیم کریں کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کا ترجمہ لکھتے وقت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب کے ذہن میں راستہ دکھانے (اراءۃ الطريق) اور راستہ چلانے (ایصال الی المطلوب) کا فرق نہیں تھا۔ ان کے نزدیک دونوں کے ایک ہی معنی تھے، ورنہ وہ کبھی ایسا نہ کرتے کہ اپنے لیے تو راستہ چلانا مراد لیں اور انبیائے کرام کے لیے راستہ دکھانا۔

اگر اعلیٰ حضرت کے پیش نظر یہ فرق تھا پھر بھی انہوں نے انبیائے کرام کے متعلق آیات میں جان بوجھ کر ایسا ترجمہ کیا ہے؟؟ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ مقام رسالت سے ناواقف تھے اور بہت بڑے گستاخ انبیاء و رسل بلکہ گستاخ فخر رسولان علیہم الصلوٰۃ والسلام تھے۔ کیوں کہ بریلوی عالموں کے یہاں فیصلے اسی زبان میں ہوتے ہیں۔

یہ تو آپ لوگوں کی باتوں کا ایک دوسرے طریقے پر جواب ہوا اور ایک جواب

ذالک کہہ دیا جاتا ہے، تو مفہوم ہوگا یہ عظیم الشان کتاب جو تمہارے سامنے ہے۔
اب فاضل بریلوی کی یا صدر الافاضل نعیم الدین صاحب مراد آبادی کی غلطی
بھی ملاحظہ فرمائیں کہ انہوں ”فیہ“ کا ترجمہ دو جگہ کر دیا ہے۔ ایک دفعہ تو ذالک
الکتاب لا ریب فیہ میں کہ

”وہ بلند مرتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں۔“

یہاں یہ قول صاحب محاسن کنز الایمان فاضل بریلوی نے بہت ہی علمی دقت نظر
سے کام لیا ہے اور فیہ کا ترجمہ ”جگہ“ کر کے ان کے بہت سے اشکالات رفع کر دیے
ہیں۔ ان کی نظر میں فاضل بریلوی کا یہ بڑا علمی کارنامہ ہے جو مختصر الفاظ میں نہ علامہ
بیضاویؒ انجام دے سکے اور نہ علامہ تفتازانیؒ۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ وہ ایک غلطی بھی کر گئے
ہیں، وہ یہ کہ دوسری دفعہ فیہ کا ترجمہ انہوں نے آیت کے اگلے حصہ میں بھی کر دیا ہے
اور لکھا ہے:

فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ

”اس میں ہدایت ہے ڈروالوں کو۔“

حالاں کہ قرآن پاک میں ”فیہ“ ایک دفعہ ہے۔ مگر فاضل بریلوی نے دو دفعہ
استعمال کیا ہے۔ ایک دفعہ ”جگہ“ کے معنی کے لیے اور دوسری دفعہ اس کا ترجمہ ”اس
میں“ کیا۔

آیت مبارکہ کے دونوں حصے مع ترجمہ آپ کے سامنے ہیں۔ فاضل بریلوی
کے ترجمے کے لحاظ سے قرآن پاک کی عبارت یہ بنتی ہے:

”ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ“

تعب ہے؟ کیا فاضل بریلوی اس قرآن کا ترجمہ لکھ رہے ہیں جو خود انہوں نے اپنے
حبیب پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا خود قرآن تصنیف فرما رہے ہیں؟
اب سوچیے! ترجمہ وہ صحیح ہوگا جو تحت اللفظ ہو یا وہ صحیح ہوگا جس میں اپنی طرف سے

وضاحت ملا دی جائے؟ جیسے اعلیٰ حضرت نے پورے قرآن میں جگہ جگہ ایسا ہی کیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. (سورہ بقرہ: ۲۱)

”اے لوگو! بندگی کرو اپنے رب کی جس نے پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے
پہلے تھے، تاکہ تم پر ہیز گار بن جاؤ۔“ (ترجمہ شیخ الہند)

”..... یہ امید کرتے ہوئے کہ تمہیں پرہیز گاری ملے۔“ (ترجمہ فاضل
بریلوی)

حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمے پر اعتراض کرتے ہوئے ایک فاضل مقالہ نگار
”محاسن کنز الایمان“ میں لکھتے ہیں:

سب مترجمین اس طرف گئے ہیں کہ لفظ لَعَلَّ بمعنی لَکُنَّ ہے، یعنی تاکہ تم
پرہیز گار بن جاؤ۔ لیکن علامہ بیضاویؒ نے اس کے متعلق فرمایا:

”لم يثبت في اللغة مثله“

”یعنی لغت میں اس کی مثال ثابت نہیں۔“

جس کا جواب یہ ہے کہ ذرا اور محنت کرتے اور بیضاوی کی شرح دیکھ لیتے تو جواب
مل جاتا۔ شارح بیضاویؒ شیخ شہاب الدین الخفاجیؒ فرماتے ہیں کہ مفسر بیضاوی رحمہ اللہ
کی یہ بات ماننی مشکل ہے، کیوں کہ مفسرین کرام نے بہت سی آیتوں میں لَعَلَّ ”تاکہ“
کے معنی میں استعمال کیا ہے اور علمائے نحو نے خود اس کی صراحت کی ہے کہ یہ اس معنی
میں آتا ہے۔ فصحاء عرب نے بھی اپنے کلام میں اس معنی میں استعمال کیا ہے۔

علمائے کرام کے لیے اصل عبارت پیش ہے:

قال البيضاوي: وقبل تعليل للخلق اي خلقكم لكي تتقوا كما

قال سبحانه وتعالى وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون. وهو

ضعيف اذ لم يثبت في اللغة مثله قال الشيخ شهاب الدين الخفاجي

والعبادة.

كما قال الشاعر:

وقلتم لنا كفوا الحروب لعلنا
نكف ووثقتم لنا كل موثق
فلما كففنا الحرب كانت عهودكم
كلمع سراب في الفلامتالق

یرید بذالک قلتہ لنا کفوا لنکف وذلک ان لعل
فی ہذا الموضع لو کان شکا لم یكونوا وثقولہم کل
موثق. (تفسیر ابن جریر: ج ۱، ص ۱۲۵)

”وقیل لعل بمعنی کئی ووجہ بانہا للاطماع والکریم
الرحیم اذا اطمع فعل فجری اطماعہ مجری وعدہ
المحترم فلہذا قیل انہا بمعنی کئی قال القفال فی
لعل معنی التکریر والتاکید اذ اللام للابتداء نحو
لقد ولقولہم علیک ان تفعل کذا وعل یفید التکریر
ومنه العلل بعد النہل فقول القائل افعل کذا لعلک
تظفر بحاجتک معناه افعلہ فان فعلک لہ یو کد
طلبک لہ ویقویک علیہ.“

(تفسیر نیشاپوری علی حاشیہ تفسیر ابن جریر الطبری)

ان العرب استعملت ”لعل“ مجردة من الشک
بمعنی لا کی فالمعنی (لتعقلوا ولتذکروا) ولتتقوا
وعلى ذالک يدل
قول الشاعر:

استشكل بانه مناف لتفسيرهم به في آيات كثيرة وليصريح النحاة
واستشهادهم عليه بكلام فصحاء العرب كقوله:

فقلتم لنا كفوا الحروب لعلنا نكف ووثقتم لنا كل موثق
فان قوله وثقتم الخ، يقتضى عدم التردد ففي الوقوع كما في
الترجي وبهذا يتعين انها بمعنى كئی.
تفسیر خازن اور تفسیر بغوی میں ہے:

لعلکم تتقون لکی تنجوا من العذاب

”تا کہ تم عذاب سے بچ جاؤ۔“ (تفسیر خازن: ص ۳۸)

”تا کہ تم عذاب سے نجات حاصل کرو۔“ (تفسیر بغوی: ص ۳۸)

تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ لعل میں لام تاکید کا ہے اور لام کے بغیر غل میں
تکرار کے معنی ہیں۔ تو یثا یثا الناس اعبدوا سے لے کر پوری آیت میں جو مضمون
بتلایا گیا ہے اس پر عمل کی تاکید اور یہ تکرار مضمون ذہن نشین کرانا مقصود ہے۔ یہ امید
کرتے ہوئے کہ تمہیں پرہیزگاری ملے۔

ان کے علاوہ تفسیر ابن جریر، تفسیر قرطبی اور روح المعانی میں بھی یہی بتایا گیا ہے
کہ لعل بمعنی ”تا کہ“ ہے۔

قارئین کرام کی سمجھ میں تو یہ بات آگئی ہوگی کہ ترجمہ حضرت شیخ الہند ہی کا صحیح
ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہل علم کے لیے ان سب متقدمین سے لے کر متاخرین
تک مفسرین رحمہم اللہ کی عبارتیں دے دی جائیں۔

”لعلکم تتقون“

قيل له ذالک على غير المعنى الذى توهمت وانما
معنى ذالک اعبدوا ربکم الذى خلقکم والذین من
قبلکم لتتقوه بطاعة وتوحيده وافراده بالربوبية

جائیں۔ یہ بات تو حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمے سے سمجھ میں آتی ہے اور فاضل بریلوی کے ترجمے سے یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امید پر یہ حکم دے رہے ہیں کہ بندوں کو پرہیزگاری مل جائے۔

اب آپ خود ہی موازنہ کر لیجیے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے لیے امید کرنے کے الفاظ کسی بھی طرح مناسب ہیں؟ لہذا کہنا پڑے گا کہ فاضل بریلوی کا ترجمہ عظمت شان باری کے نامناسب ہے اور ان کی کم علمی کی دلیل بھی، یا بہ زبانی بریلوی حضرات گستاخی خدا جل شانہ ہے۔

غیر اللہ کے نام پر ذبح کا حکم:

وَمَا أَهْلُ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ (سورۃ بقرہ: ۱۷۳)

ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ: ”اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا“۔

حضرت شیخ الہندؒ اس آیت مبارکہ کے حاشیے میں تفسیر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

”...البتہ اس میں کچھ حرج نہیں کہ جانور کو اللہ کے نام پر ذبح کر کے فقرا کو کھلائے اور اس کا ثواب کسی قریب یا پیر اور بزرگ کو پہنچادے یا کسی مروجے کی طرف سے قربانی کر کے اس کا ثواب اس کو دینا چاہے، کیوں کہ یہ ذبح غیر اللہ کے نام پر نہیں“۔ (موضح الفرقان: ص ۳۲)

یہ اسلام کا تعلیم کردہ صحیح طریقہ ہے اور بریلوی حضرات بھی یہی لکھتے ہیں کہ ذبح کے وقت اللہ ہی کا نام لیا جائے۔ بہار شریعت میں ہے:

”اگر عطف کے ساتھ دوسرے کا نام ذکر کیا مثلاً یوں کہ بسم اللہ واسم فلاں

(یعنی اللہ کے نام سے) اس صورت میں جانور حرام ہے کہ یہ جانور غیر خدا

کے نام پر ذبح ہوا“۔ (بہار شریعت: حصہ پانزدہم، ص ۱۱۹)

ایک صورت یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام کی نیت کی تھی، پھر مسئلہ معلوم ہو گیا کہ خدا

وَقُلْتُمْ لَنَا كَفُوا الْحُرُوبَ لَعَلَّنَا

نَكْفُ وَوَوَقْتُمْ لَنَا كُلَّ مَوْثِقٍ

فَلَمَّا كَفْنَا الْحَرْبَ كَانَتْ عَهْدُكُمْ

كَلِمَعٍ سَرَابٍ فِي الْفَلَامَاتِ

المعنى كفوا الحروب لنكف ولو كانت "لعل" هنا

شكاً لم يوثقوا لهم كل ميثاق.

وهذا القول عن قطرب والطبري (تفسير القرطبي: ج ۱، ص ۲۳۸)

"وقال الشيخ شهاب الدين السيد محمود الالوسي

ثم لا يبعد ان يقال ان المعنى فى الآية على التحليل

اما لان "لعل" تجيء بمعنى كفى كما ذهب اليه ابن

الانبارى وغيره.

(۱) واستشهد بقوله:

وَقُلْتُمْ لَنَا كَفُوا الْحُرُوبَ لَعَلَّنَا

نَكْفُ وَوَوَقْتُمْ لَنَا كُلَّ مَوْثِقٍ

(روح المعاني: ج ۱، ص ۱۸۶)

لغت کی معروف کتاب "لسان العرب" میں ہے:

وقد جاءت فى القرآن بمعنى كفى (لسان العرب فى

لعل: ج ۱، ص ۷)

"اور لعل قرآن پاک میں تاکہ کے معنی میں آیا ہے۔"

غرض صاحب محاسن کنز الایمان کا یہ کہنا غلط ہے کہ لم یثبت فى اللغة مثله.

لغت میں اس کی مثال ثابت نہیں۔ ایک اور فرق بھی صاف نظر آرہا ہے کہ حق تعالیٰ اپنی عبادت کا حکم اس لیے دے رہے ہیں تاکہ بندے اس پر عمل کر کے پرہیزگار بن

الحسن انه، سئل عن امرأة مترفة صنعت للعبها عرسا فحرت حرورا فقال الحسن لا يحل اكلها فانها انما نحرت لصنم. قلت ومن هذا المعنى مارويناه عن يحيى بن يحيى التميمي شيخ مسلم قال اخبرنا جرير عن قابوس قال ارسل ابى امرأة الى عائشة رضى الله عنها وامرها ان تقرأ عليهم السلام منه وتسامها اية صلاة كانت اعجب الى رسول الله صلى الله عليه وسلم يدوم عليها قالت كان يصلى قبل الظهر اربع ركعات يطيل فيهن القيام ويحسين الركوع والسجود فاما ما لم يدع قطه صحيحا ولا مريضا ولا شاهدا ركعتين قبل صلوة الغداة قالت امرأة عند ذلك من الناس يام المؤمنين ان لنا اظارا من العجم لا يزال يكون لهم عيد فيهدون لنا منه افناكل منه شيئا؟ قالت اماما ذبح لذللك اليوم فلا تاكلوا ولكن من اشعارهم. (تفسير قرطبي: ج ۲، ص ۲۲۲)

ابن عطية کہتے ہیں کہ میں نے (حضرت) حسن ابن ابی الحسن کی روایات میں دیکھا ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ کوئی متول عورت اپنی گڑیا کی شادی کر لے اور اس کے لیے اونٹ (جانور) ذبح کرے (تو اس کا کھانا حلال ہے یا حرام؟) تو حسن نے فرمایا کہ اس کا کھانا حلال نہیں۔ کیوں کہ یہ اس نے ایک بت کے لیے ذبح کیا ہے۔ میں (قرطبی) کہتا ہوں اسی معنی میں وہ روایت بھی ہے جو ہمیں (حضرت) امام مسلم کے استاذ (حضرت) یحییٰ ابن یحییٰ التمیمی سے پہنچی ہے۔ انہوں نے جریر سے اور انہوں نے قابوس سے روایت کی ہے کہ میرے والد نے ایک عورت کو

کے سوا کسی کے نام جانور نہ کرنا چاہیے اور اس نے اپنی غلطی سے توبہ کر لی، تو اب جانور درست ہو گیا۔

اب ایک اشکال یہ ہے کہ آیت میں اہلال کے معنی فقط ذبح کرتے وقت آواز کے ساتھ نام لینا ”ہیں“ یا اور معنی جو اس سے زیادہ عام ہوں وہ مراد ہیں؟ اسی میں بریلوی حضرات کا اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ فقط ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لینے سے جانور حرام ہوتا ہے ورنہ نہیں، لیکن فقہائے کرام نے ما اہل بہ کے معنی عام لیے ہیں اور ان کا یہ قول صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایت پر مبنی ہے۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وجرت عادة العرب بالصباح باسم المقصود بالذبيحة وطلب ذالك في استعمالهم حتى عبر به عن النية التي هي علة التحريم الاخرى ان على بن ابي طالب رضى الله عنه راعى النية في الابل التي نحرها غالب ابو الفرزدق فقال انها مما اهل لغير الله به فتركها الناس.

”اہل عرب کی عادت چلی آرہی تھی کہ جو شخص یا چیز مطلوب ہوتی تھی اس کا نام زور سے چلا کر (اعلان کر کے) لیا کرتے تھے۔ اس اہلال کے لفظ کا استعمال اتنا زیادہ ہونے لگا تھا کہ اہلال قلبی نیت کو بھی کہنے لگے، جو درحقیقت تحریم کی اصل وجہ ہے۔ آپ دیکھیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان اونٹوں میں جو فرزدق کے والد غالب نے ذبح کیے تھے اس میں ان کی نیت ہی کا لحاظ رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ یہ ما اہل بہ لغير الله میں داخل ہیں۔ اس کے بعد لوگوں نے ان کا گوشت پڑا چھوڑ دیا۔“

قال ابن عطية وروایت فی اخبار الحسن بن ابی

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس بھیجا اور کہا کہ وہ حضرت عائشہؓ سے ان کا سلام عرض کر دیں اور دریافت کریں کہ (فرضوں کے علاوہ) کون سی (نفل) نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی زیادہ پسند تھی کہ اس پر ہمیشگی فرماتے تھے؟ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھا کرتے تھے، ان میں طویل قیام فرمایا کرتے تھے اور زیادہ اچھی طرح رکوع و سجود ادا فرماتے تھے۔ البتہ (فرضوں اور وتر کے علاوہ) ایسی نماز جو آپ نے کبھی بھی نہ چھوڑی ہو، نہ حالت صحت میں اور نہ بیماری میں اور نہ زمانہ اقامت میں وہ فجر سے پہلے کی دو رکعتیں ہیں۔ حاضر عورتوں میں سے ایک کہنے لگی: اے ام المؤمنین! ہمارے بچوں کو پالنے والی مائیں بھی ہیں، ان کے یہاں جب ان کی عید کا دن آتا ہے تو وہ ہمارے لیے اس دن کا تحفہ بھیجتی ہیں، کیا ہم اس میں سے کچھ کھالیا کریں؟ حضرت عائشہؓ نے ارشاد فرمایا کہ جو جانور اس دن کے لیے ذبح کیا جائے تو وہ مت کھاؤ۔ ہاں ان کے پھل فروٹ کھالیا کرؤ۔

تفسیر ابن کثیر میں حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مذکورہ ارشاد کا واقعہ نقل کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو آدمیوں نے فخریہ انداز میں سو سو اونٹ ذبح کرنے طے کیے اور لوگ گوشت لینے پہنچے تو حضرت علیؓ جو اس وقت کوفہ میں تشریف فرما تھے باہر تشریف لائے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید خچر پر سوار تھے، انہوں نے اعلان فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ لَا تَأْكُلُوا مِنْ لَحْمِهَا فَإِنَّهَا أَهْلٌ بِهِ لَغَيْرِ اللَّهِ.

”اے لوگو! ان اونٹوں کا گوشت مت کھاؤ، کیوں کہ ان پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہے (یعنی تباخر کے طور پر ذبح کیے گئے ہیں)۔“

پھر حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تائید میں حضرت عبداللہ ابن عباس

رضی اللہ عنہما کی دو روایات نقل فرمائی ہیں:

(۱) نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مُعَاقَرَةِ الْأَغْرَابِ.

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابیوں کے رواج کے مطابق ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے۔“

(۲) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِيزِينَ أَنْ يُؤْكَلَ (تفسیر ابن کثیر: ج ۲، ص ۸)

”جو جانور آپس کے مقابلے میں دکھاوے کے لیے ذبح کیے جائیں ان کا گوشت کھانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔“

حضرت مدنی کا عمل:

اکابر دیوبند یہی فرماتے ہیں کہ جانور کے معاملے میں احتیاط لازم ہے۔ جو شکلیں جایز ہیں وہ لکھی جا چکی ہیں۔ ان پر ان حضرات کا عمل بھی رہا ہے۔ حضرت مولانا السید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ عید بقرہ کے موقع پر جو قربانی کیا کرتے تھے اس کے بارے میں دیوبند میں عام طور پر یہ سنا تھا ایک جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور باقی اپنے اکابر کی طرف سے حصے ہوتے تھے۔ اکابر میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی طرف سے ایک حصہ کیا کرتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ کے فتوے پر اکابر دیوبند کا عمل:

بریلوی مضمون نگار حضرات کا یہ کہنا کہ مَا أَهْلٌ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ کا ترجمہ اور اس کی تفسیر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ یا دیگر اکابر نے ایسے انداز سے کی ہے جس سے بہت سے ذبیح حرام ہو گئے۔ غلط ہے بلکہ ان کا قول وہی ہے جو فقہائے کرام کا ہے اور فقہائے کرام کا قول وہ ہے جو سیدنا حضرت علیؓ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کا فتویٰ ہے اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے۔

غیر کو دے دے۔ اور جانور کی جان آدمی کی مملو کہ نہیں ہے کہ دوسرے کو بخش دے۔ اور نیز مال کا دینا اس طرح سے مستوجب ثواب ہے کہ آدمی اس سے نفع اٹھاتے ہوں اور چوں کہ مردے بعد مفارقت اس جہان کے قابل انتفاع عین مال سے نہ رہے تو طریقہ نفع پہنچانے کا اس طرح قرار پایا ہے کہ مال کا ثواب مستحقوں کو پہنچتا ہے۔ مردوں کی طرف عاید کریں، اور چوں کہ جانور کی جان اس کی زندگی میں بھی انسان کے انتفاع کے قابل بالکل نہیں ہوتی تو اس کے مرنے کے بعد بھی قابل انتفاع نہ ہوگی۔ ہاں حدیث میں جو قربانی مردے کی طرف سے کرنا آئی ہے تو اس کے اسلام میں یہ معنی (بتلائے گئے) ہیں کہ جانور کی جان خدا کے واسطے دیں تاکہ اس کا ثواب مردے کو پہنچے۔ نہ یہ کہ جانور مردے کے واسطے ذبح کیا جائے۔

بعض جاہل مسلمان اس جگہ کج فہمی کر کے کہتے ہیں کہ گوشت پکا کر مردوں کے نام دینا جائز ہے اور ہم جانور کو ذبح کرنے میں مردے کی طرف سے اسی قدر ارادہ کرتے ہیں۔ (ایسے) جاہلوں کے سمجھانے کے واسطے ایک نقطہ کافی ہے کہ ان سے کہنا چاہیے کہ تم جانور کو ذبح کرنا بہ نام غیر خدا نذر کرتے ہو، اگر عوض جانور کے اسی قدر گوشت خرید کر کے پکا کر فقرا کو کھلاؤ تو تمہارے ذہن میں نذر ادا ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر ادا ہو جاتی ہے تو تم سچے ہو کہ تمہارا مقصود ذبح کرنے سے فقیروں کو مردے کی طرف سے کھانا تھا اور اگر ادا نہیں ہوتی تو شرک صریح لازم آتا ہے۔

اس آیت کے الفاظ میں کہ قرآن شریف میں چار جگہ وارد ہے تامل کرنا چاہیے کہ مَا أَهْلًا بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فرمایا گیا ہے۔ مَا ذُبِحَ بِاسْمِ غَيْرِ اللَّهِ نہیں فرمایا۔ پس بہ نام خدا ذبح کرنا اور شہرت اور آواز دینا کہ فلاں گائے فلاں کے واسطے ذبح کرتے ہیں، کچھ فائدہ نہیں دیتا اور گوشت جانور کو حلال نہیں ہوتا۔

یہ فتویٰ دیوبند اور بریلوی کے دونوں مکاتب فکر سے پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ گویا درمیانی عرصے میں بھی یہی فتویٰ رہا ہے اور دور خلافت راشدہ میں بھی۔ اسی بنیاد پر اس کی تفسیر میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی بہت تفصیل سے "تفسیر عزیزی" میں تحریر فرماتے ہیں:

"وَمَا أَهْلًا بِهِ اور مگر وہ چیز کہ آواز دی گئی ہو حق اس جانور میں لِغَيْرِ اللَّهِ غیر خدا کے واسطے، چاہے وہ غیر بت ہو یا روح خبیث، جیسے بھوک کے نام دیتے ہیں اور خواہ کسی جن کے نام کہ کسی کے گھر پر مسلط ہو اور جانور لیے بغیر وہ دست بردار نہ ہوتا ہو اور خواہ پیرو پیغمبر کے نام زندہ جانور مقرر کر دیں کہ یہ سب حرام ہیں۔

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص جانور کو غیر خدا کے تقرب کے لیے ذبح کرے وہ شخص ملعون ہے۔ ذبح کے وقت نام خدا لے یا نہ لے، اس واسطے کہ جب شہرت کر دی گئی کہ یہ جانور فلاں کے واسطے ہے تو ذبح کے وقت خدا کا نام مفید نہ ہوگا، کیوں کہ وہ جانور غیر خدا کی طرف منسوب ہو چکا ہے اور اس میں پلیدی پیدا ہو گئی ہے اور اس کا نبٹ مردار کے نبٹ سے زیادہ ہے۔ اس واسطے کہ مردار بغیر ذکر نام خدا کے مر گیا اور یہ جانور غیر خدا کے نام پر مارا گیا ہے اور یہ عین شرک ہے اور جب کہ یہ نبٹ مؤثر ہو تو ذکر نام خدا اس کو حلال نہیں کیا کرتا، جیسے کہ کتا اور سور کہ اگر نام خدا لے کر ذبح کیے جائیں تو حلال نہ ہوں گے۔ اس مسئلے کی حقیقت یہ ہے کہ جان کی نیاز پیدا کرنے والی ذات پاک کے سوا کسی کے نام کی درست نہیں اور کھانے پینے کی اور چیزیں اور مال بھی غیر اللہ کے تقرب کے واسطے دینا حرام اور شرک ہے، لیکن ثواب جس چیز کا دینے والے کی طرف عاید ہو تو اس کا ثواب غیر کے واسطے کرنا جائز ہے۔ اس واسطے کہ انسان کو یہ حق ہوتا ہے کہ اپنا ثواب غیر کو بخش دے، جیسا کہ اختیار ہے کہ اپنا مال

کر لے اور اس کے خلاف شہرت اور آواز دے کہ ہم اس کام سے پھر گئے۔

اب یہ بیان کرتے ہیں کہ لفظ بہ کو اس سورت میں لفظ لیسیر اللہ پر مقدم کیا اور سورہ انعام اور سورہ نحل میں مؤخر۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی یہ وجہ ہے کہ اصل یہی ہے کہ بآء کو متصل فعل اور مقدم تمام متعلقات پر لائیں۔ اس لیے کہ بآء اس مقام پر تعدیہ کے واسطے کی ہے، جیسے کہ ہمزہ اور تضعیف۔

پس (اصل یہ ہے) حتی الامکان فعل کے متصل ہو اور جگہ اول قرآن ہے۔ پس اس موضع میں اس کی اصل پر استعمال فرمایا اور دوسری سورتوں پر انکار اور سرزنش مقصود ہے۔ اسی واسطے دوسری سورتوں میں ذبح بہ مقصد غیر اللہ مقدم لایا گیا، یعنی وہاں ذبح بہ مقصد غیر اللہ مقدم آیا۔ اس واسطے باقی سورتوں میں جملہ فلا اثم علیہ کو اس لیے موقوف رکھا کہ اول قرآن میں ممنوع ہو چکا ہے۔

اور یہ چار چیزیں کہ مذکور ہوئیں یعنی خون، مردار، سور کا گوشت اور وہ جانور کہ غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے، اس قسم سے ہے کہ سب فرقوں پر ہر حال میں حرام ہے اور اس قسم سے نہیں ہے کہ ایک گروہ پر حرام اور دوسرے پر حلال۔ جیسے زکوٰۃ اور صدقات یا ایک حال میں حرام اور دوسرے میں حلال، جیسے دوا گرم کہ آتش مزاج پر حرام ہے اور بروقت بردت مزاج کے حلال اور بروقت لا چاری کے کھانا ان چیزوں کا اور ان کی حرمت معاف ہے۔ (تفسیر عزیزی: ج ۲، ص ۴۵-۴۴)

آپ کے سامنے متقدمین کا فتویٰ اور روایات مختصر انداز میں آگئی ہیں۔ ہر آدمی کے ذمے فرض ہے کہ وہ شریعت کی پیروی کر کے اپنے کھانے کو حلال رکھے، اپنی عبادات کو گناہ بننے سے بچائے، مسئلہ سمجھے اور اس پر عمل کرے اور ایصال ثواب اس

اور اہل کوزنج پر حمل کرنا لغت اور عرف کے خلاف ہے۔ اہلال لغت عرب اور اسی ملک کے عرف میں بہ معنی ذبح کے نہیں آیا ہے۔ کسی شعر اور کسی عبارت میں پایا نہیں جاتا بلکہ اہلال لغت عرب میں آواز در شہرت دینے کے معنی میں ہے۔ جیسے آواز طفل نو۔ اور شہرت چاند اور بہ معنی آواز حج اور اس کے سماعوں میں مستعمل ہے۔ (حتی کہ) اگر کوئی کہے: اہل اللہ تو یہ ہرگز ذبح اللہ کے معنی میں نہ سمجھا جائے گا اور نیز اگر اہل کوزنج پر حمل کریں تو ذبح بغیر اللہ مراد ہوگی۔ ذبح بہ اسم غیر اللہ کہاں مراد ہوگی تاکہ مدعی ان آدمیوں کا حاصل ہو؟ پس اس عبارت میں اہلال کو بہ معنی ذبح لینا اور غیر اللہ کو بجائے اسم غیر اللہ کرنا قریب تحریف کلام الہی کے پہنچتا ہے۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ تمام علما نے اجماع کیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی جانور کو ذبح کر لے اور ارادہ ذبح سے تقرب الی غیر اللہ رکھے تو وہ آدمی مرتد ہو گیا۔ اس کے ذبیحہ بھی مرتد کے ذبیحہ ہوئے۔

اور کافر جاہلیت میں گھر سے نکلتے ہوئے اور راہ میں بلند آواز سے بتوں کا نام لیتے جاتے تھے اور جب کہ مکہ معظمہ میں پہنچتے طواف کرتے، یہ طواف ان کا ہرگز قبول نہیں ہوتا تھا اور اسی واسطے حکم ہوا کہ بعد اس سال کے مسجد حرام کے نزدیک نہ ہوں۔ پس اسی طرح یہاں بھی جو آواز بلند کی اور (زبان سے کہہ کر) شہرت دی کہ یہ جانور فلاں کے نام کا ہے اور اس کے نام ذبح کرتے ہیں اور حلال کرتے وقت خدا کا نام لیا، ہرگز وہ حلال نہیں ہوتا اور اس میں بھی یہ ہے کہ عوام کے نزدیک جانور کا ثواب پہنچانا جس کو منظور ہو اس کا ایک طریقہ مقرر ہے۔ جیسے کھانے پینے کی اشیا کا ثواب ریحوں کو پہنچانا، فاتحہ اور قل اور درود پڑھ کر ہے، خواہ بہ قصد ثواب پہنچانے کے یا بہ قصد تقرب اور دفع شر اور طلب دوستی کے۔ ہاں! ذکر نام خدا کا جانور پر اس وقت مفید ہوگا کہ قصد تقرب غیر خدا کا دل سے دور

طریقے ہی سے کرنا چاہیے جو اسلام نے بتلایا ہے۔

نبی کا ترجمہ:

النَّبِيُّ الْأُمِّيَّ (سورۃ اعراف: ۱۵۸)

”بے پڑھے غیب بتانے والے“۔ (ترجمہ اعلیٰ حضرت)

اعلیٰ حضرت نے نبی کا ترجمہ کہیں ”غیب بتانے والے“ کیا ہے اور کہیں ”غیب کی خبریں بتانے والے“ کیا ہے۔ (مثلاً سورۃ انفال: ۶۹) لیکن آپ نے غور نہیں کیا یہ ترجمہ ناقص ہے۔ غیب کی خبر تو بتانے والے ولی بھی ہوتے ہیں، انہیں کشف بھی ہو جاتا ہے۔ بعض کو کم بعض کو زیادہ، لیکن انہیں ولی کہا جاتا ہے نبی نہیں کہا جاتا۔

نبی: خاص ذات کا نام ہوتا تھا جو غیب کی خبریں بتاتا تھا۔ اس پر از غیب وحی آتی تھی، وہ معصوم ہوتا تھا وغیرہ۔ لہذا فقط غایب کی خبریں بتانے والا ترجمہ نہایت ناقص اور غلط ہے۔ اردو میں اس کا بدل کوئی ایک لفظ نہیں ہے، نہ ہی اس کے ترجمے کی ضرورت ہے۔

کسی بھی مسلمان سے پوچھ لیجیے کہ تمہارا نبی کون ہے؟ تو وہ فوراً سمجھ جائے گا اور کہے گا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نبی ہیں۔ اگر پوچھیں کہ غیب کی خبریں بتلانے والا کون ہے؟ تو کوئی بھی کچھ نہیں سمجھے گا۔ ترجمہ اس لیے ہوا کرتا ہے کہ دوسری زبان میں سمجھا دیا جائے اور یہ لفظ ہر مسلمان جانتا ہے اور مانتا ہے۔ اس پیارے اور جامع لفظ سے ہٹا کر ”غیب بتانے والے“ کے لفظ کی طرف مسلمانوں کو لانا اعلیٰ حضرت کی جدت ہے اور ان کے ماننے والوں کی بے سوچے پیروی کی بری مثال ہے۔

خان جی کی حدیث پر کوئی نظر نہیں تھی:

حَتَّىٰ إِذَا اسْتِئْذِنَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا

(سورۃ یوسف: ۱۱۰)

ترجمہ حضرت شیخ البند: یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے رسول اور

خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا۔

آیت مبارکہ میں صحابہ کرام علیہم الرضوان میں اختلاف رہا ہے کہ اسے کُذِّبُوا پڑھا جائے یا کُذِّبُوا۔ یعنی ذال کے نیچے زیر سے پڑھا جائے یا تشدید سے بھی؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کُذِّبُوا تشدید سے پڑھتی تھیں اور دیگر حضرات کُذِّبُوا پڑھتے تھے۔ یہی ہماری قرأت ہے اور یہی ساری دنیا میں لکھی اور پڑھی جاتی ہے۔ یہی فاضل بریلوی پڑھتے تھے اور بریلوی حافظ بھی یہی پڑھتے آرہے ہیں۔ یہی ان کے مطبوعہ قرآن پاک اور تفسیروں میں ہے۔ فاضل بریلوی کی نظر حدیث پر نہ تھی، اس لیے انہوں نے قرأت یعنی قرآن پاک کے جملے تو وہی رکھے جو دوسرے صحابہ کے تھے اور تفسیر اس جملے کی لکھی جو حضرت عائشہ کی قرأت تھی (رضی اللہ عنہم)۔ یہ تو فاضل بریلوی کی غلطی کا خلاصہ ہے مگر یہ بحث عملی ہے، ہم اسے آسان کر کے لکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

تو پہلے آپ اس آیت کی وہ تفسیر جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بخاری شریف میں منقول ہے ملاحظہ فرمائیں۔ اس کا آسان الفاظ میں یہ مفہوم ہے:

عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَهُ وَهُوَ يَسْأَلُهَا عَنْ

قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى الْحَدِيثِ الرَّخ (بخاری شریف: ج ۲، ص ۶۳۰)

حضرت عروہ ابن الزبیر نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اللہ تعالیٰ کے

ارشاد حسی اذا استئذِنَ الرُّسُلُ کے بارے میں دریافت کیا کہ اس

آیت میں (لفظ) كُذِّبُوا (ان سے جھوٹ کہا گیا) ہے یا كُذِّبُوا

(لوگوں نے انہیں جھٹلادیا) حضرت عائشہ نے فرمایا کہ كُذِّبُوا ہے (یعنی

لوگوں نے انہیں جھٹلادیا)۔ میں نے کہا کہ آیت میں لفظ ظُنُّوا آیا ہے،

جس کے معنی ہیں ”گمان کرنا“ تو انبیائے کرام کو اپنی قوم کے بارے میں

كُذِّبُوا کا مطلب حضرت عائشہ اور حضرت عروہ دونوں کے نزدیک یہی ہے کہ رسولوں سے جھوٹ کہا گیا۔ اسی لیے انہوں نے معاذ اللہ (خدا کی پناہ) کا کلمہ بھی استعمال فرمایا ہے۔

اور آج آپ قرآن کریم کا کوئی نسخہ اٹھا کر دیکھ لیں اس میں کیا لکھا ہوا ہے؟ کسی اور ملک سے قرآن پاک منگا کر دیکھ لیں کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے اور دنیا کے کسی ریڈیو سے فرمایش کر کے سن لیں کہ وہاں کا قاری کیا پڑھتا ہے؟ ہر جگہ كُذِّبُوا ہی ملے گا۔ یہی سب قراءے کوفہ کی قرأت تھی۔ امام عاصم، امام یحییٰ ابن وثاب، امام اعمش، امام حمزہ اور امام کسائی رحمہم اللہ اور اہل حجاز میں سے امام ابو جعفر ابن القعقاع نے یہی قرأت لی ہے اور یہی قرأت حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے اور حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما کے جلیل القدر شاگرد حضرت ابو عبدالرحمن السلمي کی ہے۔ وہ صحابی نہیں تابعی تھے، مگر اس درجے بڑے عالم، متقی اور قاری تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب کوفہ کو اپنا مستقر (قیام گاہ) بنایا تو حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو حکم فرمایا کہ حضرت ابو عبدالرحمن السلمي رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے علم قرأت حاصل کریں۔ یہی قرأت حضرت حسن بصریؒ اور حضرت امام ابن سیرینؒ وغیرہ کی ہے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ اور یہی حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پڑھتے تھے اور یہی روایت حفص ہے جو پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور یہی قرأت فاضل بریلوی کی بھی ہے۔ اس کے بعد آپ دیکھیں تو اس قرأت کی رو سے حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ کے ترجمے ہی کو صحیح تر اور آسان الفاظ میں معنی کے قریب تر کہنا پڑے گا۔

وَضُنُّوا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا

”اور رسول خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا۔“

یعنی رسول اپنی قوموں سے مایوس ہوئے اور معلوم ہوا کہ جو بظاہر ایمان لائے

یہ گمان تھوڑا ہی تھا، انہیں تو اس کا یقین تھا (کیوں کہ قوم کا جھٹلانا سانسے تھا) تو فرمانے لگیں کہ بالکل بلاشبہ انہیں یقین تھا۔ تو میں نے کہا کہ وَضُنُّوا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا پڑھنا چاہیے (یعنی ان سے جھوٹ کہا گیا) اس پر فرمانے لگیں کہ معاذ اللہ انبیائے کرام کا اپنے پروردگار کے ساتھ ایسا گمان ہو ہی نہیں سکتا۔ اس پر میں نے دریافت کیا کہ پھر اس آیت کا مطلب کیا ہے؟ تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ اس جملے سے مراد انبیائے کرام کے وہ پیروکار ہیں جنہوں نے اللہ پر ایمان قبول کیا، انبیائے کرام کی تصدیق کی، پھر ان کی آزمائش کا دور لے لیا ہو گیا اور امداد خداوندی میں دیر ہوئی، حتیٰ کہ جب رسول اپنی قوم کے ان لوگوں سے کہ جو کافر تھے مایوس ہو گئے (کہ وہ ہدایت پانے والے نہیں ہیں) اور رسولوں کو یہ گمان ہونے لگا کہ ان کے پیروکاروں نے انہیں جھٹلادیا ہے، اس وقت اللہ کی

مدد آئی۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو تفسیر ارشاد فرمائی ہے اس کے مطابق تو وہی ترجمہ ٹھیک ہے جس میں رسولوں کی مایوسی (استیئس الرسل) اور رسولوں کو خیال ہوا (وَضُنُّوا اَنَّهُمْ) کے الفاظ لائے گئے ہیں اور وہ اسے كُذِّبُوا ہی پڑھتی تھیں۔

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تفسیر منقول ہے، انہوں نے مایوسی اور ظن دونوں کی نسبت انبیائے کرام کی طرف کی ہے۔

اب ایک اور مسئلے کی طرف بھی توجہ فرمائیے وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قرأت پر كُذِّبُوا پڑھنے کی صورت میں تو بات صاف ہو گئی، معنی یہ ہوں گے جو روایت میں گزرے کہ ”رسولوں کو گمان ہونے لگا کہ ان کے پیروکاروں نے انہیں جھٹلادیا۔“

لیکن سوال تو یہ ہے کہ دوسری قرأت كُذِّبُوا کی صورت میں کیا ترجمہ کیا جائے؟

تھے ان کا ایمان بھی حقیقت پر مبنی نہیں تھا بلکہ اس میں انبیائے کرام سے جھوٹ بولا گیا تھا۔ وہ لوگ ایمان میں سچے نہ تھے، منافق تھے۔ جب رسولوں کی یہ حالت ہوئی تو اچانک ہماری مدد پہنچ گئی۔

عربیت کے لحاظ سے اس ترجمے کی یہ خوبی ہے کہ ظَنُّوا کی ضمیر اقرب کی طرف ہی راجع ہو رہی ہے۔ فاعل رسول ہی بن رہے ہیں اور معنی بھی درست ہیں اور سب سے بڑا اکمال یہ ہے کہ باوجود کُذِبُوا پڑھنے کے حضرت عائشہ کی تفسیر کے بھی عین مطابق رہتا ہے۔ کُذِبُوا مجہول کا صیغہ ہے، جس کے معنی وہی ہیں جو حضرت شیخ الہندؒ نے کیے ”ان سے جھوٹ کہا گیا تھا۔“ وہ نہیں ہیں جو اعلیٰ حضرت نے کیے ”رسولوں نے ان سے غلط کہا تھا۔“ لیکن اتنی گہرائی تک پہنچنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب اور حضرت رفیع الدین صاحب رحمہم اللہ کے تراجم سامنے رکھ کر ترجمہ کیا ہے اور ان کے الفاظ زیادہ سے زیادہ قایم رکھنے کی کوشش فرمائی ہے۔

اعلیٰ حضرت کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائیں، وہ یہ ہے:

”یہاں تک کہ جب رسولوں کو ظاہری اسباب کی امید نہ رہی اور لوگ سمجھے

کہ رسولوں نے ان سے غلط کہا تھا۔“

یہ بھی غور کیجیے کہ آیت میں ”ظاہری اسباب“ اور ”لوگ“ کے الفاظ ہی موجود نہیں ہیں۔ گویا یہ ترجمہ نہیں تفسیر ہے اور قرأت کُذِبُوا کے مفسرین کی تفسیر سے تو پہلے ہی ہٹے ہوئے تھے۔ اس طرح وہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی تفسیر سے بھی ہٹ گئے ہیں۔ کیوں کہ انہوں نے تفسیر فرمائی ہے کہ رسولوں کو گمان ہونے لگا اور اعلیٰ حضرت نے کہا ہے ”لوگ سمجھے“ گویا اعلیٰ حضرت نے یہ تفسیر بالرائے کی ہے۔

اسی طرح آپ سب لوگوں کے آئندہ بھی تمام اشکالات کا جواب دیا جاسکتا ہے۔ محمد اللہ بہت سے علمائے کرام موجود ہیں، جب توجہ کریں گے تو وہ اس سے بھی

بہتر لکھیں گے (۱)۔

مجددانہ ترجمے میں غلطی:

تقابلی جائزوں میں یہ آیت بھی پیش کی گئی ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (سورہ انبیاء: ۱۰۷)

ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ: ”اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو مہربانی کر کے جہاں کے لوگوں پر۔“

ترجمہ حضرت تھانویؒ: ”آپ کو اور کسی بات کے لیے نہیں بھیجا مگر دنیا جہاں کے لوگوں (یعنی مکلفین) پر مہربانی کرنے کے لیے۔“

آیت مبارکہ میں لفظ رسالت لایا گیا ہے، جس کا تعلق مکلفین سے ہے اور وہ ہیں انسان اور جن۔ آپ کی رحمت سے پہلے نمبر میں کامل طور پر ان ہی دو کو فیض پہنچانا ہے۔ اس لیے ان اکابر نے اس کا لحاظ رکھتے ہوئے بڑی بالغ نظری سے ترجمہ کیا ہے۔ جس سے آیت کا مطلب صاف اور زیادہ واضح ہو گیا ہے جو بریلوی اعلیٰ حضرت کے ترجمے میں نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی کی نظر اس طرف نہیں گئی، اس لیے انہوں نے سادہ ترجمہ کیا:

”اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے“

اعلیٰ حضرت سے مجددانہ ترجمے میں بھی یہ کمی یا غلطی ہو گئی ہے، کیوں کہ بلاشبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ارض و سما اور بحر و بر کے لیے رحمت ہیں اور اعلیٰ حضرت نے ترجمے فقط ”جہان“ کیا ہے۔ حتیٰ کہ حاشیے پر نعیم الدین صاحب مراد آبادی کو اس کی

(۱) محمد اللہ! علمائے دیوبند نے اس باطل اور گستاخ فرقتے کی باتوں کی تردید کا حق ادا کیا ہے۔ شیخ الحدیث امام اہل سنت حضرت الاستاذ مولانا سر فراز خان صفدر نے ”تقدیمین“ اور مفسر قرآن حضرت مولانا سید اخلاق حسین قاسمی نے ”بریلوی ترجمہ قرآن کا علمی تجزیہ“ تحریر فرمایا۔ یہ دونوں کتابیں لا جواب ہیں۔ وابستگان علمائے دیوبند ان کا بھی مطالعہ فرمائیں۔ (شرعی)

لِلزَّكَاةِ فَاعْلَمُونَ (سورہ مؤمنون: ۴۱)

”باتحقیق ان مسلمانوں نے فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور جو لغو باتوں سے پر کنار رہنے والے ہیں اور جو اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں۔“

آپ دیکھیں کہ دوسری آیت نماز کے بارے میں ہے، تیسری آیت میں لغو باتوں سے احتراز کی تعلیم ہے اور چوتھی آیت میں فعل زکوٰۃ کے کلمات آئے ہیں۔ ناقد صاحب کی تحریر سے مفہوم ہوتا ہے کہ نماز اور زکوٰۃ دونوں کی آیتیں متصل ہیں، حالاں کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ درمیان میں ایک اور آیت ہے اور حضرت تھانویؒ نے تفسیر میں ساتھ ہی تحریر فرمادیا ہے کہ یہ آیات مکہ ہیں اور زکات کی فرضیت مدینہ میں ہوئی، اس لیے یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ اب قرآن پاک دیکھ لیجیے۔ سورہ مؤمنون مکہ لکھا ہے اور صدرالافاضل لکھتے ہیں:

”سورہ مؤمنون مکہ ہے، اس میں چھ رکوع اور ایک سو اٹھائیس آیتیں اور ایک ہزار آٹھ سو چالیس کلمے اور چار ہزار آٹھ سو دو حرف ہیں۔“ (خزائن العرفان)

اب آپ ہی بتلایے کہ کون سا ترجمہ غور کر کے لکھا گیا ہے؟ حضرت تھانویؒ والا یا فاضل بریلوی والا؟ فاضل بریلوی نے تور واروی میں یہ ترجمہ لکھ ڈالا: ”اور وہ زکات دینے کا کام کرتے ہیں۔“

مگر حضرت تھانویؒ نے غور کیا کہ یہ آیت نماز کی آیت سے متصل نہیں ہے، بیچ میں ایک اور بھی آیت ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ آیات مکی ہیں، تیسرے یہ کہ زکوٰۃ الزکوٰۃ کے بجائے ہُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعْلَمُونَ فرمایا گیا، لہذا جامع ترجمہ کرنا چاہیے۔ اب بتلایے کون سا ترجمہ سمجھ کر لکھا گیا ہے اور کون سا بے غور کیے اور نیند کے اوقات میں؟

تلافی کرنی پڑی۔

نومی ترجمے کی برابری بیان القرآن سے:

فاضل بریلوی نے علمائے سلف کا دامن چھوڑا تھا اور ان پر الزام تراشی کی تھی تو خدا نے فاضل بریلوی کو ایسی کوتاہیوں میں مبتلا کر دیا۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعْلَمُونَ (سورہ مؤمنون: ۴۱)
ضیائے کنز الایمان میں ہے کہ

”اس آیت سے پہلے نماز کا ذکر ہے۔ وَالَّذِينَ هُمْ لِمَنْ صَلَّاهُمْ خَاشِعُونَ اور قرآن کریم کا اسلوب ہے کہ وہ نماز کے بعد عام طور پر زکات کا ذکر کرتا ہے، اس لیے اس آیت میں زکات کا ترجمہ زکوٰۃ کرنا ہی بہتر ہے، لیکن ہمیں سخت حیرت ہوئی جب ہم نے دیکھا کہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اس آیت میں زکات کا ترجمہ تزکیہ کیا ہے۔“

اس مقام پر پھر صاحب ”ضیا“ نے حضرت مولانا تھانویؒ کا ترجمہ مع تفسیر کے نقل کیا ہے جو نہ چاہیے تھا یا وضاحت کرنی چاہیے تھی۔ انہوں نے ترجمہ کیا ہے: ”اور جو اپنا تزکیہ کرنے والے ہیں۔“

تزکیہ زکات کے معنی میں بھی بحال ہے اور پاکیزگی اعمال و اخلاق بھی اس میں آجاتے ہیں۔ حضرت مولانا تھانویؒ نے ایسا ترجمہ کیا ہے جس میں دونوں آجائیں۔ دوسری بات صاحب ضیا نے یہ لکھی ہے کہ اس آیت سے پہلے وَالَّذِينَ هُمْ لِمَنْ صَلَّاهُمْ خَاشِعُونَ کی آیت ہے۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔

اٹھارہواں پارہ نکالے، اس کے شروع کی آیات اس ترتیب سے ہیں:
قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ

”علم“ کی بجائے ”دیکھنا“ ترجمہ کیا:

أَحْطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجَنَّتْكَ مِنْ سَيِّئَاتِنَا يَقِينُ

(سورہ نمل: ۲۲)

ترجمہ حضرت شیخ الہند: ”میں نے آیا خبر ایک چیز کی کہ تجھ کو اس کی خبر نہ تھی اور آیا ہوں تیرے پاس سب سے ایک خبر لے کر تحقیقی۔“

ترجمہ فاضل بریلوی: ”میں وہ بات دیکھ آیا ہوں جو حضور نے نہ دیکھی اور میں شہر سب سے حضور کے پاس ایک یقینی خبر لایا ہوں۔“

ترجمہ حضرت تھانوی: ”میں ایسی بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں ہوئی۔“

قرآن کریم میں احاطے کا لفظ خبر اور علم کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً: (۱) حضرت خضر نے حضرت موسیٰ علیہما السلام سے کہا:

وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا (سورہ کہف: ۶۱)

”اور اس بات پر کیوں کہ صبر کریں گے جیسے آپ کا علم محیط نہیں۔“

(ترجمہ اعلیٰ حضرت)

(۲) اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا:

وَقَدْ أَحْطَيْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا (سورہ کہف: ۹۱)

”اور جو کچھ اس کے پاس تھا سب کو ہمارا علم محیط ہے۔“ (ترجمہ اعلیٰ

حضرت)

(۳) بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ (سورہ یونس: ۳۹)

”اور جو کچھ اس کے پاس تھا سب کو ہمارا علم محیط ہے۔“ (ترجمہ اعلیٰ

حضرت)

(۴) حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ أَقَالُ كَذَبْتُمْ بِأَيْشِي وَلَمْ تُحِيطُوا

بِهَا عِلْمًا (سورہ نمل: ۸۴)

”یہاں تک کہ جب سب حاضر ہو لیں گے فرمائے گا کیا تم نے میری

آیتیں جھٹلائیں؟ حالاں کہ تمہارا علم ان تک نہ پہنچتا تھا۔“ (ترجمہ اعلیٰ

حضرت)

(۵) وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ (سورہ

بقرہ: ۲۵۵)

”اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے۔“ (ترجمہ اعلیٰ

حضرت)

(۶) وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا (سورہ طلاق: ۱۲)

”اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔“ (ترجمہ اعلیٰ حضرت)

(۷) آج جدید عربی میں محاورہ ہے:

احيط علم سيادتكم

”جناب کو بتلانا چاہتا ہوں۔“

لہذا یہاں بھی احاطے سے مراد خبر اور علم کا احاطہ ہی لینا آیات قرآنی کے زیادہ

مناہج ہے اور محاورات کے بھی۔ اور اس آیت میں تو اگلے جملے میں خود لُحْدُ لُحْدُ نے

نباء یعنی خبر کا لفظ استعمال کیا ہے۔

وَجَنَّتْكَ مِنْ سَيِّئَاتِنَا يَقِينُ (سورہ نمل: ۲۲)

”اور میں شہر سب سے حضور کے پاس ایک یقینی خبر لایا ہوں۔“

(ترجمہ اعلیٰ حضرت بریلویہ)

صدر الافاضل لکھتے ہیں نباء خبر کو کہتے ہیں جو مفید علم ہو اور شاید کذب سے خالی

ہو۔

دیکھیے! حاشیہ آیت مبارکہ: الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ (سورہ

اعراف: ۱۵۷)

اسی طرح عرب ریڈیو والے نشر الانباء بولتے ہیں۔ غرض آیت میں بناء خبر کا لفظ موجود ہے، لہذا پہلے جز احطت بمالم تحط بہ کے ترجمے میں اسی کا لحاظ رکھنا ٹھیک ہوگا نہ کہ اجتہاد کر کے کوئی نئی بات پیدا کرنی، جیسے فاضل بریلوی نے کی۔ انہوں نے احاطے کا ترجمہ علم کے بجائے دیکھنا کیا۔ مقالہ نگار نے عمداً (جان بوجھ کر) آیت آدھی نقل کی تاکہ دوسرے حضرات پر اعتراض کر سکے۔

اب رہا مقالہ نگار کا یہ کہنا کہ انسان کے جاننے کو علم اور جانوروں کے جاننے کو ادراک کہتے ہیں۔ اس بات کا قرآن پاک پابند نہیں ہے۔ یہاں آپ کا کلام الہی کے سامنے اپنی سب باتوں کو چھوڑنا پڑے گا۔ وہ خبر لایا اور خبر بغیر علم کے کیسے ہو سکتی ہے؟ یہی نہیں بلکہ سیدنا حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ السلام نے اسے اگلے کاموں کا حکم دیا۔

قَالَ سَتَنْظُرُ أَصَدَقْتُ أَمْ كُنْتُ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ اذْهَبْ بِكِتَابِي هَذَا فَاَلْقِهِ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ ۝ (سورہ نمل: ۲۸-۲۷)

”سلیمان نے فرمایا: اب ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا یا تو جھوٹوں میں سے ہے؟ میرا یہ فرمان لے جا کر ان پر ڈال، پھر ان سے الگ ہٹ کر دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔“ (ترجمہ اعلیٰ حضرت)

آپ غور کریں تو سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کی گفتگو سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ نے اسے کس درجے سمجھدار اور باخبر قرار دیا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے یہ ترجمہ کیا ہے۔ ”عرض کی: میں وہ بات دیکھ آیا ہوں جو حضور نے نہ دیکھی اور میں شہر سب سے حضور کے پاس ایک یقینی خبر لایا ہوں۔“

”دیکھ آیا ہوں“ اپنی طرف سے بنا دیا ہے، جب کہ آیت کے کلمات کا یہ تقاضا نہیں ہے جیسے کہ ہم نے اوپر بیان کیا۔ اور اگر اعجاز قرآن کے لحاظ سے دیکھا جائے تو

اللہ رضا خان صاحب کے ترجمے کی عربی راایت مالم تر ہے جو احطت بمالم تحط بہ سے مختصر ہے۔ احطت بمالم تحط بہ کے چودہ یا پندرہ حرف ہیں اور ناممکن ہے کہ حق تعالیٰ کے کلام کے حروف بلا وجہ زاید ہوں اور مختصر عبارت کے بجائے لمبی اور بے معنی عبارت لائی جائے۔ اسلاف کرام نے تو ترجمے میں اس کا لحاظ رکھا اور قرآن پاک کے دوسری جگہ استعمال کے مطابق ترجمہ کیا، لیکن خان صاحب کی اگلا تہی بار کی تک نہیں پہنچی اور انہوں نے جلدی میں یہ ترجمہ کر دیا کہ ”میں وہ بات دیکھ آیا ہوں جو حضور نے نہ دیکھی۔“

آپ کے بھی ذہن نشین ہو گیا ہوگا کہ احتیاط اسی میں ہے کہ ترجمہ لفظی ہی ہونا چاہیے نہ کہ اپنی طرف سے بنا کر۔

فَإِنْ يَشَأْ اللَّهُ يُخْهِمَ عَلَىٰ قَلْبِكَ (سورۃ الشوری: ۲۴)

ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہ: ”سو اگر اللہ چاہے مہر کر دے تیرے دل پر۔“

ترجمہ حضرت شیخ الہند: ”سو اگر اللہ چاہے مہر کر دے تیرے دل پر۔“

حضرت شیخ الہند کا ترجمہ درحقیقت حضرت شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہ کا ہی ہے۔ انہوں نے اسے صرف اپنے دور کی زبان کے قریب کیا ہے، جس کے لیے فقط الفاظ آگے پیچھے کرنے ہوتے ہیں مگر بہت سوچ کر، لیکن اس مقام پر انہوں نے کوئی تہدیلی نہیں فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کی مہر جو وہ اپنے نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر لگانے کے لیے فرما رہا ہے کس قسم کی ہوتی؟ اس کے بارے میں قرآن پاک میں وضاحت نہیں فرمائی گئی۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کیا پسند فرماتا۔ اگر اس کے ترجمے میں کوئی لفظ بڑھایا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ پہلے سے آپ کو عطا نہیں ہوئی تھی، جب مہر لگی تو عطا ہوئی۔ تو ایسی چیز کا جب تک قرآن

پاک یا احادیث سے پتانہ چلے اپنی طرف سے قطعی تعین کے ساتھ نام نہیں لیا جاسکتا۔
نیز اکابر امت یہ احتیاط رکھتے تھے کہ قرآنی عبارت میں کوئی لفظ اپنی طرف سے
نہ بڑھایا جائے۔ اس لیے بھی ان اکابر نے صرف مہر کا لفظ استعمال کیا۔
لیکن فاضل بریلوی جنہوں نے لینے لینے ترجمہ لکھوایا تھا نہ اس مقصد کو سمجھے۔
اس بار کی تک ان کی نظر پہنچی۔ اس لیے انہوں نے ترجمہ کیا:

”اور اللہ چاہے تو تمہارے اوپر اپنی رحمت و حفاظت کی مہر فرمائے“

اب اس ترجمے پر غور کریں تو اپنی رحمت و حفاظت کے الفاظ انہوں نے اپنی
طرف سے بڑھائے ہیں۔ گویا قرآن پاک کے معانی میں دخل اندازی کی ہے، جس
سے ایک غیر مسلم معترض یہ مطلب بھی نکال سکتا ہے کہ معاذ اللہ پہلے سے آپ کے
قلب مبارک کو خدا کی رحمت اور اس کی حفاظت حاصل نہ تھی بلکہ آیت کی رو سے بعد
میں بھی حاصل نہیں ہوئی۔ کیوں کہ آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اگر چاہے تو مہر
فرمادے۔ اور انداز کلام ایسا ہے جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ کو تو قدرت ہے، لیکن
اس کی حکمت کا تقاضا تھا کہ اس نے مہر نہیں فرمائی۔

اب اگر خان صاحب کے بیان کے مطابق مہر سے مراد خدا کی رحمت اور
حفاظت لی جائے تو معاذ اللہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اور وحی کی عصمت
ہو جاتی ہے، کیوں کہ قرآن حکیم یا احادیث میں اس مہر کے بعد میں لگنے کا بھی ذکر نہیں
آیا، گویا آپ مہر بغیر ہی رہے، اور خان صاحب کا عقیدہ ایسا ہی لگتا ہے، کیوں کہ
انہوں نے سترھویں پارے کی آیت:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى

الْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ

کی ایسی ہی غلط تفسیر کی ہے (جیسے کہ اس کا بیان ہو چکا ہے)۔ وہ یوں تو حب رسول
علیہ الصلوٰۃ والسلام ظاہر کرتے ہیں، مگر حقیقتاً اپنی ایجادات سے اسلام کی جڑوں

بیش چلاتے رہتے ہیں یا پھر اپنی ایجادات میں اتنے محو ہو جاتے ہیں کہ آگے پیچھے کی
کچھ خبر نہیں رہتی۔

خان جی کے ترجمے کا سائنس سے ٹکراؤ:

يَمْغْشُرُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ
أَفْطَارِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا
بِإِذْنِ (سورہ رحمن: ۳۳)

ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی: ”اے گروہ جن اور انسان کے اگر تم کو یہ
قدرت ہے کہ آسمان اور زمین کی حدود سے باہر نکل جاؤ تو نکلو۔ بدوں
(بغیر) زور کے نہیں نکل سکتے۔“

حضرت تھانوی کا ترجمہ فقط اتنا ہے۔ صاحب ضیائے کنز الایمان نے جو ترجمہ
لکھا ہے وہ مولانا کے ترجمہ قرآن پاک میں نہیں ہے، وہ ان کی تفسیر میں ہے۔ حالاں
کہ تراجم کے تقابلی جائزے میں ترجمے ہی لکھنے چاہئیں اور اگر تفسیر میں سے کوئی چیز
نقل کی جا رہی ہو تو اس کی وضاحت کرنی چاہیے، تاکہ پتا چلے کہ یہ تفسیر کا حصہ ہے،
اور نہ نقل میں خیانت ہوگی۔ لہذا یہ اعتراض من گھڑت ہوا۔ مگر ہم فقط ترجمے کے
بارے میں لکھتے ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے کہ آیت مبارکہ میں آسمان اور زمین دونوں
کی حدود سے نکلنے کو فرمایا گیا ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا اور خطاب انسان اور جن دونوں کو
ہے۔ جنات کا آسمان تک جانا قرآن پاک میں ہے:

وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجدْنَاهَا مُلْتَثَّمَةً بِرِجَالِ مُلَاقٍ حَرَمًا مُبْدِيًا
وَشُهَبًا (سورہ جن: ۸)

”اور یہ کہ ہم نے آسمان کو چھوا تو اسے پایا کہ سخت پیرے اور آگ کی
چنگاریوں سے بھر دیا گیا ہے۔“ (ترجمہ اعلیٰ حضرت)

چاہے جنات حقیقی آسمان تک پہنچے ہوں یا اس جگہ تک پہنچے ہوں جسے جنات

جان سکتا ہے۔ اور آسمان کتنے فاصلہ پر ہے؟ جو ان کو محیط ہے، اس تک پہنچنے کا زور انسان میں نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی زور بخشنے اور اپنے ارادے سے وہ ایک آن میں سارا سفر کرادے، جیسا کہ شب معراج میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوا ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے میں ایسی کوئی بات نہیں جس کا سائنسی ترقی سے ٹکراؤ ہوتا ہو۔ اس کے بالمقابل اعلیٰ حضرت کے ترجمے کا جائزہ لیجیے، انہوں نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے:

”اے جن انسان کے گروہ! اگر تم سے ہو سکے تو آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ۔ جہاں نکل کر جاؤ گے اسی کی سلطنت ہے۔“

اس ترجمے سے بظاہر آسمان و زمین دونوں کے کناروں سے نکلنا ممکن سمجھ میں آتا ہے۔ حالاں کہ آسمان کے کناروں سے نکلنا غیر انبیا کے لیے ممکن نہیں۔ احادیث سے انبیا کے سوا کسی کا آسمانوں کے اوپر جانے کا ثبوت نہیں ملتا۔

قرآن کے الفاظ سمجھنے میں غلطی:

دوسری بات خان صاحب نے اپنی رائے سے یہ کہ سلطان کا ترجمہ سلطنت کیا ہے اور قرآن پاک میں سلطنت کے لیے ملک یا تمکین فی الارض استعمال فرمایا گیا ہے۔

(۱) قُلِ اللّٰهُمَّ مَلِكِ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ

وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ (سورۃ آل عمران: ۲۶)

”یوں عرض کر۔ اے اللہ! ملک کے مالک! تو جسے سلطنت دے اور جس

سے چاہے سلطنت چھین لے۔“ (ترجمہ اعلیٰ حضرت)

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا نقل فرمائی گئی۔

(۲) ”ذَبْ قَدْ اَنْتِنِي مِنَ الْمُلْكِ“ (سورۃ یوسف: ۱۰۱)

”اے میرے رب! بے شک تو نے مجھے ایک سلطنت دی۔“ (ترجمہ اعلیٰ

کے ہاں آسمان کہا جاتا ہو۔ آج کی سائنسی معلومات یہ ہیں کہ زمین کی کشش ثقل سے پرے چلے جانا نہ پہلے بعید تھا نہ اب بعید ہے۔ تو معلوم ہوا کہ فقط زمین کی حدود سے نہ نکل سکتا مراد نہیں ہے اور آسمان کی حدود سے نہ جنات پہلے نکل سکتے تھے نہ اب نکل سکتے ہیں اور انسان کا کشش ثقل اور مدار کی آخری حد تک پہنچنا بھی مشکل سمجھا جاتا تھا، مگر کتابوں میں زیر بحث آتا تھا کہ مثلاً کوئی شخص آسمان کو چھونے کی قسم کھالے تو قسم رہے گی یا نوٹے گی؟ لیکن اس کا ایک حصہ جنات کی طرح انسان سے بھی اس صدی میں وقوع میں آیا ہے اور ایک خاص طاقت اس کے بس میں آگئی ہے۔ گویا قرآن حکیم میں جس زور کے حاصل ہونے پر زمین کی حدود سے باہر نکلنے کے امکان کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ اب عنایت ہو گئی ہے۔ مولانا تھانوی کا ترجمہ یہ ہے:

”تو نکلو بدوں (بغیر) زور کے نہیں نکل سکتے۔“

اس ترجمے اور آج کے سائنسی ترقی میں کیا تعارض ہے؟ بلکہ یہ ترجمہ سائنسی ترقی کی طرف دعوت دے رہا ہے کہ کوئی طاقت خدا نے ایسی بنائی ہے جس کے ذریعے کسی حد تک نکلنا ممکن ہے۔ وہ کون سی طاقت ہے؟ اس کی تلاش کی جائے اور اس طاقت کے حصول کے بعد کتنی کامیابی ہوگی؟ وہ خدائے برتر نے بتلا دی ہے کہ دونوں کی حد سے نہ نکل سکو گے۔

(۲) آسمان و زمین دونوں ہی کی حدود سے نکل جائیں، یہ انسان اور جن دونوں ہی کے بس کی بات نہیں۔ کیوں کہ اگر ایسی سواری بنائی جائے جو روشنی کی رفتار سے چلے تب بھی بظاہر اتنا ممکن نہ ہوگا کہ انسان اپنی گلیکسی کی حد ہی سے پار ہو سکے۔ کیوں کہ روشنی کی رفتار سے اگر سفر کیا جائے تو ہماری گلیکسی کے قریب ترین کنارے تک بھی پہنچنا ناممکن ہوگا۔ کیوں کہ پھر بھی اس سفر کے لیے کئی سو سال درکار ہوں گے، جتنی عمر عموماً نہیں ہوتی۔

یہ تو ہماری گلیکسی کی حد تک ہی پہنچنے کی بات تھی اور گلیکسیوں کی تعداد اللہ تعالیٰ ہی

ہیں۔

شیطان کی بات نقل فرماتے ہوئے ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ قیامت کے دن گم راہ لوگوں سے صاف کہہ دے گا:

۱: وَمَا كَانَ لِي عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ (سورہ صافات)

”میرا تم پر کچھ قابو نہ تھا“ (ترجمہ اعلیٰ حضرت)

دوسری جگہوں پر شیطان کو خطاب کر کے یہ ارشاد ہوا:

۲: إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ (سورہ بنی

اسرائیل: ۶۵)

”بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں“۔ (ترجمہ اعلیٰ

حضرت)

۳: اور آیت کا یہ ترجمہ پ ۱۲ رکوع ۳۶ میں بھی وارد ہوا ہے۔

۴: فَاتَّوْنَا بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ (سورہ ابراہیم: ۱۰)

”اب کوئی روشن سند ہمارے پاس لے آؤ“

۵: وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ

(سورہ ابراہیم: ۱۱)

”اور ہمارا کام نہیں کہ ہم تمہارے پاس کچھ سند لے آئیں مگر اللہ کے حکم

سے“

اہل لغت لکھتے ہیں کہ سلطان سلطنت کے معنی میں نہیں آتا۔ دراصل سلطان

دلیل کو کہتے ہیں اور سلطان بادشاہ کو بھی کہا جاتا ہے۔ کیوں کہ اس کے ذریعے دلائل

اور دعوے عمل میں آتے ہیں اور حقوق دلائے جاتے ہیں۔ تو اعلیٰ حضرت فاضل

بریلوی کا ترجمہ (سلطنت) یہاں خند کے زور میں بغیر غور کیے لکھا گیا ہے اور آپ نے

جو خوبیاں سمجھی ہیں وہ بھی غور کیے بغیر ہیں۔

حضرت)

حضرت داؤد علیہ السلام اور طالوت کے بارے میں مسلسل قریب ہی قریب

متعدد آیات میں یہ جملے آئے ہیں۔

(۳) إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا (سورہ بقرہ: ۲۴۷)

”بے شک اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا“۔

(۴) وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكُهُ مَنْ يَشَاءُ (سورہ بقرہ: ۲۴۷)

”اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے دے“۔

(۵) وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ (سورہ بقرہ: ۲۴۸)

”اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے“۔

(۶) وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَاتَّهَ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْجُكْمَةَ

(سورہ بقرہ: ۲۵۱)

”اور قتل کیا داؤد نے جالوت کو اور اللہ نے اسے سلطنت اور حکومت عطا

فرمائی“۔ (ترجمہ اعلیٰ حضرت)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی:

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي

(سورہ ص: ۳۵)

”اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے

بعد کسی کو لائق نہ ہو“۔ (ترجمہ اعلیٰ حضرت)

غرض بہت جگہ سلطنت کے لیے ملک کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح

کلمے میں بھی پڑھتے ہیں کہ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ اور تلبیہ میں بھی سب حاجی

پڑھتے ہیں إِنَّ الْحَمْدَ وَالْبُغْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ اور سلطان کے لفظ کا استعمال

بھی قرآن پاک میں جگہ جگہ دیکھ لیجیے۔ ہم ترجمہ بھی فاضل بریلوی کا ہی لکھے دیتے

تفسیری ترجمے سے قرآن، قرآن نہیں رہتا:

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ (سورۃ الضحیٰ: ۷)

جب آپ حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے پاس ذرا بڑے ہوئے اور پہلی بار شق صدر کا واقعہ پیش آیا تو وہ پریشان ہوئیں اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس لے کر آئیں۔ والدہ محترمہ نے اپنے پاس رکھ لیا۔

”حلیمہ (۱) ابھی پہنچا کر واپس نہیں ہوئی تھیں کہ آپ باہر نکلے اور راستہ بھول کر کہیں چلے گئے۔ تلاش کیا گیا، آپ نہیں ملے تو سب پریشان ہو گئے۔ اس وقت بوڑھے اور غم زدہ دادا کی بے تابی عجیب تھی۔ اسی بے تابی میں وہ حرم میں پہنچے اور خانہ کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کر دعا کرنے لگے۔ ابن سعد نے اس دعا کے (مناجات) چند شعر نقل کیے ہیں۔

اللّٰهُمَّ اِذَا رَا كُنِي مُحَمَّدًا

اِذَا رَا كُنِي مُحَمَّدًا

اِذَا رَا كُنِي مُحَمَّدًا

اِذَا رَا كُنِي مُحَمَّدًا

اِذَا رَا كُنِي مُحَمَّدًا

ترجمہ: اے اللہ! میرے سوا محمد کو پہنچا دے، اس کو میرے پاس پہنچا دے اور مجھ پر احسان فرما، تو ہی ہے جس نے اسے میرا بازو بنایا ہے، اس کو کبھی بھی گردش زمانہ تباہی میں نہ ڈالے کہ اس پر بربادی آئے، تو ہی ہے جس نے اس کا نام محمد رکھا۔

اسی بے تابی میں تھے کہ تھوڑی دیر میں کسی نے آپ کو پہنچا دیا یا خود پہنچ گئے، تو جناب عبدالمطلب نے گلے لگا لیا، پیشانی کو بوسہ دیا (ابن سعد

(۱) یہ واقعہ تفسیر مظہری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے دیا ہے۔

(ج ۱، ص ۷۰)

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جناب عبدالمطلب کا اونٹ کہیں بھاگ گیا تھا تو انہوں نے پوتے کو تلاش اونٹ کے لیے بھیجا تھا، آپ راستہ بھول گئے۔ جب آپ بہت دیر کے بعد ملے تو جناب عبدالمطلب نے گلے لگایا اور کہا کہ آئندہ کبھی کسی کام کو نہیں بھیجوں گا۔

(سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ص ۱۸۳ بہ حوالہ طبقات ابن

سعد: ج ۱، ص ۷۰)

آپ سورتوں کی ترتیب پر نظر ڈالیں۔ سورۃ الم نشرح، سورۃ الضحیٰ بے تلی ہوئی ہے۔ یہ واقعہ بھی شق صدر کے فوراً بعد کا ہے اور سورۃ الضحیٰ میں بھی انعامات کا ذکر ہے اور سورۃ الم نشرح میں بھی۔ واللہ اعلم

اس تفسیر کے لحاظ سے حضرت شیخ الہندؒ کا لفظی ترجمہ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ”اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سمجھائی“ ٹھیک ہے۔ اور قرآن پاک کے کلمات مبارکہ کی پابندی کے ساتھ ترجمہ بھی ہو گیا۔ یہ واقعہ عام تفاسیر میں نہیں تھا، اس لیے احتیاطاً حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس کی تفسیر میں حاشیے پر یہ مندرجہ بالا تنبیہی نوٹ دے دیا ہے۔

تنبیہ: یہاں ضالاً کے معنی کرتے وقت سورۃ یوسف کی آیت قَالُوا نَااَللّٰهُ اِنَّكَ لَفِي ضَلٰلٍكَ الْقَدِيْمِ کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔
اعظمی صاحب کا خیال ہے کہ قرآن پاک کا لفظی ترجمہ انبیائے کرام کی شان میں مناسب نہیں رہتا، اگرچہ وہ صحیح ہوتا ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

”تمام مترجمین نے قرآنی لفظ کے اعتبار سے براہ راست اردو میں ترجمہ صحیح کیا ہے، مگر اس کے باوجود وہ تراجم کانوں پر گراں ہیں اور اسلامی عقیدے کی رو سے مذہبی عقیدت کو سخت صدمہ پہنچ رہا ہے۔“

وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ (سورہ مؤمن: ۳۳)

”اور جسے اللہ گم راہ کرے اس کا کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔“

حتیٰ کہ انہوں نے خود سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے۔

قُلْ إِنْ ضَلَلْتُ فَإِنَّمَا أَضِلُّ عَلَىٰ نَفْسِي وَإِنِ اهْتَدَيْتُ

فَبِمَا يُوحِي رَبِّي (سورہ سبا: ۵۰)

”تم فرماؤ! اگر میں بہکا تو اپنے ہی برے کو بہکا اور اگر میں نے راہ پائی تو

اس کے سبب جو میرا رب میری طرف وحی فرماتا ہے۔“

خان جی نے نیچری راہ اپنائی:

گویا عبارت میں ضلالت و ہدایت جہاں جمع ہو رہے ہوں وہاں محبت اور از خود رفتگی کے معنی نہیں لیے گئے۔ یہ بات خود فاضل بریلوی کے لکھے ہوئے ترجموں سے آپ کے سامنے آگئی۔ بس یہی باتیں تھیں جو آپ اچھل اچھل کر بیان کرتے اور لکھتے تھے۔ یہی اصول تھا جسے آپ فوقیت دیتے تھے کہ تفسیری ترجمہ اچھا ہے۔ کہاں اچھا ہے؟ بلکہ بہت برا ہے۔ کیوں کہ تفسیری ترجمے سے وہ قرآن نہیں رہتا جو کلام رب العالمین کے حکم میں ہو، بلکہ وہ احمد رضا صاحب کی یا کسی اور کی تصنیف ہوتا ہے۔ خان صاحب اور نعیم الدین صاحب نے اسی بہانے اپنے عقاید قرآن بنانے چاہے ہیں جیسے اور اہل باطل کرتے رہے ہیں اور نیچری بھی یہی کرتے ہیں۔

نوٹ: اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی مناسب ہوگی کہ فاضل بریلوی نے سورہ یوسف اور سورہ غنّی میں دونوں ہی جگہ کے ترجمے میں ”خود رفتہ“ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ جن کا ترجمہ ہے خود گئے ہوئے۔ یہ ان کی فارسی دانی میں غلطی کی مثال ہے۔ کیوں کہ جس معنی میں وہ یہ جملہ لائے ہیں اس کے لیے ”از خود رفتہ“ کہا جاتا ہے نہ کہ خود رفتہ۔

(ص ۹ مقدمہ قرآن مترجم اعلیٰ حضرت)

کانوں کو گرانی سے کہاں تک پہنچائیں گے؟ کیوں کہ اعلیٰ حضرت کے ترجمے میں اور صدر الافاضل کی تفسیر میں بھی یہی کچھ ہے۔ دوسری جگہ انہوں نے حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے بارے میں اسی لفظ کا ”راہ سے بے خبر“ ترجمہ کیا ہے۔

قَالَ فَعَلْتُهَا إِذَا وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ. (سورہ الشعراء: ۲۰)

”موسیٰ نے فرمایا میں نے وہ کلام کیا جب کہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی۔“

(ترجمہ اعلیٰ حضرت)

اب بتائیے! اعلیٰ حضرت کو کون سی مجبوری تھی کہ انہوں نے یہ ترجمہ کیا؟ جب کہ آپ نے ان کے ترجمے کی افضلیت کے لیے باقاعدہ ایک عنوان قائم کیا:

”قرآن پاک کا تفسیری ترجمہ نہ کہ لفظی ترجمہ“

اور اس میں تفسیری ترجمے کی اتنی افضلیت بیان کی کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تک پر تنقید کر ڈالی۔

اس آیت کا ترجمہ فاضل بریلوی نے وہ کیا ہے جس کی طرف حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے تنبیہی نوٹ میں توجہ دلائی ہے۔

”اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔“

لیکن عربیت کے لحاظ سے یہ ترجمہ وہاں کیا جائے گا جہاں فقط ضلال کا لفظ آیا ہو، اس کا مقابل ہدایت کا لفظ ساتھ نہ لایا گیا ہو۔ جیسے سورہ یوسف کی آیت ۹۵ میں ہے۔

وَرَنَّهُ فَاضِلٌ بِرَيْلُوبِي نَزَحِي جَلَّ بَنَكْنِي وَغَيْرُهُ كَا تَرْجَمَ كِيَا هِي۔

تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاءُ وَتَهْدِي مَنْ تَشَاءُ (سورہ اعراف: ۱۵۵)

”تو اس سے بہکاے جسے چاہے اور راہ دکھائے جسے چاہے۔“

مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ (سورہ اعراف: ۱۸۲)

”جسے اللہ گم راہ کرے اس کا کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔“

خاتمہ

فقہ حنفی کا مسئلہ:

یہاں تک فاضل بریلوی کے ترجمے اور تفسیر کے تقابلی جائزوں میں بریلوی عالموں کی ان آیات پر بحث چل رہی تھی جن کے تراجم انہوں نے تحدی کے ساتھ پیش کیے اور دعویٰ کیا ہے کہ فاضل بریلوی کا کیا ہوا تفسیری ترجمہ ہی سب سے بہتر ہے، لوگوں کو یہی پڑھنا چاہیے۔ میں اب آخر میں ایک مسئلے کی طرف توجہ چاہتا ہوں جو عربی فقہ کے ہر طالب علم نے استادوں سے سنا ہوگا کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کسی کو عربی زبان پر قدرت نہ ہو تو وہ نماز میں اپنی زبان میں قرآن پڑھ کر نماز ادا کرے۔ مثلاً کوئی نو مسلم جو عربی عبارت نہیں یاد کر سکتا اسے یاد کرنے کے لیے محنت کرنی پڑے گی۔ زبان الفاظ ادا کرنے سے اور ذہن یاد رکھنے سے قاصر ہے تو وہ نماز چھوڑے رکھے یا پڑھنی شروع کر دے؟ اگر پڑھنی شروع کرے تو کیسے؟ تو اس کے لیے آپ نے یہ فتویٰ دیا کہ وہ اپنی زبان میں آیات قرآنی کا ترجمہ یاد کر کے نماز ادا کرنی شروع کر دے۔ ایسی صورت میں تفسیری ترجمے سے نماز ادا کرے یا لفظی ترجمہ سے؟ تو آپ خود بھی یہی کہیں گے کہ لفظی ترجمہ سے ادا کرے، چاہے وہ کتنا ہی سادہ لگے۔

لہذا اب ایک مسلمان کے لیے جو ترجمہ پڑھنے کا شوق رکھتا ہو، سابقہ اکابر کے ترجمے ہی پڑھنے اور یاد کرنے افضل ہیں۔ کیوں کہ ان میں الفاظ قرآنی قائم رکھنے کی رعایت زیادہ رکھی گئی ہے۔

بریلی کے فتووں کا سنا ہے بہاد
یہ جکتے ہیں اب کوڑی کے تین تین
خدا نے یہ کہہ کر انہیں ڈھیل دی
وَأَمْلَى لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَبِينٌ

جہاں تک الفاظ کے اچھے برے لگنے کا تعلق ہے تو ہو سکتا ہے کہ معاذ اللہ قرآن پاک کے الفاظ بھی آپ کو برے لگنے لگیں اور اس اشکال میں پڑ جائیں کہ خداوند قدوس نے وَمَكْرُؤًا وَّمُكْرًا لِلَّهِ اور پھر وَاللَّهُ خَيْرُ الْمُبَكِّرِينَ کیوں فرمایا؟ یہ جملے ہی آپ کو اچھے نہیں لگیں۔ آپ پڑھتے وقت جب ان آیتوں تک پہنچیں تو طبیعت منقبض ہونے لگے اور تفسیری ترجمے سے بھی تشفی نہ ہو۔ کیوں کہ تفسیری ترجمہ پڑھنے کے بعد بھی عربی میں تو وہی جملے پھر نظر آئیں گے جن سے وہم بیٹھا ہے۔ اس لیے آپ ان بحثوں میں الجھ کر اپنے ایمان کو خطرے میں نہ ڈالیں۔ ایسے تمام کلمات کے بارے میں جو سمجھ سے بالا ہوں جیسے کہ نزول رب تبارک وتعالیٰ کے بارے میں حضرت امام مالک، حضرت سفیان ابن عیینہ اور حضرت عبداللہ ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا ہے۔ امروہا بلا کیف: ان کی کیفیت میں الجھے بغیر جیسے جیسے یہ کلمات قرآن پاک اور احادیث میں آگئے ہیں اسی طرح رہنے دو، انہیں اسی طرح نقل کر دو۔ حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ان حضرات کا قول نقل کر کے فرمایا:

وهكذا قول اهل العلم من اهل السنة والجماعت

”اسی طرح اہل سنت والجماعت کے علما کا ارشاد ہے۔“

اور فرقہ جہمیہ نے ان آیات کی تفسیر و تاویل کی ہے: فتاوت الجہمیہ ہذہ الایات اور انہوں نے اہل علم کی تفسیر کے طریقے سے ہٹ کر تفسیر کی ہے۔ وفسروہا علی غیر ما فسر اهل العلم (ترمذی شریف باب ماجاء فی فضل الصدق: ص ۸۴) اس لیے حضرت شاہ صاحبؒ اور ان کے پیروکاروں نے مکر کا ترجمہ مکر ہی سے کر دیا اور اسی میں احتیاط سمجھی۔ وہ اور طرح کے خیالات میں نہیں پڑے۔ لہذا اس ترجمے کو برا سمجھ کر اس کی اشاعت کرنی، اس کی تحقیر کرنی علما کے لیے جائز نہیں۔ آپ تو اولیائے کرام کے حالات سنتے رہتے ہیں۔ حضرت عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے تو غلبہ وحدۃ الوجود کے وقت فارسی اشعار میں یہ مصرع فرما دیا ہے:

آستیں بود و کشیدی ہچو مکاری آمدی

فرماتے ہیں وہ مجبور بھی نہ تھے، کیوں کہ یہ انہوں نے کسی آیت کا ترجمہ نہیں کیا ہے، ان کے بارے میں آپ اور ہم سب ان کی تعظیم کی وجہ سے کچھ نہیں کہیں گے۔ اس مصرع کی توجیہ کریں گے اور غلبہ حال و وجد پر محمول کر کے چھوڑ دیں گے۔ جب کہ قرآن پاک کے ترجمے میں تو مذکورہ بالا مجبوری مسلک بھی ہے کہ اہل سنت ہونے کا تقاضا یہی ہے کہ کلمات اپنے حال پر باقی رکھے جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر قائم رکھے۔ اور اپنی رضا و فضل سے دنیا و آخرت میں نوازے۔ آمین

حامد میاں غفرلہ

سعودی عرب میں بھی کنز الایمان پر پابندی

نئی دہلی ۲۷ نومبر (جنگ پوسٹ) سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، قطر، کویت، بحرین اور دیگر عرب ممالک کے بعد اب سعودیہ نے بھی اپنے ملک میں حضرت احمد رضا بریلوی کی تفسیر قرآن "کنز الایمان" پر پابندی لگا دی ہے۔ بھارتی جریہ کے مطابق ان ممالک میں نہ کوئی شخص کنز الایمان باہر سے منگوا سکتا ہے اور نہ ہی مطالعہ کے لیے اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔

سعودی عرب میں بھی "کنز الایمان" پر پابندی
"جنگ" اخبار کا تراشہ

UNITED ARAB EMIRATES

Ministry of Islamic Affairs & Charitable Works

1st Floor 827284

P.O. Box 3273

Abu Dhabi



دولة الامارات العربية المتحدة
وزارة الشؤون الإسلامية والأوقاف
طبر ۸۲۷۲۰۰

ص ب ۳۲۷۳

أبو ظبي

بسم الله الرحمن الرحيم

نواحق ۳۰۸۲ - ۴۶

مجمعہ عرب امارات کی وزارت قانون، اور سعودیہ اور اوقاف کی جانب سے
آمدنیہ جہ اور واعظین کے نام ایک سرکردہ

وزارت قانون و امور اسلامیہ اور اوقاف کی خطا یہ براہ راست امور میں تمام واعظین کرام
اور خطباء سے اس جہ سے اپیل کرتی ہے کہ وہ بروز جمعہ شہادت ۲ جمادی الثانیہ ۱۴۳۷ھ
خطبات ۲۶ مارچ ۱۴۳۷ھ اپنے مساجد کے خطبوں میں نصابی جہاد کے موضوع پر قرآن مجید
کے اس آئینہ پر ترجمہ (متاخر کردہ تاج کفنی لیٹڈ لاہور) کی طرف مبذول کرائیں جو
احمد رضا خاں مرجوی نے کیا ہے، اور اس کے حاشیہ پر محمد نعیم الدین مرآبادی کی
آمد و تفسیر بھی ہے۔ قرآن کریم کے پس پس میں دھانسنے ختم قرآن اور سورہ نوری کی غیبت
شامل نہیں۔ بن خطبہ و ترجموں کے ساتھ ساتھ یہ ترجمہ مشرک و بدعت اور باطل افکار و
خیالات جسے بنیادی غلطیوں سے جڑا ہوا ہے۔ مثلاً دنیا نے کرام اور اولیائے مقام سے وعدہ چلایا
ان کی منت مانتا، ان کے عالم فیض پرست کا عقیدہ رکھتا، ان کی قبروں پر سکنا، چڑھانا اور ان کے
یوم ولادت کا جشن منانا وغیرہ وغیرہ۔ مزید برآں رابطہ عالم اسلام کا سرٹیفکٹ تمام مسلمانان
عالم کی توجہ ان غرافات و مشرک و بدعت اور بنیاد امور کی خطرناک برائے کثرت مبذول کروا
چاہتا ہے۔ جن پر یہ ترجمہ قرآن مشتمل ہے، اور تمام مسلمانوں سے یہ امید کرنا چاہئے کہ وہ اس
ترجمہ کے تمام نکتوں کو تلفظاً و کریم ناکہ کلام الہی پر مروج کی طرف سے پاک و محفوظ رکھیں۔

محمد محمد عبداللہ الفوزی

سید محمد سعید کی توجہ سے

ایسٹ انڈسٹریل ایریا اور ساجد

عرب امارات

مجمعہ عرب امارات کی وزارت عدلیہ و الشؤون الاسلامیہ کی طرف سے "کنز الایمان" پر پابندی کے حکم نامے کا عکس

فاضل بریلوی کے

فقیہ تمام کی حقیقت

از

شیخ الحدیث حضرت مولانا سید مدد مایاں صاحب
جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان کا بدعتوں کے ایک مشہور مولوی سے مناظرہ
ہوا۔ مولانا نے اپنے دعوے کی تائید میں حدیث پڑھنے کے لیے جب یوں کہا:
قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم
تو بدعتی مولوی نے ایک دم شور مچانا شروع کر دیا۔ کہنے لگا: لوگو! حد ہو گئی، یہ وہابی مولوی
حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو کالا کالا (قال قال) کہہ رہا ہے۔
جاہل عوام بھی اس کے ہم نوا ہو گئے اور مجلس مناظرہ درہم برہم ہو گئی۔
(ہتے ہتاتے واقعات: ص ۱۰۱)

یہ ہے بریلویت کی جہالت۔

تمہید

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَيْرِ
خَلْقِهِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ.
أَمَّا بَعْدُ.

فاضل بریلوی کی شخصیت:

فاضل بریلوی کی شخصیت کتنی عظیم تھی؟ اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ
ان کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد ان کے ایک خلیفہ ظفر الدین صاحب نے ”حیات
المی حضرت“ کے نام سے ایک کتاب لکھی اور آج تک اس کی صرف جلد اول ہی طبع
ہوئی ہے۔ دوسری کتاب یہ نام ”وصایا شریف“ طبع ہوئی تھی۔ اس میں حالات بہت
مختصر تھے۔ مگر ایک جملہ ایسا لا جواب تھا کہ ہر مسلمان۔ بریلوی ہو یا دیوبندی! کہتے
میں آگیا تھا۔

”(فاضل بریلوی کے) زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ میں نے بعض مشائخ
کرام کو یہ کہتے سنا ہے کہ ان کو دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی
زیارت کا شوق کم ہو گیا“ (وصایا شریف: ص ۲۴)

ایسا شخص جسے دیکھنے والے کے دل سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی
زیارت کا شوق مٹ جائے آپ ہی بتلائیں کہ وہ کون ہو سکتا ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ
إِلَّا بِاللَّهِ!

مولوی حسرت علی پبلی بھٹی کا مناظرہ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی (رحمۃ اللہ علیہ)
سے ہوا۔ اس بریلوی مولوی نے اپنا تعارف کچھ کرایا:
”میں سب بارگاہِ رضوی ہوں۔“

امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ برابر میں بیٹھے ہوئے تھے، فرمانے
لگے:

”ہم نے بھی کتے کے لیے کچلہ لکھنؤ سے منگو لیا ہے۔“

(علمی معرکے اور مجلسی لطیفے: ص ۳-۵۲)

ف: کچلہ ایک زہر ہے جو کتوں کو کھلا کر مارا جاتا ہے۔ حضرت مولانا نعمانی بریلویوں
کے لیے زہر تھے اور لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ بریلوی ان سے بھاگتے تھے۔ شاہ جی
نے اس کی طرف اشارہ فرمایا۔

اٹھ صدی کا زمانہ بنتا ہے سکون سے گزرا، پھر یکا یک پچاس کے قریب رسائل، رسالوں کے نمبر، پمفلٹ اور کتابچے شائع ہونے شروع ہو گئے (۱)۔ اس کے بعد سے ان ہی رسائل سے جعلی تاریخ تیار کی جا رہی ہے۔ مثلاً کوئی مضمون کسی پرچے میں دیدیا جاتا ہے اور کچھ روز بعد جو دوسرا مضمون لکھا جاتا ہے اس میں اس کا حوالہ دے دیا جاتا ہے۔ بس گویا باحوالہ اور مصدقہ بات ہو گئی۔

اسی دور سے ان سب رسائل کو پھر سے اچھالا جانے لگا جن سے مسلمانوں میں تفریق و انتشار پیدا ہوا۔ آخر اس اختلاف کی تباہ کاری سامنے آئی اور ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں بریلوی علما خود بھی کامیاب نہیں ہوئے اور پوری کوشش کرتے رہے کہ کوئی دیوبندی عالم بھی کامیاب نہ ہونے پائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ معدودے چند کے علاوہ سب علما اور ان کے عقیدت مند الیکشن ہار گئے اور ”روٹی، کپڑے اور مکان والے“ جنہوں نے ۳۶ فی صد ووٹ لیے تھے کامیاب ہو گئے۔

دیوبندیت:

دیوبند ایک قصبے کا نام ہے، وہاں بہت بڑی مذہبی یونیورسٹی ہے، جس میں حنفی فقہ اور عقاید کی تعلیم ہوتی ہے۔ جو مسلمان فقہ حنفی کو مانتا ہو، حنفی عقاید پر قائم ہو، بدعات سے بچتا ہو بس وہ دیوبندی ہے۔ چاہے اس نے دیوبند میں پڑھا ہو یا سہارن پور میں یا کہیں اور بریلی وغیرہ میں۔

اور جو احمد رضا صاحب کی مذہبی ایجادات کو مانتا ہو وہ بریلوی ہے، چاہے اس نے بانس بریلی میں پڑھا ہو یا کہیں اور۔ بس اتنا سا فرق سارے اختلاف کا خلاصہ ہے۔ اس لیے جب بریلوی بھائی چاہتے ہیں بات کا بنگلہ بنا کر فساد کھڑا کر دیتے ہیں۔ وہ حنفی فقہ یا عقاید کی بات نہیں ہوتی، احمد رضا خان صاحب کی ہوتی ہے۔ ویسے

(۱) جیسے ان کتابوں کا تفصیلی نقشہ انوار رضا ص ۳۳۹-۳۴۲ مطبوعہ شرکت حنفیہ لمینڈ، منج بخش روڈ، لاہور۔

غرض کسی کو بڑھانے کی بھی حد ہوتی ہے۔ دیکھیے! وہ صحابی جن کا درجہ علم کے اعتبار سے امت میں خلفائے اربعہ علیہم الرضوان کے بعد پانچواں قرار دیا گیا ہے یعنی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ... وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(أُولَئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ) اخْتَارَهُمُ اللَّهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ
”اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کے لیے چنا تھا۔“

یعنی صحابی تو وہ ہستی ہوتی تھی جسے اللہ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کے لیے پسند کیا۔ احمد رضا خان جو بانس (۱) بریلی میں تیرہویں صدی میں پیدا ہوئے، انہیں صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا نسبت؟ لیکن پھر بھی ان کے بارے میں یہ الفاظ خاص ان کے اہل خانہ نے لکھ دیے۔ مگر سب سنی بھائیوں نے انہیں ناپسند کیا تو بعد کے نسخوں میں انہیں بدلنا پڑا اور بغیر اعلان رجوع کیے چپکے سے یہ تبدیلی کر دی گئی۔ گویا حال بازار میں یہ قدیم نسخہ بھی دستیاب ہے۔

بریلوی علما جو اس فتنہ و فساد کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں بہت ہی کم تعداد میں ہیں۔ وہ بہ ظاہر حنفی اور اہل سنت بنے ہوئے ہیں اور حقیقت میں وہ فقط احمد رضا خان صاحب کے مقلد اور پیروکار ہیں۔ غرض ان کے انتقال پر تو یہی دو کتابیں لکھی گئی ہیں۔ باقی کتابیں ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء سے لکھی جانی شروع ہوئیں اور اب آکر یہ کتابیں رسالوں کے نمبر اور ایام رضا کے مضامین ایک شکل اختیار کرتے چلے گئے، جن کی تعداد پچاس کے قریب لکھی گئی ہے۔

ان کی وفات ۱۹۲۱ء میں ہوئی۔ ۱۹۶۱ء تک چالیس سال کا طویل دور جو تقریباً

(۱) فاضل بریلوی جس جگہ کے رہنے والے تھے وہ بانس بریلوی کہلاتی ہے اور حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ جہاں کے رہنے والے تھے وہ رائے بریلی کہلاتی ہے۔ (حامد میاں)

بھی ہر فساد میں آگے آگے رہتے ہیں۔

ماضی قریب میں اسلام کے لیے نہایت نازک موقع پر بریلوی طبقے کے بااثر لیڈر نورانی صاحب قومی اتحاد سے الگ ہوئے (۱)۔ وہ کہتے تھے کہ قومی اتحاد کی میٹنگ میں جو بھی فیصلہ ہوگا وہ اتفاق رائے سے ہوگا۔ دوسرے حضرات کہتے تھے کہ فیصلے کثرت رائے سے ہوا کرتے ہیں۔ بس اس نکتے پر جتنا اختلاف بڑھا وہ آپ کے سامنے ہے۔

سیکڑوں شاہد (گواہ) موجود ہیں اور نورانی صاحب کا دل جانتا ہے کہ وہ مفتی محمود صاحب کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے ہیں (۲)، مگر بعد میں انہوں نے ان کے پیچھے نماز چھوڑ دی۔ امام حرم محترم کے بارے میں جنہیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد مطہرہ کے امام ہونے کا شرف حاصل ہے کہا کہ ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ بھلا بتائیے تو کسی کیوں نہیں ہوتی؟ سرکارِ مدینہ تو اسے اپنے مصلے پر کھڑا کریں اور آپ کہیں کہ ان کے پیچھے ہماری نماز نہ ہوگی۔ اگر وہ ایسے ہی خراب تھے تو مدینہ پاک میں کیسے جم سکے؟ سرکار فرماتے ہیں:

المدينة كالکبر تنقى خبثها وتنصع طيبها

(بخاری: ج ۱ ص ۲۳۱)

”مدینہ منورہ بھٹی کی طرح ہے کہ وہ خراب چیز (یا جھوٹ) کو الگ کر دیتی ہے اور عمدہ کو خالص کر دیتی ہے۔“

(۱) ۱۹۷۷ء کے انکیشن کے موقع پر پاکستان قومی اتحاد وجود میں آیا تھا۔ اس میں جمعیت علمائے پاکستان بھی شامل تھی۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں جب اتحاد کی جماعتوں میں پھوٹ پڑی تو نورانی بھی الگ ہو گئے۔ اس کی طرف اشارہ ہے۔ (طیب)

(۲) نورانی بڑے فخر یہ انداز میں کہا کرتے تھے کہ میں نے کبھی بد مذہب کے پیچھے نماز نہیں پڑھی، اس میں احمد حرمین اور دیوبندی علماء شامل ہیں۔ لیکن جب ایسا گئے تو کرنل قذافی جو نکر حدیث اور داعیِ منڈا ہے اس کی اقتدا میں نماز پڑھ لی۔ تصویر یہ طور سند کے شامل کتاب ہے۔ (طیب)

یہ حبلی امام ساٹھ سال سے ائمہ مسجد نبوی چلے آرہے ہیں۔ ہر دن ان کی نماز و تلاوت خود سرکار سنتے ہیں۔ ان کے پیچھے آپ کے نماز نہ پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ سے مسجد نبوی میں جماعت و نماز کی توفیق سلب کر لی گئی ہے۔ والعیاذ باللہ! بریلوی حضرات کے اس طبقے نے دیوبندی بریلوی اختلافات کو پھر ہوا دینی شروع کی۔ جگہ جگہ مساجد کی بے حرمتی ہونا شروع ہو گئی۔ یہ عبادت گاہیں اکھاڑے بننے لگیں۔ یہ اسی قسم کے آثار ہیں جن کے نتائج ہم پہلے ۱۹۷۰ء میں دیکھ چکے ہیں اور یہ حرکات کسی خفیہ طاقت کے اشارے پر کی جایا کرتی ہیں۔

بریلوی اور قادیانی:

پاکستان کے شیعہ اور قادیانیوں کی ہمدردیاں بھی نورانی صاحب کے ساتھ ہیں۔ نورانی صاحب (اور ان کے ہم نواؤں) کے پیچھے چلنے والے مخلص مسلمانوں سے ہماری التجا ہے کہ وہ یہ غور حالات کا مطالعہ کرتے رہیں اور اپنے لیڈر کو اپنے لیے نہیں بلکہ خدا کی خوش نودی کے لیے صحیح راہ پر لگائیں۔ یہ فتنہ و فساد کے لیے کسی کے آگے کار نہ بننے پائیں۔ جناب عبدالستار صاحب نیازی فرماتے ہیں کہ ہمیں قادیانیوں کی طرف سے ایک کروڑ روپے کی پیش کش کی گئی تھی وہ ہم نے مسترد کر دی (۱)، یعنی انہوں نے اپنے تعلق کا اقرار کیا ہے۔ جس میں ایسی پیش کش کی قادیانی لوگ ہمت کریں اب یہ کہ قبول کی یا نہیں کی ان کے ساتھیوں کا فرض ہے کہ وہ اس کا پتالگا لگائیں۔

اس کتاب کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

پیش نظر مضمون بریلوی حضرات کی ایک کتاب ”اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام“ پر

(۱) حالانکہ عبدالستار نیازی ختم نبوت کی تحریک میں شامل رہے۔ اس پیش کش سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو قادیانیوں کی طرف سے باقاعدہ فتنہ اس بات کا مہیا ہے کہ تم ہمارے خلاف آواز اٹھاؤ۔ جیسے بعض جماعتیں امریکا سے فتنہ لے کر اس کے خلاف احتجاجات کرتی ہیں۔ (شریفی)

تبصرہ ہے۔ ہمیں اس بحث میں الجھنے کی ضرورت نہ تھی، نہ ہی اس مضمون کا شوق تھا جو اس سے پہلے بریلوی کے ترجمہ اور صدر الافاضل کی تفسیر پر لکھا ہے (۱)، لیکن ہوا یہ کہ ان کی تفسیر اور فقہیت پر جو مضامین لکھے گئے ان میں اکابر ہند حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور بعد کے اکابر مثلاً قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کے نام لے لے کر تنقید کی گئی ہے۔ اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ مختصر انداز میں ہر دو موضوعات پر کچھ لکھ دیا جائے۔

جیسے فاضل بریلوی کی تفسیر کے بارے میں بلند بانگ دعوے تھے، حالاں کہ اس میں شرم ناک تفسیری غلطیاں ہیں۔ اسی طرح ان کی فقہیت کا ڈنکا بجانے کی کوشش کی گئی ہے۔ انہیں ”مجدد ملتِ حاضرہ“، ”امام اور مجتہد“ لکھا گیا ہے اور دوسروں پر خوب خوب زبان درازی کی گئی ہے۔ اس لیے اس موضوع پر بھی بہ قدر ضرورت لکھنا لازمی ہو گیا۔ اگر کوئی اپنے کسی بڑے کی تعریف کرتا تو ہم اسے منع تھوڑا ہی کرتے، لیکن یہ کہ اپنے بڑے کی تعریف کے ساتھ دوسروں کے بڑوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اس لیے ہم ان کے مبلغ علم کی ناپ تول کر رہے ہیں جو تفسیر کے سلسلے میں تو آپ کے سامنے آچکا ہے اور فقہ کے سلسلے میں آنے والا ہے۔

ان مبالغہ کرنے والے عقیدت مندوں نے ۱۹۲۲ء کے قریب تو انہیں صحابیوں کا درجہ دیا تھا۔ جیسا کہ شروع میں باحوالہ درج ہوا اور اب کم از کم ”اس صدی کا مجدد“ اور گزشتہ کئی صدیوں کا سب سے بڑا مفسر اور کئی صدی کا سب سے بڑا فقیہ جو مجتہدانہ شان رکھتا ہو، ثابت کرنا چاہتے ہیں اور انہیں امام لکھتے ہیں اور باقی سب ہندوستان بھر کے صدیوں پیچھے تک کے سارے ہی علما کو ان کے سامنے ہیج ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے اس رسالے میں اپنے ”امام فاضل بریلوی“ کے بہت ہی اعلیٰ اور مایہ ناز مسائل چن کر نمونے کے لیے سامنے رکھے ہیں، جنہیں دیکھ کر

(۱) مذکورہ مقالہ زیر نظر کتاب کے شروع میں موجود ہے۔ (ناشر)

ہمارا ان سے رہا سہا فقہیت اور فتوے کی استعداد کا گمان جاتا رہا۔
اس مقالے کا تعارف:

اس مضمون میں آپ پہلے تو ان مایہ ناز فتووں کا تماشہ دیکھیں، پھر اعلیٰ حضرت کے دیوبند سے اختلاف کی وجہ کا بھی مطالعہ کیجیے۔ آخر میں یہ بھی دیکھیے کہ بریلوی اختلاف ہے ہی کتنے مسائل میں اور اس کی کتنی گہرائی ہے؟ اور یہ دونوں سنی حنفی گروہ کیا سچ مچ ایک دوسرے سے دور ہیں یا یہ سب اختلافات انگریزی سیاست کی پیداوار ہیں؟ حقیقت بہت تھوڑی سی ہے جسے بے حد بڑھا رکھا ہے۔ حتیٰ کہ اس کی وجہ سے فساد تک کی نوبت آ جاتی ہے۔

علمائے دیوبند سے کچھ علما حسد رکھتے ہیں۔ اس کی وجہ تاریخی واقعات ہیں۔ کیوں کہ ان ثابت شدہ واقعات سے حسد پیدا ہوا اور حاسدین کو انگریزوں کی سرپرستی حاصل رہی۔

اہل سنت حنفی مسلمانوں کو اپنے دوسرے بھائیوں کی جواہل سنت حنفی مسلمان ہی ہیں تاریخ پر حنفی چاہیے تاکہ انہیں صحیح معلومات حاصل ہوں اور خواہ مخواہ کی دلی برائی کے گناہ سے نجات ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

”اے پیارے! رتم سے یہ ہو سکتا کہ تمہاری صبح و شام ایسی حالت میں گزرے کہ تمہارا دل میں کسی کی طرف سے کھوت نہ ہو تو ضرور ایسا کرو۔“

پھر ارشاد فرمایا:

(۱) يَا سَنِي وَذَلِكَ مِنْ سُنَّتِي وَمَنْ أَحَبَّ سُنَّتِي فَقَدْ

أَحَبَّنِي وَمَنْ أَحَبَّنِي كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ.

(مشکوٰۃ شریف، ص ۳۰، حوالہ ترمذی شریف)

کہ آپ اسے مکمل پڑھیں گے، تاکہ آپ کے سامنے اختلاف کی پوری حقیقت آجائے۔ واللہ المستعان

حامد میاں غفرلہ

حامد میاں غفرلہ

”اے بیٹا! یہ میرا طریقہ ہے (سنت) اور جو میری سنت کو محبوب رکھتا ہے وہ مجھے محبوب رکھتا ہے اور جو مجھے محبوب رکھتا ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔“

(۲) عن عبد الله بن عمرو قال قيل لرسول الله صلى الله عليه وسلم أى الناس أفضل قال كل مخموم القلب صدوق اللسان قالوا صدوق اللسان نعرفه فما مخموم القلب قال هو النقي الثقي لا اثم عليه ولا بغى ولا غل ولا حسد.

(رواه ابن ماجه الطبراني في شعب الایمان مشکوٰۃ ص ۴۴۵)

”حضرت عبد اللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کون سا آدمی سب سے اچھا (افضل) ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ہر مخموم القلب شخص جس کی زبان سچی ہو۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ سچی زبان والے کا مطلب تو ہم سمجھ گئے۔ مخموم القلب سے کیا مراد ہے؟ ارشاد فرمایا وہ پاکیزہ متقی شخص کہ جس کے اوپر (کسی کا) گناہ نہ ہو، نہ فسق و فجور ہو، نہ کسی کی طرف سے اس کے دل میں کھوت ہو نہ حسد ہو۔ (وہ مخموم القلب ہے)۔“

(۳) ومن استطاع ان لا يخلو بينه وبين الجنة ملا كف من دم اوراقه فليفعل. (رواه البخاري مشکوٰۃ ص ۴۵۵)

”اور جو یہ کر سکے کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک منہی بھر بھی خون نہ حائل ہو تو اسے ضرور ایسا کرنا چاہیے۔“

منہی بھر خون جھگڑوں میں نکل جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپس میں مسلمان بالکل نہ جھگڑیں، نہ کم نہ زیادہ۔

اس تمہیدی کلمات کے بعد ہم اصل مضمون شروع کرتے ہیں اور توقع رکھتے ہیں

باب (۱)

اقسام احکام شرعیہ کے متعلق فاضل بریلوی کی غلط بیانی

فقہی مقام میں ”رنگ اجتہاد“ کے زیر عنوان لکھا ہے کہ عام طور پر کتب اصول میں احکام شرعیہ کی سات قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔ فرض، واجب، مستحب، مباح، حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی۔ لیکن اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے احکام کی گیارہ قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ پھر ان قسموں کا بیان ہے کہ فرض، واجب، سنت مؤکدہ، سنت غیر مؤکدہ، مستحب، مباح، حرام، مکروہ تحریمی، اساءت، مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ، یہ گیارہ چیزیں گنائی گئی ہیں اور ان کی تعریفات ذکر کی گئی ہیں۔ لکھا ہے کہ یہ وہ تقسیم ہے جس کے بارے میں خود اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ تقریر منیر کو حفظ کر لیجیے کہ ان سطور کے غیر میں نہ ملے گی اور ہزار ہا مسائل میں کام دے گی اور صد ہا عقدوں کو حل کرے گی۔ کلمات اس کے موافق، مخالف سب طرح کے ملیں گے۔ مگر بجز اللہ تعالیٰ حق اس سے متجاوز نہیں۔ فقیر طمع رکھتا ہے کہ اگر حضور سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور یہ تقریر عرض کی جاتی ضرور ارشاد فرماتے کہ یہ عطر مذہب و طراز مذہب ہے۔“ انتہی کلامہ الشریف ماخوذ از فتاویٰ رضویہ: ج ۱، ص ۱۷۳ تا ۱۷۵

(اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام: ص ۱۲۱)

ہم نے یہ ساری تعریفیں پڑھیں۔ بہ ظاہر آپ کے لکھنے کا مقصد یہ لگتا ہے کہ یہ

ایک مرتبہ مولانا محمد امین صفدر کاڑوٹی لاری اڈے پر سوار ہونے کے لیے بیٹھے تھے تو چند بریلویوں نے دیکھا کہ یہ دیوبندی عالم ہیں، تو بار بار ان کے سامنے سے گزرتے اور پڑھتے الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ (جس طرح اکثر اہل بدعت اہل سنت کو دیکھ کر یا رسول اللہ کہنا شروع کر دیتے ہیں) تو تین چار مرتبہ جب انہوں نے ایسا کیا تو مولانا نے فرمایا کہ میں تو رسول اللہ نہیں ہوں، آپ لوگوں کو دھوکا ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو مدینہ منورہ میں ہیں۔ تو وہ رسوا ہو کر دوبارہ نہیں آئے۔ اس لطیفے سے مولانا کی علمی شان اور حاضر جوابی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(علمی مجالس: ص ۲۱۲)

علمی باتیں کسی اور نے نہیں لکھیں، یہ فقط اعلیٰ حضرت کا کمال ہے، لیکن ایسا نہیں ہے۔
دیکھیے ”شامی“ میں مستقل عنوان کے تحت اساءت اور کراہت کی بحث دی گئی ہے۔

مطلب فی قولہم الاسانۃ دون الکراہۃ۔

(شامی، ج ۱، ص ۴۷۳)

علامہ شامی نے اس بحث میں سنت مؤکدہ، سنن بدی اور سنن زوائد یعنی سنت غیر مؤکدہ اور مستحب کا ذکر بھی کیا ہے اور کراہت تحریمی، اساءت اور کراہت تنزیہی کا بھی۔ اساءت کی تشریح میں انہوں نے یہ بھی کہا ہے: یہ وہ عمل ہے کہ جس کے کرنے والے کو گم راہ کہا جائے گا اور ملامت کی جائے گی۔ غرض اس تفصیلی بحث میں یہ تمام اقسام احکام اور اقوال ائمہ درج ہیں۔ اب رہی اولیٰ کی بات تو یہ بھی شامی میں ایک مستقل عنوان کے تحت ذکر کی گئی ہے۔

مطلب اذا تردد الحکم بین سنة وبدعة کان ترک

السنة اولیٰ (شامی، ج ۱، ص ۶۴۲)

”جب کسی حکم کے سنت و بدعت ہونے میں تردد ہو تو سنت کو ترک کر دینا اولیٰ ہے۔“

شامی ہی میں اس سے اگلے صفحے پر ایک مسئلے کے ذیل میں تحریر ہے:

او اراد بالمباح مالیس بمخطور شرعا وخلاف

الاولیٰ غیر مخطور۔ (شامی، ج ۱، ص ۶۴۳)

”یا مباح سے مراد ہے کہ جو شرعاً منع نہ ہو اور خلاف اولیٰ ممنوع نہیں ہوتا۔“

غرض یہ گیارہ کی گیارہ قسمیں کتب فتاویٰ میں لکھی ہوئی چلی آرہی ہیں، بلکہ صرف شامی ہی میں موجود ہیں۔ فاضل بریلوی کو آپ اتنی سی بات پر مجتہد کا درجہ دینا چاہتے ہیں کہ انہوں نے ان اقسام کو نقل کر دیا ہے اور اس سے زیادہ تعجب کی بات

ہے کہ فاضل بریلوی بھی خود اس پر ناز فرما رہے ہیں۔

اقسام احکام شرعیہ کی تعریفات میں کمی:

اب آپ اپنی لکھی ہوئی تعریفات کی کمی پر بھی غور فرمائیں۔ سنت مؤکدہ کی تعریف میں جو الفاظ آرہے ہیں وہی سنت غیر مؤکدہ کی تعریف میں بھی آرہے ہیں۔ آپ حضرات نے لکھا ہے:

سنت مؤکدہ: اس کا عادتاً ترک کرنا موجب استحقاق عذاب ہو اور نادراً ترک کرنا موجب استحقاق عتاب، خواہ یہ ترک عادتاً ہو یا نادراً۔

سنت غیر مؤکدہ: جس کا ترک کرنا موجب استحقاق عتاب ہو، خواہ یہ ترک عادتاً ہو یا نادراً۔

اول تو سنت مؤکدہ کی تعریف کی عبارت ہی اصلاح طلب ہے۔ وہاں بھی یہی الفاظ آرہے ہیں ”خواہ یہ ترک عادتاً ہو یا نادراً“۔ دوسرے یہ کہ جب سنت غیر مؤکدہ کا عادتاً ترک کرنا موجب استحقاق عتاب ہو اور سنت مؤکدہ کا بھی عادتاً ترک کرنا موجب استحقاق عتاب ہو تو دونوں میں فرق کیا رہا؟ سنت غیر مؤکدہ کا عادتاً تارک بن جانا اور جب خود موجب استحقاق عذاب بن جائے گا اور دونوں کی تعریف ایک ہو جائے گی۔

فاضل بریلوی کے فتاویٰ کی حقیقت:

آپ نے پُر زور الفاظ میں تحریر فرمایا ہے

”یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی فقہیت اجتہادی شان کی حامل تھی اور جس شخص نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی فقہی تحقیقات کا بغیر مطالعہ کیا ہے اس سے یہ کوئی نظری مسئلہ نہیں ہے۔ ہم آپ کے سامنے ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں، جن سے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی فقہیائے عظمت کا اندازہ ہوتا ہے گا اور قلوب سے روشنی طریتے پر ثابت ہو جائے گا کہ اعلیٰ حضرت فقہ

اگر کسی کو اس قسم کا زکام ہو کہ ناک سے بے اختیار خراش کا پانی بہتا ہو تو اس کا ناک کی ریش کا اور حکم ہوگا۔ علامہ طحطاویؒ نے اسی صورت کا حکم بیان فرمایا ہے۔

بعض دفعہ مریض کو بے حد چھینکیں آتی ہیں اور ناک میں زخم ہو جاتے ہیں اور مسلسل ریش بہتی رہتی ہے، اسے نماز پڑھنی بھی مشکل ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اعلیٰ حضرت کے مداح پیر و کار کیا مسئلہ بتلائیں گے؟ ظاہر ہے وہ بھی یہی کہیں گے کہ یہ نفس اس وقت ایسا ہے کہ اسے ناک کی ریش کے لیے الگ کپڑا رکھنا چاہیے۔ فاضل بریلوی اگر اس مسئلے پر غور فرماتے تو سید طحطاویؒ کی بات صحیح قرار دیتے اور اگر آپ غور فرماتے تو سمجھ سکتے تھے کہ فاضل بریلوی اور سید طحطاویؒ کے تقابل کی بات ہی بے کار ہے۔ زکام کی جو صورت ہم نے لکھی ہے وہ خود فاضل بریلوی کی اس عبارت کے تحت آ جاتی ہے اور درست قرار پاتی ہے

”بالجملہ مجرور طوبت کی مرض سے سائل ہو مطلقاً فی نفسہا برگزناقص نہیں بلکہ احتمال خون دریم کے سبب ولہذا امام ابن الہمام کی رائے اس طرف گئی ہے کہ سائل مذکورہ میں امام محمد کا حکم وضو استحبالی ہے۔“

(فتاویٰ رضویہ: ج ۱ ص ۳۷)

مایدہ: بعض لوگوں کے منہ سے سوتے وقت رال بہتی ہے۔ شامی نے ساتھ ہی تصریح کر دی ہے کہ وہ اگر بدبودار بھی ہو تو ناپاک نہیں۔ (شامی: ج ۱ ص ۳۰۵)

فاضل بریلوی کی علم حدیث میں کم زوری:

تیسرا مایہ ناز علمی مسئلہ:

اسی مقالے میں ایک عنوان ہے ”علامہ شامیؒ اور اعلیٰ حضرت“۔ اس کے تحت اس حدیث کے ثبوت اور عدم ثبوت پر بحث کی گئی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اذان دی ہے یا نہیں؟ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی رائے ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اذان نہیں دی۔

البرکت اگرچہ مجتہد فی الشرع یا مجتہد مطلق تو نہیں ہیں لیکن آپ کی تحریروں میں اجتہاد کا رنگ جھلکتا ہے اور آپ کی تقریروں سے استنباط کی مہک آتی ہے۔ (فتنی مقام ص ۱۰-۱۱)

اس دعوت پر ہم نے بھی فاضل بریلوی کے فتاویٰ کا مجموعہ خریدا۔ آپ کے رسالے کا بغور مطالعہ کیا۔ فتاویٰ کی جلدوں کا بھی کہیں کہیں سے مطالعہ کیا، مگر گہری نظر ڈالتے ہیں تو کم زوریاں صاف نظر آتی ہیں اور قواعد فقہیہ کے استعمال کا عجیب تماشا نظر آتا ہے۔

فاضل بریلوی سید طحطاویؒ کی بات نہیں سمجھ سکے:

دوسرا مایہ ناز فتنی مسئلہ:

اعلیٰ حضرت کا فتنی مقام لکھنے والے صاحب نے ان کا اور علامہ طحطاویؒ کا جواب بھی کیا ہے اور یہ مسئلہ لیا ہے کہ علامہ طحطاویؒ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا ہے کہ زکام حالت میں جو ناک سے پانی آئے اس سے بھی وضو جاتا رہتا ہے۔ حالانکہ وہ مثالوں کے ساتھ انہوں نے تحریر فرمایا ہے جہاں وہ ایسی بیماریوں کا ذکر کر رہے ہیں کہ جن میں پانی کے ساتھ خون مل جاتا ہے۔ چاہے آنکھ میں کسی بیماری کی وجہ ہو یا کہیں اور۔ پھر اس مسئلے کے متصل وہ یہ لکھتے ہیں

و کذا کل ما ینخرج بوجع ولو من اذن و ثلثی و سرة

ظاہرہ یعم الانف اذا زکم۔ (شامی: ج ۱ ص ۳۰۵)

”یہی حکم ہر اس پانی کا ہوگا جو تکلیف کی وجہ سے نکل رہا ہو۔ چاہے کان سے نکلے یا پستان سے یا ناف سے، یعنی ہر جگہ اس حکم میں ناک بھی داخل ہے۔“

سید طحطاویؒ کی مراد وہ صورت ہے کہ جب فلو کی قسم کا شدید زکام ہو جس میں خراش بلکہ زخم ہو جاتے ہیں (ایسا زکام ہمارے علاقے میں کم ہوتا ہے)

ورسولہ

”تشہد (التحیات) میں شہادت کے کلمات جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر سے منقول ہیں کہ آپ فرمایا کرتے تھے اشہد ان محمدا رسول اللہ وعبده ورسوله“۔

پھر شامی تحریر فرماتے ہیں کہ تحفہ میں ہے کہ اگر (صاحب در مختار یا ان سے پہلے) کسی شخص نے یہ بات کہی ہے تو التحیات کے بارے میں تو غلط ہے، البتہ اذان کے بارے میں ہو سکتی ہے۔

نعم ان اراد تشہد الاذان صح لانه صلی اللہ علیہ وسلم اذن مرة فی سفر فقال ذالک قلت و کذا لک فی البخاری من حدیث سلمة ابن الاکوع رضی اللہ عنہ قال خفت ازواد القوم الحدیث وفیه فقال صلی اللہ علیہ وسلم ”اشہد ان لا اله الا اللہ واشہد انی رسول اللہ“ وهذا کان خارج الصلوة لما ظہرت المعجزة علی یدیه من البرکة فی الزاد.

(شامی: ج ۱، ص ۵۱۰)

”ہاں! اگر اس کی مراد اذان میں کلمہ شہادت ہے تو یہ بات ٹھیک ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار سفر میں اذان دی تو یہ فرمایا: اور میں کہتا ہوں اسی طرح بخاری شریف میں حضرت سلمہ ابن الاکوع رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے انہوں نے بیان فرمایا کہ لوگوں کے پاس کھانے کا سامان بہت ہی کم رہ گیا۔ (آپ نے جو کچھ لوگوں کے پاس تھا جمع فرمایا، پھر دعا فرمائی، پھر فرمایا اس میں سے اپنے اپنے لیے لے لو۔ اتنی برکت ہوئی کہ ہر ایک نے اپنا توشہ دان بھر لیا) اسی حدیث میں آتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اشہد ان لا اله الا

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ مستقل عنوان دے کر

مطلب هل باشر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الاذان

بنفسہ

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے نقل کی کہ

”جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اذان نہیں دی“۔

(شامی: ج ۱، ص ۴۰۱)

دوسری بات شامی نے التحیات کے باب میں اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھی ہے کہ معراج میں باری تعالیٰ سے ہم کلامی کے وقت جو کلمات ادا ہوئے ان کی نقل التحیات ہے اور اسے تشہد اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں دو شہادتوں کا ذکر ہے۔ تو یہ کی شہادت اور رسالت کی شہادت۔ چوں کہ اس جگہ ”در مختار“ میں لکھا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے:

أشہد ان لا اله الا اللہ وانی رسول اللہ

”میں گواہی دیتا ہوں کہ میں خدا کا رسول ہوں“۔

اس لیے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ ابن حجر عسقلانی کے حوالے سے اس

کا رد کیا ہے:

بانه لا اصل لذلک.

”اس بات کی کوئی اصلیت نہیں ہے“۔

انہوں نے لکھا ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی التحیات میں یہی

کلمات ادا فرماتے تھے جو آج تک ہم نماز میں پڑھتے ہیں۔

الفاظ التشہد متواترة عنہ صلی اللہ علیہ وسلم انه

کان یقول اشہد ان محمدا رسول اللہ وعبده

فاضل بریلوی نے اس فرق کا لحاظ رکھا ہے، اس لیے ہوشیاری سے انہوں نے فقط اشارہ کا لفظ استعمال کیا:

”کہ ابن حجرؒ نے اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔“

پھر اس اشارے پر بنیاد رکھ کر فاضل بریلوی نے حسب ذیل نتیجہ نکال ڈالا ہے۔
فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

”کیوں کہ تحفہ ابن حجر میں مذکور عبارت آگئی ہے، لہذا آں جناب کا خود اذان دینا ثابت ہو گیا اور اس اذان میں اشہد انی رسول اللہ آپ نے فرمایا ہے اور اشہد انی رسول اللہ فرمانا نص مفسر ہے، جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی اور امام نوویؒ نے اس روایت کو جو تقویت دینی چاہی ہے اسے اس سے تقویت پہنچتی ہے۔“

ارے بھائی! نص کا مفسر ہونا اور مجمل ہونا وغیرہ سب کا مدار اس پر ہے کہ اس کا نص ہونا یعنی حدیث ہونا تو ثابت ہو۔ اسے ثابت کرنے کے لیے خود (لفظ اشارہ) اشارہ سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور پھر لحظہ بھر بعد اسے نص مفسر قرار دے رہے ہیں۔ آپ حضرات نے یہ مثال اعلیٰ حضرت کی فقہانیت ثابت کرنے کے لیے دی ہے، لیکن اس سے ان کی جلد بازی اور علم حدیث میں کم زوری کے سوا کوئی چیز ظاہر نہیں ہو رہی۔

آپ حضرات کے لکھنے کا مطلب تو یہ تھا کہ علامہ شامی نے ایک جگہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی رائے لکھ دی اور دوسری جگہ انہوں نے صاحب تحفہ کی رائے لکھ دی، پھر بھول گئے اور فاضل بریلوی نے اسے پکڑ لیا۔ علامہ شامیؒ کو ان کے لکھے ہوئے کے تحت قایل کر لیا۔ یعنی فاضل بریلوی کی دقت نظر، وسعت علم و حافظہ دکھانا چاہتے تھے، لیکن سب کچھ آپ کے سامنے ہے کہ کیا کیا ثابت ہو رہا ہے اور ان کی دلیل کی بنیاد فقط ”اشارہ“ پر ہے جو نہایت کم زور ہے۔ اس لیے کہا جائے گا کہ علامہ شامیؒ کا رجحان اپنی جگہ قائم رہا اور سب کچھ دیکھ کر جو ان کی رائے تھی وہ انہوں نے ایک مستقل باب

اللہ و اشہد انی رسول اللہ۔ اور یہ (نماز میں نہ تھا) نماز کے باہر فرمایا، جس وقت آپ کے دست مبارک سے اس معجزے کا ظہور ہوا کہ کھانے میں برکت ہوگئی۔“

یہ سارا قصہ اور ساری عبارتیں تو اس لیے لکھی ہیں کہ آپ کے سامنے پوری بحث اور مسائل آجائیں۔

اب دیکھیے کہ فاضل بریلوی نے حافظ ابن حجرؒ کی وہ عبارت اور فیصلہ جو شامی نے ص ۴۰۱ پر لکھا ہے نقل کیا ہے، پھر شامی کی عبارت پر حوالہ تحفہ ج ۱ ص ۵۱۰ پر ہے نقل کی۔ پھر لکھا:

وَقَدْ أَشَارَ ابْنُ حَجَرٍ إِلَى صِحَّتِهِ

(فتاویٰ رسوبیہ ج ۲ ص ۳۸۸)

”اور ابن حجر (کی) نے اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔“

(۱) یہ بھی سمجھ لیجیے کہ ابن حجرؒ اور ابن حجر عسقلانیؒ دونوں الگ الگ آدمی ہیں۔ ابن حجر عسقلانیؒ علم حدیث میں بہت بلند پایہ شمار ہوتے ہیں تو اول تو ان پر ابن حجرؒ کی رائے نہیں چل سکتی۔

(۲) پھر ابن حجرؒ نے بھی جو بات فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اشہد انی رسول اللہ فرمانا التحیات میں ہوا ہے تو غلط ہے اور اگر اس کی مراد اذان ہے تو صحیح ہے۔ یعنی وہ اس کہنے والے کی بات کے صحیح اور غلط ہونے کے بارے میں فرما رہے ہیں نہ کہ اس روایت کے بارے میں کہ یہ روایت صحیح ہے۔ اگر وہ اس روایت کی صحت کے بارے میں فرماتے تو عبارت یہ ہوتی:

فَقَدْ صَحَّ أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذَّنَ مَرَّةً فِي سَفَرٍ فَقَالَ ذَالِكَ

”یہ درست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں ایک بار اذان دی تو یہ فرمایا۔“

میں ذکر کر دی تھی ”مطلب هل باشر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الاذان بنفسہ“ اور وہاں حافظ ابن حجر عسقلانی جیسے بلند پایہ محدث کی بات لکھ دی تھی۔
یہ نہ سمجھیے کہ ہم اس بات کے قایل ہیں کہ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان نہیں دی یا اس کے قایل ہیں کہ آپ نے اذان دی۔ ہم تو صرف فاضل بریلوی کے انداز تفقہ کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں۔

باب (۲)

مایہ ناز تحقیق، مسئلہ تقبیل ابہامین

”فقہی مقام“ رسالے میں ”تقبیل ابہامین“ کا مسئلہ بھی اٹھایا گیا ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتوے میں تحریر فرمایا ہے:

”اول تو اذان ہی میں انگوٹھے چومنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں اور جو کچھ بعض لوگوں نے اس بارے میں روایت کیا ہے وہ محققین کے نزدیک ثابت نہیں۔ مگر اقامت میں کوئی ٹوٹی پھوٹی روایت بھی موجود نہیں۔ پس اقامت میں انگوٹھے چومنا اذان کے وقت چومنے سے بھی زیادہ بدعت اور بے اصل ہے۔ اسی واسطے فقہانے اس کا بالکل انکار کیا ہے۔“

(امداد الفتاویٰ، ج ۵، ص ۲۵۹)

حضرت تھانوی کے فتوے پر فاضل بریلوی نے جو اعتراض کیے ان میں سے منتخب کر کے فقہی مقام میں لکھے گئے ہیں۔ اس مسئلے میں ہم ان ہی کے پیش کردہ چیدہ نکات آپ کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں۔

فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

(۱) اس باب میں کوئی صحیح مرفوع حدیث وارد نہیں۔

(۲) تقبیل ابہامین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔

فاضل بریلوی کو اس کے ثبوت کے لیے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث مع سند مفصل نقل کرنی چاہیے تھی۔ اگر وہ صحیح ثابت کر دیتے تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ضرور رجوع فرمالیتے اور شامی سے بھی اختلاف نہ فرماتے۔ مسئلہ واضح

میں بے سمجھے فرماتے چلے جا رہے ہیں:
 ”احادیث معتبرہ بالا جماع کافی ہیں۔“

فاضل بریلوی کی اصول حدیث سے ناواقفیت کی تشریح:

آپ اصول حدیث کی کتابیں اٹھا کر دیکھیں، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے
 ”تقریب“ میں اور اس کی شرح ”تدریب الراوی“ میں امام حافظ جلال الدین
 السیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اصطلاح کو سمجھانے کے لیے مستقل عنوان قائم کیا ہے۔

النوع الخامس عشر معرفته الاعتبار والمتابعات
 والشواهد هذه امور يتداولها اهل الحديث
 (يتعرفون بها حال الحديث) ينظرون هل تفرد به
 راويده ام لا. وهل هو معروف اولا فلا اعتبار ان ياتي
 الى حديث لبعض الرواة فيعتبره بروايات غيره من
 الرواة بسير طرق الحديث ليعرف هل شاركه في
 ذلك الحديث راو غيره فرواه عن شيخه اولا؟
 فان لم يكن فينظر هل تابع احد شيخ شيخه فرواه
 عن روى عنه؟ وهكذا الى اخر الاستاد وذاك
 المتابعة فان لم يكن فينظر هل اتى بمعناه حديث
 اخر وهو الشاهد. فان لم يكن فالحديث فرد فليس
 الاعتبار فيما للمتابع والشاهد بل هو هيئة التوصل
 اليهما فمثال الاعتبار ان يروي حماد بن سلمة (مثلاً)
 حديثاً لا يتابع عليه عن ايوب عن ابن سيرين عن ابي
 هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم فينظر هل رواه
 ثقة غير ايوب عن ابن سيرين فان لم يوجد ثقة غيره

ہو جانے پر فوراً رجوع کر لینا ان کی خاص عادت تھی۔ مگر اس کے برعکس فاضل بریلوی
 یہ بھی اعتراف کر رہے ہیں کہ حدیث صحیح موجود نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ لکھتے ہیں:
 ”صحیح حدیث کی نفی سے معتبر حدیث کی نفی سمجھ لینا (غلط ہے) اور فضائل
 اعمال میں احادیث معتبرہ بالا جماع کافی ہیں۔ اگرچہ صحیح بلکہ حسن بھی نہ
 ہوں۔“

ان کی مکمل عبارت آگے آرہی ہے۔

فاضل بریلوی کی اصطلاحات حدیث سے بے خبری:

فاضل بریلوی نے اس مقام پر حضرت تھانویؒ کے علم حدیث سے واقفیت پر طعن
 کرتے ہوئے فرمایا ہے:

”صحیح حدیث کی نفی سے معتبر حدیث کی نفی سمجھ لینا جیسا کہ تھانوی صاحب
 نے اس فتوے میں کہا ہے کہ تقبیل فی الاذان کسی معتبر روایت سے ثابت
 نہیں ہے۔ فن حدیث سے جہالت پر مبنی ہے۔ کتب رجال میں جا بجا
 مذکور ہے یعتبر بہ ولا یحتج بہ اور فضائل اعمال میں احادیث معتبرہ
 بالا جماع کافی ہیں اگرچہ صحیح بلکہ حسن بھی نہ ہوں۔“

(اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام: ص ۳۴)

یہ عبارت فاضل بریلوی اور مقالہ نگار دونوں ہی کی اصطلاحات حدیث سے
 بے خبری اور ناواقفیت کی دلیل ہے۔ انہوں نے بڑی فاش غلطی کی ہے کہ یعتبر بہ کا
 ترجمہ یہ سمجھا ہے کہ اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ یعنی یعتبر بہ کو اردو میں معتبر اور غیر معتبر
 کے ہم معنی سمجھ رہے ہیں۔ حالاں کہ یہ علم حدیث کی ایک خاص اصطلاح ہے۔ یعتبر
 بہ کا صحیح مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث اصول حدیث میں ذکر کردہ ”اعتبار“ کے کام میں
 لائی جاسکتی ہے اور اسے بہ طور حجت و دلیل پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اگر یہ کہنا مقصود ہو
 تا کہ معتبر ہے تو عربی میں ”بہ“ کے لانے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر اعلیٰ حضرت زور کلام

(فغیر ابن سیرین عن ابی ہریرۃ والا) ای وان لم یوجد ثقة عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فای ذالک وجد علم) بہ (ان له اصلا یرجع الیہ والا) ای وان لم یوجد شیء من ذالک (فلا) اصل له۔ کالحدیث الذی رواہ الترمذی من طریق حماد بن سلمہ عن ایوب عن ابن سیرین عن ابی ہریرۃ اراہ رفعہ "احب حبیبک ہونا ما" الحدیث قال الترمذی غریب لا نعرفہ بہذا الاسناد الا من ہذا الوجه ای من وجہ یثبت والا فقد رواہ الحسن بن دینار عن ابن سیرین والحسن متروک۔ الحدیث لا یصلح للمتابعات۔ (تدریب الراوی ص ۵۲-۱۵۱) "پندرھویں نوع اعتبار اور متابعات اور شواہد کی پہچان کے بیان میں ہے۔ یہ وہ امور ہیں جنہیں محدثین استعمال کرتے ہیں، جن سے وہ حدیث کا حال پہچانتے ہیں۔ وہ یہ غور کرتے ہیں کہ کیا راوی کی حدیث اس حدیث کو نقل کرنے میں اکیلا ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ وہ خود بھی معروف ہے یا نہیں؟ پس اعتبار کا طریقہ یہ ہے کہ کسی (ایک) راوی کی حدیث کو اس کے علاوہ دوسرے راویوں کی حدیثوں سے ملا کر دیکھنا (اس طرح کہ) اس حدیث کی دوسری سندوں کو (تلاش کر کے) گہری نظر ڈالی جائے تاکہ یہ پتا چل سکے کہ آیا اس حدیث میں اس راوی کا کوئی اور بھی ساتھی (استاد بھائی) ہے جس نے استاد سے وہ حدیث روایت کی ہو یا نہیں ہے؟ اگر نہ ہو تو یہ دیکھیں کہ کیا یہ روایت کسی نے اس کے استاذ الاستاذ سے کی ہے یا نہیں؟ اسی طرح اوپر تک (اس کے استادوں اور ان کے ساتھیوں کو ایک حدیث کے لیے دیکھتے چلے جائیں گے) اس کا نام

اصول حدیث میں متابعت ہے۔ اگر اس حدیث میں کہیں بھی ساتھی راوی اوپر تک نہ مل سکیں تو پھر یہ تلاش کیا جائے کہ کیا اس حدیث کے مضمون کو کسی محدث نے دیا ہے یا نہیں؟ اگر ہم معنی حدیث مل جائے (چاہے الفاظ بدلے ہوئے ہوں) تو اس حدیث کو شاہد کہیں گے اور اگر ہم معنی حدیث بھی نہ ملے تو یہ حدیث فرد کہلائے گی۔ پس "اعتبار" متابع اور شاہد کا تقسیم (ہر قسم) نہیں ہے بلکہ یہ متابع اور شاہد تک پہنچنے کے لیے جو کچھ کیا جاتا ہے اس کا نام ہے۔ پس اعتبار کی مثال یہ ہے کہ مثلاً حماد بن سلمہ کوئی ایسی روایت بیان کر رہے ہوں کہ جس میں ان کا کوئی ساتھی عن ایوب عن ابن سیرین عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ روایت نہ نقل کر رہا ہو تو یہ دیکھا جائے گا کہ ان کے استاد ایوب کے سوا کوئی اور قابل اعتماد راوی ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے یہ حدیث لے رہا ہے یا نہیں؟ اگر ایوب کے ساتھیوں میں ان کے سوا کوئی ثقہ راوی نہ ملے تو پھر ان کے استاد ابن سیرین کے ساتھیوں میں کوئی محدث تلاش کریں گے جو حضرت ابو ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ روایت نقل کر رہا ہو۔ ان میں سے جس طرح کبھی بھی حدیث پائی جا رہی ہو اس سے جان لیا جائے گا کہ اس حدیث کی اصلیت ہے، اس کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ ورنہ اگر ان میں سے کوئی چیز نہ پائی جائے تو یہ حدیث بے اصل مانی جائے گی۔ جیسے ترمذی شریف کی روایت جو انہوں نے حماد بن سلمہ عن ایوب عن ابن سیرین عن ابی ہریرۃ اراہ رفعہ کہہ کر نقل کی ہے کہ "اپنے دوست سے ہلکی ہلکی محبت رکھو" الحدیث۔ امام ترمذی نے اس پر فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ (یعنی صرف اسی سنو سے یہ حدیث قابل اعتماد نہیں) ورنہ یوں تو یہی حدیث حسن ابن دینار ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں، لیکن حسن متروک الحدیث ہیں، ان کی روایت متابعت کے قابل نہیں ہوتی۔

ہمارے پاس سند ابی بکر صدیقؓ ہے، جس میں آپ کی ساری روایات جمع کی گئی ہیں۔ ان میں اذان کے وقت یہ کلمات کہنے اور انگوٹھا چومنے کی روایت ہی نہیں ہے۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے میں حافظ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”ولا یصح“ یعنی یہ موضوع (کسی کی من گھڑت) ہے۔

(الموضوعات الکبریٰ لملا علی قاری: ص ۱۰۸)

کیوں کہ موضوع حدیثوں کے بیان میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں لا یصح، لا یثبت یا لم یصح یا لم یثبت وغیرہ سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ موضوع ہے۔ لہذا یہاں لا یصح کے معنی یہ ہوں گے کہ ثابت ہی نہیں (کسی کی من گھڑت ہے) موضوع ہے نہ کہ ضعیف۔ دیکھیے مقدمہ ”المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع“ جو حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ (ص ۱۰، مطبوعہ حلب) اس کے بعد ملا علی قاری لکھتے ہیں:

واوردہ الشیخ احمد الرداد فی کتابہ موجبات
الرحبۃ بسند فیہ مجاہیل مع انقطاعہ عن الخضر
علیہ السلام.

”یہ روایت شیخ احمد رداد نے اپنی کتاب موجبات الرحبۃ میں حضرت خضر علیہ السلام سے ایسی سند سے دی ہے کہ جس میں مجہول راوی ہیں اور سند بھی منقطع ہے۔“

پھر حضرت ملا علی قاریؒ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی روایت پر عمل کو جائز لکھ کر لکھتے ہیں کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نہ اس پر عمل کرے اور نہ اس پر عمل کرنے والے کو منع کیا جائے۔

پھر لکھتے ہیں:

غرابۃ لا تخفی علی ذوی النہی

اسی طرح مقدمہ ابن الصلاح میں ہے:

النوع الخامس عشر معرفته الاعتبار والمتابعات
والشواہد (مقدمہ ابن الصلاح: ص ۷۴)

”پندرہویں نوع اعتبار اور متابعات اور شواہد کی پہچان کے بیان میں۔“

تدریب الراوی اور مقدمہ ابن الصلاح تو بہت مفصل کتابیں ہیں۔ بخاری شریف کے شروع میں جو مقدمہ ہے اس میں ہی ص ۱۱ پر دیکھ لیں کہ ”اعتبار“ کسے کہتے ہیں۔

میں نے یہاں تدریب الراوی کی پوری عبارت لکھ دی ہے اور اس کا مفہوم بھی، تاکہ طلباء (اور عوام) مستفید ہوں اور علما فاضل بریلوی کی علم حدیث میں بصیرت کا تماشہ دیکھیں۔ فاضل بریلوی اصول حدیث سے اس درجے ناواقف تھے جیسا کہ آپ کے سامنے ہے، مگر آپ انہیں پھر بھی امام مجتہد فی المذہب بنانے کی فکر میں ہیں۔ اپنے دل میں ذرا غور کیجیے کہ ایسا کم علم شخص کیا مفتی بھی ہو سکتا ہے؟ چہ جائے کہ وہ مجتہد فی المذہب بنے اور اپنے قیاس سے نئے نئے مسائل نکالے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ.

غرض حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے اعلیٰ حضرت اور آپ حضرات کی طرف سے یہ جواب ہونا چاہیے تھا کہ حدیث شریف کی سند یہ ہے اور یہ سند قابل احتجاج ہے۔ کیوں کہ اذان ایسا شعار نہیں ہے جو سر عام نہ ہوتا ہو اور حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شخصیت ایسی نہیں ہے جس کا عمل سیکڑوں، ہزاروں صحابہؓ اور تابعینؓ کے سامنے نہ ہوا ہو۔ اس لیے ان کے عمل کی روایت کرنے والے بہت لوگ ہونے چاہئیں اور آپ کو بہت سی روایتیں سامنے لانی چاہیے تھیں۔ نہ کہ صرف ایک حدیث جس کے بارے میں صدیوں پہلے سے محدثین صرف موضوع (من گھڑت) ہونے نہ ہونے ہی کی بحث کرتے رہے ہوں۔

(الموضوعات الکبریٰ ص ۱۰۸)

”اس روایت کی غرابت سمجھ دار آدمی پر مخفی نہیں ہے۔“

یعنی چاہے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کردہ روایت ہی ہو وہ بھی غریب ہے، کیوں کہ صحیح ترین احادیث مقدسہ میں مثلاً بخاری شریف وغیرہ میں یہ مسئلہ وضاحت سے آتا ہے کہ جب مؤذن اشہد ان محمدا رسول اللہ کہے تو سننے والے بھی جواب میں اشہد ان محمدا رسول اللہ کہیں۔ اس سے زیادہ کچھ کہنا حدیث کی مشہور کتابوں میں کہیں نہیں آیا ہے۔ اگر امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام طحاوی اور امام کرام یعنی امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہم سے یہ حدیث مخفی رہ گئی ہے تو آپ اسے ظاہر فرمائیں۔ علم حدیث کسی کے گھر کا نہیں ہے۔ حضرت تھانویؒ کے سامنے جب دلیلیں آئیں تو وہ کہاں جاتے؟

اور چلیے! اب روایت اور راوی حضرات کے بارے میں آپ ہی لکھیں تاکہ اس میں اختلاف ختم ہو۔ صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے کس کی مجال ہو سکتی ہے کہ انکار کرے، بلکہ انگوٹھے نہ چومے۔ مگر فاضل بریلوی اجتہادی رنگ میں قیاس پر قیاس کرتے چلے گئے اور انہوں نے تکبیر میں بھی انگوٹھے چومنے جائز قرار دیے، چاہے تو یہ تھا کہ پہلے حدیث کے ثبوت کی کوشش تو کی ہوتی۔

آنکھوں کے بارے میں ایک حدیث:

دیکھیے! ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا صحابی کو بینائی درست ہونے کے لیے دعا تعلیم فرمائی اور طریقہ یہ بتلایا کہ وہ رکعت نماز پڑھ کر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے دعا مانگیں اور یہ کلمات تعلیم فرمائے:

اللہم انی اتوسل الیک بمحمد نبی الرحمة یا

محمد انی قد توجهت بک الی ربی فی حاجتی اللہم فشفعه فی۔

”اے اللہ میں تیرے دربار میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے جوئی رحمت ہیں (دعا کرتا ہوں) اے محمد میں اپنے پروردگار کی طرف آپ کے ذریعے اور وسیلے سے اپنی حاجت روائی کے لیے متوجہ ہوتا ہوں۔ اے اللہ! تو ان کو میرے حق میں مقبول الشفاعت فرما۔“

ان نابینا صحابی نے اس پر عمل کیا، ان کی بینائی لوٹ آئی۔

یہ حدیث متعدد معتبر کتب حدیث میں آئی ہے اور سنن ابن ماجہ میں بھی ہے۔ امام ابن ماجہ نے اس روایت کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

کہنا یہ ہے کہ اس حدیث پر علمائے دیوبند کا عمل ہے۔ کیوں کہ حدیث ثابت ہے۔ روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ بعد میں ان صحابی نے کسی اور ضرورت مند کو یہ دعا رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد تعلیم فرمائی۔ لہذا علمائے دیوبند کبھی یہ نہیں کہیں گے کہ یہ بدعت ہے۔ جب کہ تقبیل ابہامین کی روایت کا حال جو کتابوں میں موجود ہے وہ ہم نے لکھا۔ اب آپ اس کی صحیح سند لائیں تاکہ مذکورہ بالا حدیث توسل کی طرح سب اس کے قایل ہو جائیں اور عمل کریں۔

محدثین و فقہاء کا ضعیف حدیث سے استدلال کا قاعدہ:

آپ حضرات فاضل بریلوی سے لے کر اب تک یہ کہتے چلے آئے ہیں کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل ہو سکتا ہے اور اسی قاعدے پر آپ کے دس گیارہ اختلافی مسائل کی بنیاد ہے۔ گویا بریلویت کی عمارت اسی پر اٹھائی گئی ہے، لہذا اس کا صحیح قاعدہ بھی یہاں ذکر کرنا ضروری اور مفید معلوم ہوتا ہے، تاکہ واضح ہو سکے کہ بریلوی علما اس کے استعمال کو عام کر کے بہت بڑی غلطی کرتے ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔ (ان کی عبارت اور ساتھ تقریبی ترجمہ لکھا جاتا ہے):

علمیہ:

وذكر شيخ الاسلام له ثلاثة شروط احدها ان يكون الضعف غير شديد فيخرج من انفراد من الكذابين والمتهمين بالكذب ومن فحش غلطه نقل العلاني الاتفاق عليه الثاني ان يندرج تحت اصل معمول به الثالث ان لا يعتقد عند العمل به ثبوته بل يعتقد الاحتياط وقال هذان ذكرهما ابن عبد السلام وابن دقيق العيد. (تدريب الراوي: ص ۱۹۶)

”اور شیخ الاسلام نے ضعیف حدیث کو بیان کرنے کی تین شرطیں ذکر کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کا ضعف شدید نہ ہو۔ لہذا جھوٹے راویوں میں سے اور ایسا راوی جس پر جھوٹے ہونے کا الزام ہو اور ایسا محدث جو فحش غلطیاں کرتا ہو جب اکیلا روایت کرے گا تو اس قسم کے سب راویوں کی روایت (اس شرط کے تحت) خارج ہو جائے گی۔ حافظ علائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شرط پر سب کا اتفاق نقل کیا ہے۔ ضعیف کو قبول کرنے کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ کسی معمول بہ حدیث اور قاعدے کے تحت آتی ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے میں یہ عقیدہ نہ رکھے کہ یہ حدیث سے ثابت ہے، بلکہ احتیاطاً (مثلاً گناہ سے بچنے کے لیے) اس پر عمل کرے۔ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ یہ دو شرطیں ابن عبد السلام اور ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہا نے بیان کی ہیں۔“

مثلاً حنفی مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز میں اتنی زور سے ہنسنے کہ آس پاس کے لوگ ہنسی کی آوازیں سن لیں تو اس کی نماز بھی ٹوٹ جائے گی اور وضو بھی۔ (اب اس (صو سے نماز نہیں ہوگی)، کیوں کہ یہ مسئلہ حدیث مرسل صحیح میں آیا ہے اور باقی ضعیف آیات تو آٹھ دس ہیں، لیکن شافعی حضرات کہتے ہیں کہ وضو نہیں ٹوٹے گا، کیوں کہ یہ

ویجوز عند اهل الحديث وغيرهم التساهل في الاسانيد الضعيفه (ورواية ما سوى الموضوعات من الضعيف والعمل به من غير بيان ضعفه في غير صفات الله تعالى) وما يجوز ويستحيل عليه تفسير كلامه او الاحكام كالحلال والحرام وغيرهما وذلك كالقصص وفضائل الاعمال والمواعظ وغيرهما مما لا تعلق له بالعقائد والاحكام) ومن نقل عنه ذلك ابن حنبل وابن مهدي وابن المبارك قالوا اذا روينا في الحلال والحرام شددنا واذا روينا في الفضائل ونحوها تساهلنا.

”محدثین وغیر ہم کے نزدیک ضعیف السند روایتوں میں سہولت دینا جائز ہے اور موضوع (گھڑی ہوئی) روایتوں کے علاوہ ضعیف روایتوں کو بیان کرنا اور ان کے ضعیف ہونے کی تصریح نہ کرنا (بھی جائز ہے)، (بہ شرطے کہ) یہ ایسی روایتیں ہوں کہ جن میں حق تعالیٰ کی صفات کا ذکر نہ ہو۔ اور یہ (نہ ہو) کہ یہ بات تو حق تعالیٰ کے بارے میں خیال کرنا درست ہے اور یہ بات محال ہے اور تفسیر کاام پاک اور احکام جیسے حلال و حرام وغیرہما کا اس سے تعلق نہ ہو۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ روایت میں مثلاً قصے اور فضائل اعمال اور وعظ وغیرہ ایسی چیزوں کا ذکر ہو کہ جن کا تعلق عقائد اور احکام سے نہ ہو۔ جن حضرات سے یہ قاعدہ منقول ہے ان میں امام احمد ابن حنبل، ابن مہدی، ابن مبارک ہیں۔ ان حضرات نے فرمایا ہے کہ جب ہم کوئی روایت حلال و حرام کے بارے میں (پڑھاتے ہیں یا لکھتے ہیں) تو اس میں ہم سختی کرتے ہیں اور جب فضائل اعمال جیسی چیزیں بیان کرتے ہیں تو اس میں نرمی کرتے ہیں۔“

طرح انہوں نے یہاں بھی لکھ دیا ہے۔ کئی سو سال سے قدوری، کنز الدقائق، شرح وقایہ اور ہدایہ کی ہر چہار جلد فقہ حنفی میں تمام مدارس میں دیوبندی ہوں یا بریلوی پڑھی پڑھائی جاتی ہیں۔ ان میں تو یہ مسئلہ کہ اذان میں انگوٹھے چومے، کہیں نہیں ہے۔ معلوم نہیں وہ ہزار سے زیادہ کتب فقہ کون سی ہیں؟ ان میں سے آپ ہزار نہیں صرف ایک سوفتہ کی ایسی معتبر کتابوں کا حوالہ لکھ دیں جو مستندین کی لکھی ہوئی ہوں۔ انگریزی اختلافی دور سے پہلے کی ہوں۔ ورنہ ایسی مبالغہ آرائیوں کے فریب میں آنا چھوڑ دیں اور خود بھی فریب دہی سے تائب ہوں، لیکن بریلوی عالموں نے کسی قاعدے کو نہیں مانا، اپنی خواہش کو سب سے بڑا قاعدہ سمجھا۔

انہوں نے یہ ظلم کیا کہ

(۱) ایسی روایات کو جن کے ضعیف ہونے میں بھی کلام ہے ان کے بارے میں محدثین کے ایک بڑے طبقے کی یہ رائے رہی ہے کہ یہ ضعیف نہیں بلکہ موضوع (بے اصل، کسی کی گھڑی ہوئی) روایت ہے۔ بڑھا کر حدیث ضعیف کا درجہ دے دیا۔
(۲) پھر اس پر عملاً اتنا تشدد کیا گیا کہ لوگ اسے ہی دین سمجھنے لگے اور عقیدے کا جز (حصہ) بنالیا۔

(۳) اس پر عمل نہ کرنے والوں کی اس قدر مذمت کی کہ انہیں اسلام ہی سے نکال دیا اور (معاذ اللہ) گستاخ رسول کہنا شروع کر دیا اور امت میں تفریق کا بیج بو دیا۔ اب آپ ہی خدا کے حضور پیش ہونے کا خیال کر کے غور کریں کہ آپ دوسروں کو جس وجہ سے حقیر نظروں سے دیکھتے ہیں، برے برے ناموں سے یاد کرتے ہیں، انہیں کافر سمجھتے ہیں، اس کی جڑ بنیاد ہے ہی کیا؟ صرف ایسی ہی کم زور ترین یا موضوع حدیثیں یا پھر احمد رضا خان صاحب کا قیاس واجتہاد۔

ایسی کم زور دلیل و قیاس پر اتنا بھروسہ کرنا کہ اسے دین سمجھنے لگیں، کیسی بڑی غلطی ہے۔ انگوٹھے چومنے کی اس بحث میں آپ نے فاضل بریلوی کے چیدہ نکات میں

مسئلہ کسی ایسی حدیث میں نہیں آیا ہے جو مرفوع بھی ہو اور صحیح بھی ہو۔ ایسی صورت میں جو شافعی حضرات مذکورہ قاعدے پر تقوے کی وجہ سے عمل کر چاہیں گے وہ کہیں گے کہ دوبارہ وضو کر لینا ہی بہتر ہے۔ یہی قاعدہ حدیث کے علاوہ اقوال ائمہ میں بھی جاری ہے۔ مثلاً مس (عورت) سے، مس ذکر سے، ماستہ النار سے، نکیر سے اور کہیں سے بھی خون نکل کر بہہ جانے سے اور بڑی تے سے وضو حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سب اپنے اپنے امام کے علاوہ دوسرے امام کے قول پر جو ان کے نزدیک اپنے امام کے قول سے لامحالہ ضعیف ہوگا، احتیاطاً عمل کریں۔ (یہ مسئلہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی سب حضرات کے نزدیک مسلم ہے)۔

شافعی حضرات کے نزدیک خون کے نکلنے سے وضو نہیں جاتا اور یہی قول ان کے نزدیک قوی ہے، مگر شافعی مسلمان کو چاہیے کہ دوسرے ائمہ کے قول پر احتیاطاً عمل کر کے وضو کرے۔ ایسا کرنا اس کے لیے مستحب ہے۔

مس (مرأۃ یعنی عورت کو ہاتھ لگ جانے سے چاہے وہ کوئی بھی ہو شافعی حضرات کے نزدیک مرد کا وضو جاتا رہتا ہے۔ حنفی حکیم اگر عورت کی نبض دیکھے تو اس کے لیے دوبارہ وضو کرنا مستحب ہے۔ حنفی حکیم کے نزدیک حنفی قول قوی ہے اور شافعی مسلک ضعیف ہے، مگر احتیاطاً وضو کرے تو یہ اچھی پسندیدہ بات (مستحب) ہے۔

فاضل بریلوی کی مبالغہ آرائی اور فریب دہی:

فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

”تھانوی صاحب نے سب کچھ کر دیا کہ اذان میں تسبیح کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں۔ حالاں کہ ایک ہزار سے زیادہ کتب فقہ میں یہ روایت موجود ہے۔“
(اعلیٰ حضرت کا فتویٰ مقام ص ۲۵)

گزارش یہ ہے کہ فاضل بریلوی کی گزارش پر جوش کلمات لکھتے تھے

باب (۳)

فاضل بریلوی کی ایک اور نادر تحقیق

سود کے جواز کا حیلہ:

”نوٹ“ جو رائج الوقت ہے، آپ نے اس پر جو لکھا ہے وہ پڑھا ہوگا۔ ذرا پانچ روپے یاد اس روپے کا نوٹ لیجیے۔ دیکھیے اس پر لکھا ہے:

بینک دولت پاکستان

پانچ روپیہ

حامل ہذا کو مطالبہ پر ادا کرے گا۔

حکومت پاکستان کی ضمانت سے جاری ہوا۔

عثمان علی

گورنر

بینک دولت پاکستان

یہ ساری عبارت سمات سطروں میں لکھی ہوئی ہے اور نوٹوں پر چھپی ہوئی ہے۔ اس سے صاف سمجھ میں آ رہا ہے کہ نوٹ مال نہیں ہے بلکہ اس سونے چاندی وغیرہ کے بجائے جو حکومت پاکستان کی تحویل میں ہے یہ جاری کیا گیا ہے۔ تو اس لحاظ سے یہ خود مال نہ ہوا بلکہ مال کی رسید ہوا کہ سونا چاندی وغیرہ تو حکومت کے پاس ہے اور یہ خاص کاغذ (جو گورنمنٹی ہے) آپ کے پاس ہے۔

اسٹیٹ بینک یعنی مرکزی بیت المال کی مالیت مالی سال پورا ہوتے وقت دیکھی

شامل کر کے ان کا پیش کردہ قاعدہ لکھا ہے کہ

لا يلزم من ترك المستحب ثبوت الكراهته اذ لا بد

لها من دليل خاص.

”ترک مستحب سے کراہت لازم نہیں آتی، کیوں کہ اس کے لیے دلیل

خاص کی ضرورت ہوتی ہے۔“

(فقہی مقام: ص ۶-۳۵ بہ حوالہ بحر الرائق: ج ۲، ص ۱۷۶)

اس قاعدے سے آپ کو کیا فائدہ پہنچا؟ آپ کا دعویٰ تو یہ ہے کہ اذان میں نام اقدس سن کر انگوٹھا چومنا مستحب ہے اور اس قاعدے سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ جو انگوٹھے نہ چومے، اس نے ترک مستحب کیا اور انگوٹھے نہ چومنے کو مکروہ کہنے کے لیے الگ خاص دلیل ہونی چاہیے۔ اس سے تو فاضل بریلوی نے حضرت تھانویؒ کے موقف کو تقویت دی ہے اور انگوٹھے نہ چومنے کو کراہت سے بھی نکال دیا ہے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ فاضل بریلوی بہ کثرت فقہی قاعدوں کا بے محل استعمال کرتے ہیں۔ یہ بات ان کی تحریرات اور فتاویٰ سے ظاہر ہے۔

کم از کم اب بعد میں لکھنے والے صاحب کو تو سوچنا ہی چاہیے تھا کہ کیا لکھا جا رہا ہے۔ آپ فاضل بریلوی کی بات ثابت کرنے کے لیے مضمون لکھ رہے ہیں یا حضرت تھانویؒ کی بات ثابت کرنے کے لیے؟

جاتی ہے کہ اس کے قبضے میں کتنی دولت ہے؟ اتنے ہی نوٹ چھاپے جاتے ہیں جو رعایا کے ہاتھوں میں آتے ہیں اور گردش میں رہتے ہیں۔ اگر کبھی حکومت اس مالیت سے زیادہ نوٹ چھاپ بیٹھے تو افراط زر کا دور شروع ہو جاتا ہے اور حکومت کو اپنے سکے کی قیمت گھٹانی پڑتی ہے۔ جیسے کہ ہم چند سالوں سے اس مصیبت کے شکار ہیں۔

قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی بہت ہی گہری فقیہانہ نظر تھی۔ انہوں نے نوٹ کو تمسک (مال کی رسید) قرار دیا۔ (اور عرفاً اس سے خرید و فروخت ایسے ہی کی جاتی ہے جیسے وہ خود روپیہ ہو، اس لحاظ سے انہوں نے اسے بہ منزلہ سونے چاندی کے قرار دیا)۔

اگر کسی نوٹ پر یہ عبارت نہ ہو تو ایسے کاغذ سے جو پانچ روپے کے نوٹ کے برابر بڑا ہو، آٹھ آنے کی چیز بھی نہیں خرید سکتے۔ اس نوٹ کو کوئی محلے کی گلیوں کا دکان دار بھی نہیں لے گا۔ چاہے آپ اس سے کتنا بھی کہتے رہیں کہ بھائی نوٹ بھی کاغذ ہوتا ہے اور یہ بھی کاغذ ہے، تم یہ لے لو اور مجھے سودا دے دو۔ اس سے مزید معلوم ہوا کہ پانچ روپے اس کاغذ کی قیمت نہیں ہوتی۔ حکومت کی اس تحریری ضمانت ہی کی وجہ سے نوٹ کے ذریعے بے تکلف خرید و فروخت کی جاتی ہے۔ اگر نوٹ ذرا بھی مشکوک ہو تو دکان دار کبھی نہیں لے گا۔

آپ آئے دن اسمگلنگ کی روک تھام کے احکام اور قصے سنتے رہتے ہیں۔ کیوں کہ اسمگلر یہ نوٹ دوسرے ملکوں میں پہنچا دیتے ہیں، پھر وہ ملک ہمارے ملک سے ان نوٹوں پر لکھے ہوئے وعدے اور ضمانت کی وجہ سے سونا چاندی وغیرہ لیتا ہے، جس سے ہمارے ملک کی مالی جڑ بنیاد کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ صرف اسمگل کرنے والا گروہ نفع کماتا ہے اور پورا ملک اس کا نقصان اٹھاتا ہے۔ مزید سمجھ لیجیے کہ اگر نوٹ پر یہ عبارت نہ ہو تو حج کے زمانے میں کسی حاجی کو پاکستانی سو کے نوٹ کے بدلے میں ایک ریال بھی نہ ملے اور وہ نوٹ کسی حکومت میں نہ چلے۔ حج کے موقع پر حجاج جو

پاکستانی سکے کی قیمت سعودی سکے سے کم دیتے لیتے ہیں اس کا مدار اس بات پر ہے کہ حکومت پاکستان خود اپنے سکے کی کتنی قیمت رکھتی ہے۔ پہلے زیادہ تھی تو پاکستانی سو روپے کے نوٹ کے ایک سو آٹھ ریال یا اس سے بھی زیادہ ملتے تھے۔ یعنی موجودہ صورت کے برعکس۔

ضمانت کی یہ عبارت ہر ملک کو لکھنی پڑتی ہے ورنہ اس ملک کا نوٹ کوئی ملک نہیں لے سکتا۔ سکے کی جس قیمت کا اعلان سکے جاری کرنے والی گورنمنٹ کر دیتی ہے۔ دوسرے ملکوں میں اسی حساب سے نوٹ کی قیمت گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔

آپ نے دیکھا! یہ ہے ضمانت لکھنے کا اثر۔ تو آپ ہی سوچیے کہ نوٹ خود مال ہوا یا رسید؟

یہ عبارت آج بھی لکھی جاتی ہے اور انگریز کے زمانے میں بھی لکھی جاتی تھی۔ دنیا کے تمام ملکوں کا اسی پر عمل ہے۔ اعلیٰ حضرت اگر کسی پڑھے لکھے آدمی سے پہلے پڑھوا لیتے کہ نوٹ پر کیا لکھا ہوا ہے تو انہیں ایسا اشکال نہ رہتا۔

آپ نے اخبارات میں یحییٰ خان کے زمانے میں نوٹ کینسل ہونے کے قصے پڑھے ہوں گے، لوگوں نے نوٹ بوریوں میں بھر کر بہا دیے۔ وہ بہہ نہ سکے تو صبح کو لوگوں کے لیے قماشے کا سامان بن گئے۔

یعنی جب کوئی گورنمنٹ اپنے کسی نوٹ کی ضمانت ختم کرنے کا اعلان کر دے تو نوٹ سوائے ردی میں جلانے کے کسی کام کا نہیں رہتا۔

مگر افسوس یہ ہے کہ یہ واضح مسئلہ بریلویوں کے ”فقہ اجل“ اور ”ابوحنیفہ دوراں“ جسے وہ امام لکھتے ہیں اور ”مجدد مائتہ حاضرہ“، احمد رضا خان صاحب کی سمجھ میں نہ آیا۔ حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے سمجھانا چاہا تو انہیں بھی اعلیٰ حضرت بریلویہ نے ایسی جلی کٹی سنائیں کہ اپنی عزت کے لیے وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہ العزیز کا فتویٰ مبارک کہ حضرت کی

عبداللہ صاحب نے سمجھ لیا ہوگا کہ یہ شخص کج بحث ہے اور ہر حال میں سود کو جائز ہی قرار دینے کے درپے ہے، اس لیے انہوں نے اَعْرِضْ عَنْ الْجَاهِلِينَ اور وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا پر عمل کرتے ہوئے مزید بحث نہیں بڑھائی۔ اعلیٰ حضرت بریلوی نے اسے اپنی فتح قرار دیا اور ایک سواڑ سٹھ صفحات پر مشتمل طویل رسالہ لکھا، جس کا نام ”کفل الفقہ“ رکھا۔ اس کے آخر میں بڑے دھڑلے سے لکھا کہ میرے دلائل کا جواب کوئی نہیں لکھ سکا ہے، لہذا مسئلہ یہی ہے کہ نوٹوں میں جتنا چاہو سود لو، اس کا نام نفع ہوگا سود نہیں۔

بریلوی علما کی طرف سے آج یہ فتویٰ بہ طور نمونہ اعلیٰ حضرت کے امام و مجتہد ہونے کے ثبوت میں پیش کیا جا رہا ہے، جسے لکھتے ہوئے ایک عالم دین کو شرم آنی چاہیے تھی، کیوں کہ اس فتوے پر کسی بریلوی نے بھی شاید عمل نہیں کیا۔ ان کا عمل اسی فتویٰ پر رہا ہے جو حضرت اقدس گنگوہی اور مولانا عبداللہ صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہما کا تھا۔ اگر کسی بریلوی نے احمد رضا خان کے فتویٰ پر عمل کر کے سود لیا ہے تو آپ حضرات اس کا نام پیش کریں، تاکہ لوگ اس فقیہ کے اس سود خور پیر و کار کو جان لیں۔ ابھی ابھی آپ کے سامنے وہ عبارت آئی ہے جو نوٹ پر تحریر ہوتی ہے اور یہ کہ یہ خاص سرکاری چیز ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا کاغذ بنا کر اس پر اس طرح سے چھاپنے لگے تو اسے گرفتار کر لیا جائے گا اور اس پر غدار کی تک کا مقدمہ چل سکے گا۔ مگر احمد رضا خان صاحب کا اصرار ہے کہ نوٹ کی یہ قیمت لوگوں نے خود ہی مقرر کر لی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”ہم فتح القدیر سے بیان کر آئے ہیں کہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار کو بک سکتا ہے اور اس کے لیے صرف اتنا درکار ہے کہ بائع اور مشتری دونوں اس پر راضی ہوں، تو اس کا کیا کہنا جس پر گروہ کے گروہ راضی ہوں اور ان قطعوں کی یہ قیمتیں اپنی اصطلاح میں ٹھہرائیں۔“ (کفل الفقہ، فتویٰ احکام قمر طاس الدراہم ص ۷۱)

وفات کے بعد کہیں اعلیٰ حضرت بریلویہ کی نظر پڑ گیا۔ بس کیا تھا، اسی طرز سے ان کے درپے ہو گئے، کیوں کہ اس فتوے میں بھی نوٹ کو تمسک فرمایا گیا ہے۔ حضرت اقدس گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة و رفع درجۃ کو ”آں جہانی“ لکھا۔ انہوں نے اس فتوے کا بھی مذاق اڑایا کہ کیا کاغذ کی دنیا میں خرید و فروخت نہیں ہوتی؟ یا مولوی صاحب کے گاؤں میں ابھی تک یہ خبر نہیں پہنچی کہ کاغذ بھی بکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

خان صاحب کی دلیل یہ ہے کہ ہر آدمی کو اپنا مال اپنی مرضی کی قیمت پر بیچنے کا حق ہے، لہذا اگر کوئی شخص کسی کو دس روپے کا نوٹ دیتا ہے اور اس سے اس کے گیارہ روپے یا گیارہ سو روپے لیتا ہے تو اگر لینے دینے والے دونوں راضی ہیں تو یہ معاذ اللہ جائز ہے اور سود نہیں ہے۔

خان صاحب کہتے ہیں کہ آدمی نوٹ کو اسی طرح رکھتا ہے جیسے روپے کو اور مال کو۔ اسی طرح اسے جمع بھی کرتا ہے جیسے روپے کو اور اپنے مال کو۔ اس لیے یہ نوٹ ہی مال ہے۔ یہ کاغذ ہے اور کاغذ کی قیمت اس کا مالک جو چاہے مقرر کرے، اس لیے دس کے نوٹ کی ہزار روپے بھی قیمت لے سکتا ہے۔

(اس کا مطلب یہ ہے یعنی نوٹ کی مالیت مقرر کرنے کا حق حکومت کو نہیں ہے۔ نوٹ جس کے قبضے میں ہے اسی کو اس کی مالیت کم یا زیادہ مقرر کرنے کا حق ہے)۔

یہ ان کی دلیل ہے۔ اسی سے ان کی فقہی گہرائی کا اندازہ کریں، کیسی بچکانہ باتیں ہیں۔

مولانا عبداللہ صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ حیات تھے۔ ان کے پاس بریلوی اعلیٰ حضرت کا فتویٰ پہنچا۔ انہوں نے اس کا جواب لکھ دیا۔ نوٹ کو اس پر تحریر کردہ رقم سے زیادہ کے نوٹوں کے بدلے لین دین کو انہوں نے سود قرار دیا۔ یہ بات اعلیٰ حضرت بریلویہ کو سخت ناگوار گزری۔ پنجے جھاڑ کر ان کے پیچھے پڑ گئے۔ بہت طمع کی ہوئی گالیاں لکھیں اور ساتھ ہی حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی۔ حضرت مولانا

کے۔ اس واسطے کہ اگر نوٹ میں نقصان آجائے تو سرکار سے بدلا سکتے ہیں اور اگر گم ہو جائے تو یہ شرط ثبوت اس کا بدل لے سکتے ہیں۔ اگر نوٹ بیچ ہوتا تو ہرگز مبادلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ دنیا میں کوئی بیچ بھی ایسا ہے کہ بعد قبض مشتری کے اگر نقصان یا فنا ہو جائے تو بائع سے بدل لے سکیں؟ پس اس تقریر سے آپ کو واضح ہو جائے گا کہ نوٹ مثل فلوس کے نہیں ہے۔ فلوس بیچ ہے اور نوٹ نقدین۔ ان میں زکات نہیں، اگر بہ نیت تجارت نہ ہوں اور نوٹ تمسک ہے اس پر زکات ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ اکثر لوگوں کو مثل آپ کے شبہ ہو رہا ہے کہ نوٹ کو بیع سمجھ کر زکات نہیں دیتے اور کاغذ کو بیع سمجھ رہے ہیں۔ سخت غلطی ہے۔ فقط والسلام۔

حضرت گنگوہی قدس سرہ نے اپنے بہت مختصر فتوے میں نوٹ کی حقیقت بتلائی کہ وہ وثیقہ ہے اور یہ درست ہے۔ پانچ روپے یا دس روپے کے نوٹ پر لکھی ہوئی عبارت پڑھ لیں۔ پھر اس کی عرفی حیثیت بتلائی کہ وہ سونے چاندی کے سکے کی طرح قیمتی شمار ہوتا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ نوٹ نقدین میں داخل ہے اور فلوس جوتا بنے کا سکہ ہے وہ تانبہ ہے۔ شریعت نے سونے چاندی کا اور حکم رکھا ہے اور دوسری دھاتوں کا اور حکم ہے۔ وہ تھوڑے بہت کسی کے پاس ہوں تو ان پر زکات نہیں۔ ہاں! اگر وہ بہ نیت تجارت ہوں تو ان کی مالیت کا حساب کیا جائے گا اور زکات لگ جائے گی۔ پھر فرمایا نوٹ تمسک ہے یعنی نقدین کا اور یہ ایسا تمسک ہے جو سلطانی ہے، اس لیے اس پر زکات ہوگی۔

اس کی مثال یہ ہے کہ آپ مثلاً یکم رمضان کو زکات نکالتے ہیں، مگر اس دفعہ ایک دوست نے جو آپ سے روپیہ لیتا دیتا رہتا ہے قابل اعتبار ہو، یکم شعبان کو دس ہزار ادھار لے لیے اور رسید لکھ دی کہ عید کے چاند ادا کریں گے۔ جب یکم رمضان ہوئی تو اب آپ کا اپنا سرمایہ بیس ہزار نکلا تو زکات کتنے کی دی جائے گی؟ بیس ہزار کی یا بیس ہزار کی؟ ایسی صورت میں مسئلہ یہ ہے کہ آپ کو بیس ہزار کی زکات دینی چاہیے، کیوں

قارئین کرام! اعلیٰ حضرت بریلویہ کی حقیقت سے بے خبری ملاحظہ فرمائیں۔ کیا نوٹوں کی قیمت لاہور والے یا کراچی والے مقرر کرتے ہیں یا محلہ محلہ گاؤں گاؤں مقرر کی جاتی ہے یا حکومت مقرر کرتی ہے؟

اعلیٰ حضرت بریلویہ نے ایک طرف تو اسے محض کاغذ کا ایسا ٹکڑا بتلایا ہے کہ جس کی کوئی قیمت لوگ معین کر لیں، دوسری طرف اسی کتاب میں سرکاری چھاپ کی وجہ سے سرکار کی مقرر کردہ قیمت کا بھی ذکر کرتے ہیں اور اسے معتبر مانتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”ضرب سلطانی سرکاری چھاپ شرع کے نزدیک بھی قیمتی ہے۔ دیکھ! جو شخص دس درہم سکے کے چرائے اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور جو ایسی چاندی بے سکے کے چرائے جس کا وزن دس درہم بھر ہو اور اس کی قیمت سکے کے دس درہم تک نہ پہنچے اس کا ہاتھ نہ کٹے گا۔ جیسا کہ ہدایہ وغیرہ عام کتب مذہب تصریح ہے۔“ الی آخر ما قال (کفل الفقہ: ص ۱۷)

جب وہ ضرب سلطانی (سرکاری چھاپ) کو معتبر مان رہے ہیں تو ان کا یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ لوگ خود نوٹ کی قیمت مقرر کر لیتے ہیں؟ کیا ان کے زمانے میں یا جب سے رائج ہوا ہے کبھی بھی نوٹ بغیر سرکاری چھاپ کے ہوتا تھا؟ اور جب سرکاری چھاپ کو معتبر مان رہے ہیں تو اس پر جس عبارت کی چھاپ ہے اسے کیوں نہیں پڑھتے؟ وہ عبارت دیکھیں جو نوٹ پر صاف لکھی ہوئی ہے، اس کے لحاظ سے یہ نقدین کی اسٹیٹ بینک میں محفوظ سرمایے کی رسید ہے، اس کا نام ”نوٹ“ ہے۔ اسے کوئی کاغذ نہیں کہتا۔ اگر کسی کے نوٹ گم ہو جائیں وہ تھانے میں جا کر اپنے کاغذ گم ہونے کی رپورٹ درج کرائے گا تو لوگ اسے احمق کہیں گے۔

جب نوٹ ایجاد ہوا تو حضرت گنگوہی قدس سرہ سے فتویٰ دریافت کیا گیا کہ نوٹوں پر زکات ہوگی یا نہیں؟ انہوں نے تحریر فرمایا:

”نوٹ وثیقہ اسی روپے کا ہے جو خزانہ حاکم میں داخل کیا گیا ہے مثل تمسک

کہ جس دوست نے قرض لیا ہے وہ قابل اعتبار ہے سچا ہے۔ لیتا دیتا رہتا ہے۔ اب آپ پر ان دس ہزار کی بھی زکات واجب ہوگی جو آپ کے دوست کے پاس ہیں اور آپ کے پاس فقط ان کی رسید ہے، لیکن شریعت کی نظر میں وہ رقم محفوظ ہونے کی وجہ سے ایک طرح آپ کے پاس ہی ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ میں اس عبارت کے بعد ”فقط، واللہ تعالیٰ اعلم“ تحریر ہے اور یہ ہم نے آسان انداز میں اس مختصر فتوے کی تشریح بھی کر دی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت گنگوہیؒ کے سامنے نوٹ کے متعلق اور بھی سوالات آئے ہوں گے، کیوں کہ اس وقت وہ نیا نیا چلا تھا۔ اس فتوے کا جواب مکمل کرنے کے بعد آخر میں مزید تحریر فرمایا:

”اکثر لوگوں کو آپ کے مثل شبہ ہو رہا ہے کہ نوٹ کو بیع سمجھ کر زکات نہیں دیتے اور کاغذ کو بیع سمجھ رہے ہیں۔ سخت غلطی ہے۔ فقط والسلام“

یعنی اگر نوٹ کو فقط کاغذ کی حیثیت دی جائے تو وہ تو دس روپے سیر مل جاتا ہے۔ سیر بھر نوٹوں کو سیر بھر کاغذ کے برابر سمجھ کر چھوڑ دیا جائے اور ان کی مالیت کا لحاظ نہ کیا جائے تو یہ سخت غلطی ہے۔

بجاء اللہ فتویٰ یہی چلتا رہا ہے اور اسی پر ہر باعمل مسلمان کاربند رہا ہے۔ اگرچہ احمد رضا خان صاحب کے ماننے والوں نے بہت چاہا کہ ان کی یہ کتاب خوب بکے اور اس پر عمل ہو۔

اس فتوے کی نقل میں علمی خیانتیں:

بریلوی حضرات کے حوالوں میں علمی خیانت کی یہ قسم بہت ملتی ہے کہ جس سے ان کی مخالفت ہو اس کی پوری بات کبھی نقل نہیں کرتے۔ ان کے حوالوں کا اعتبار کرنا خود کو دھوکہ دینا ہے۔ آج کل ان کے پی، ایچ، ڈی تک اپنے رسائل میں اسی طرح کی دھوکہ دہی کر رہے ہیں۔

اس مضمون میں یہ کاروائی کی گئی ہے کہ حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنؤیؒ کا فتویٰ ناتمام نقل کیا ہے۔ فتوے میں آگے چل کر جو عبارت تھی وہ مطالبہ کرنے والے پر اثر انداز ہو سکتی تھی، اس لیے سعیدی صاحب نے اسے حذف ہی کرنا بہتر سمجھا۔ ہم ان کا فتویٰ مکمل نقل کرتے ہیں:

”استفتا: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ نوٹ صدر پیہ مثلاً کسی بیع و شرا کی و زیادتی پر جایز ہے یا نہیں۔ بینا تو جروا۔

جواب: حوالہ مصوب، نوٹ ہر چند کہ خلقہ شمن نہیں مگر عرفاً حکم شمن میں ہے بلکہ عین شمن سمجھا جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ اگر نوٹ سور پیہ کا کوئی ہلاک کر دے تو اصل مالک سور پیہ تاوان لیتا ہے اور سور پے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے تو مقصود اس سے قیمت ملنا اس کاغذ کی نہیں ہوتی ہے۔ کیوں کہ یہ ظاہر ہے کہ وہ کاغذ دو پیسے کا بھی نہیں ہے، بلکہ مقصود سور پیہ کا بیچنا اور اس کی قیمت لینا ہوتا ہے اور نوٹ سور پے کا اگر کوئی شخص قرض لے تو یہ وقت ادا خواہ نوٹ سور پے کا دے یا سور پیہ دے دونوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں۔ اور داین کو کسی کے لینے میں مدیون سے غدر نہیں ہوتا۔ حالاں کہ اگر مدیون غیر جنس بہ وقت ادا دے دے تو داین نہیں لیتا ہے۔ یہ خلاف پیسوں کے کہ وہ بھی اگر چہ عرفاً شمن ہیں مگر یہ کیفیت ان کی نہیں ہے۔ اگر ایک روپیہ کے عوض میں کوئی چیز خرید لے یا ایک روپیہ کسی سے قرض لے اور یہ وقت ادا پیسے ایک روپیہ کے دے دے تو داین اور فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے کہ وہ لے یا نہ لے اور حاکم کی طرف سے اس پر جبر نہیں ہو سکتا کہ وہ خواہ مخواہ وہ پیسے لے لے۔ پیسے اگر چہ عرفاً شمن ہیں، مگر عین شمن خلقی نہیں سمجھے گئے۔ یہ خلاف نوٹ کے کہ یہ عین شمن خلقی ہے، گو عینیت عرفیہ ہو۔ پس تفاضل بیع فلوس میں جایز ہونے سے یہ نہیں لازم کہ نوٹ میں بھی جایز ہو جائے، کیوں کہ پیسے غیر جنس شمن ہیں، حقیقتاً بھی اور عرفاً بھی۔ گو یہ وجہ اصطلاح اور عرف کے اس میں صفت شمنیت کی آگئی ہو۔ پس ہر گاہ

فاضل بریلوی نے اپنی بات کی سچ میں ائمہ کرام اور کتب فقہ کی اہانت میں بھی
 پاک نہیں کیا۔ العیاذ باللہ!

اگر یہ شبہ ہو کہ نوٹ ہر گاہ ثمن خلقی نہیں ہے۔ پس حکم اس کا بعینہ کیوں کہ ہو سکتا ہے؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ چوں کہ عرفادہ عین ثمن خلقی سمجھا گیا اور تمام مقاصد ثمن خلقی کے اس کے ساتھ متعلق ہوئے۔ لا جرم باب

جاتے ہیں اور تا قیامت ہوتے رہیں گے۔ ان کے احکام اطلاقات احمدہ کرام سے لیے جاتے ہیں اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیزیں اس زمانے میں کب تھیں۔ لہذا یہ ان کی مراد وزیر حکم نہیں۔

رابعاً: سنیے تو! جناب نے اس جرم پر کہ وہ کاغذ دو پیسے کا بھی نہیں۔ بے چارے نوٹ کو قصد بیع کے قابل نہ سمجھا بلکہ خود سو روپے بیچنا مقصود بتایا تھا۔ اب یہ سادہ پرچہ کہ دھیلے چھدرام کا بھی نہیں، یہ کیسے ہزار روپے کو بکنے لگا؟ یہاں کون سے روپے لائے گا جن کا بیچنا مقصود بنایا گیا؟ محقق عالم کو لکھتے وقت خود اپنے آگے پیچھے کا خیال تو رہے، نہ یہ کہ ایک ہی صفحے میں نسبی ما قدمت بدادہ۔

خامساً: جناب نے یہ بھی ملاحظہ کیا کہ امام ابن الہمام نے یہ سجوز ولا یسکرہ بلا کراہت جایز ہے، کسی بحث میں فرمایا ہے بیع عینہ کی بحث میں۔ اب وہ بیع عینہ کی ممانعت کدھر گئی؟ یہ تو پانچ ہی سطر میں نسبی ما قدمت بدادہ ہو گیا۔ کیا اسی دن کے لیے جناب نے لا یسکرہ چھوڑ کر انتہی لکھ دی تھی؟

اس کے بعد اسی خامساً میں پھر فاضل بریلوی اپنے دل کی آرزو لکھتے ہیں:

”اب تو کہہ دیجیے سو کا نوٹ دو سو کو بیچنا ایسا جایز ہے جس میں کراہت بھی نہیں۔ آپ کی اسی انتہا پر انتہا کروں کہ رد و اعتراض کا عدد بفضلہ تعالیٰ ایک سو بیس تک تو پہنچ گیا۔ ولہذا الحمد“ (کفل الفقیر، ص ۶۵-۶۴)

خان صاحب سے عرض ہے کہ جناب! آپ نے صرف ایک سو بیس ہی پر انتہا کر دی اور آپ کے لوگوں نے اسے چار سو بیس کے لیے استعمال کرنا چاہا، اسی لیے آپ کی کتاب کے اشتہارات بھی دیے گئے (جیسے کہ ایک معتبر اشتہار کی نقل آنے والی ہے)، لیکن نوٹ پر لکھی ہوئی قیمت سے زیادہ یعنی حرام اور سود ہی رہی اور رہے گی۔ آج کے دور میں تو ان حضرات کی بات جن کی دلیلوں کا آپ نے رد لکھا ہے ہر خاص

ارے بھائی! حیلہ اس لیے نہیں ہوتا کہ اس پر عمل کیا جائے، بلکہ اس لیے ہوتا ہے کہ اگر کوئی بے چارہ مصیبت میں پھنس گیا ہو اسے مصیبت سے نکال دیا جائے۔ ورنہ سب سے زیادہ باعمل عالم وہ ہوتا جو سب سے زیادہ حیلے باز ہوتا۔ بریلوی عالم ہو سکتا ہے اپنے امام احمد رضا کے کہے پر چلتے ہوں اور حیلوں پر عمل کو فضیلت کی بات جانتے ہوں؟؟؟

غرض اس پوری بحث میں آخر کتاب تک خان صاحب اسی پر اصرار کرتے رہے کہ پانچ روپے کا نوٹ ہزار میں کیوں نہیں بک سکتا؟ وہ مولانا عبدالحی صاحب کے فتوے پر لکھتے ہیں:

”اقول اولاً: عینیت تو بارہا گھر تک پہنچادی گئی۔ اس کی آڑ تو چھوڑیے اور اب فرمائیے کہ نوٹ اور پرچہ کاغذ میں وجہ فرق کیا ہے۔ سادہ پرچہ تو ہزار روپے کو بک سکے، مگر جس پر پانچ روپے کا لفظ و ہندسہ لکھ دیا وہ پانچ سے زیادہ کو بیچنا حرام ہو جائے۔ بڑی منہوس گھڑی سے چھاپا تھا کہ چھپتے ہی نو سو پچانوے اڑ گئے“؟

یہ ہے اس فقیہ کا سنجیدہ انداز فتویٰ نویسی انسا للہ وانسا الیہ راجعون، ابھی اور ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں:

”ثانیاً: عینیت کے جو قاہر رد ہوئے انہیں جانے دیجیے تو آپ خود اپنے حتمی اخیر میں اس سے یک سرگز رچکے ہیں۔ مہربانی فرما کر اپنی اس تقدیر پر فرق کی تقریر سنا دیجیے۔ جی ہاں! سادہ کاغذ ہزار کو بیچنا جایز بتایا ہے اور کیسا کاغذ ناجایز ہے؟ ذرا بتائیے تو۔

ثالثاً: صاف انصاف تو یہ ہے کہ علمائے مطلق کاغذ فرمایا ہے، جو سادہ لکھے قلمی اور چھپے نوٹ اور غیر نوٹ سب کو شامل ہے۔ یہ سادگی تو آپ کی زیادت ہے اور مطلق کا کوئی متعین نیا پیرا ہو تو صرف اس بنا پر اسے حکم مطلق سے اخراج سراسر خلاف فقہات ہے۔ ہزار باحوادث نئے پیدا ہوتے

فاضل بریلوی نے اس رسالے کے آخر میں لکھا ہے:

فان یک صوابا فمن الله تعالیٰ وان یک خطاء فمنی
ومن الشیطان. (کفل الفقہ: ص ۱۶۸)

”تو اگر (یہ نوٹوں کے ذریعے سود خواری کے جواز کا فتویٰ) صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔“

جناب اعلیٰ حضرت بریلویہ! ہماری اس تنقیح و تنقید نے اس شک کو دور کر کے واضح کر دیا ہے کہ جناب کا یہ فتویٰ یقیناً نفس و شیطان کا دھوکہ ہی تھا، جس میں آپ گرفتار ہوئے۔

احمد رضا خان کا انجام قرآن و حدیث کی روشنی میں:

عن کعب بن مالک قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من طلب العلم لیجاری به العلماء او لیماری به السفهاء او یصرف به وجوه الناس الیه ادخله الله النار. (رواہ الترمذی وابن ماجہ عن ابن عمر، مشکوٰۃ: ص ۳۴)

”حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس لیے علم حاصل کرتا ہے کہ علم (کے زور) سے علماء سے جھگڑے گا یا کم سمجھ (جائل) لوگوں سے جھگڑے گا یا اس لیے کہ لوگوں کو اس کے ذریعے اپنی طرف متوجہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے آگ میں داخل کرے گا۔“

بریلوی احباب سے گزارش ہے کہ ہمارے اس سخت انداز بیان کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں سود کے علاوہ کسی بھی گناہ کے لیے اتنی سخت وعید نہیں آئی جتنی سود کے بارے میں آئی ہے اور فاضل بریلوی کی بے خونی کا حال آپ کے سامنے ہے۔

و عام پر واضح ہو گئی ہے کہ وہ ہی صحیح تھی اور آپ کا خیال غلط ہی رہا کہ دو آدمی آپس میں ملے کر کسی نوٹ کی جو چاہیں قیمت مقرر کر لیں۔

”کفل الفقہ“ کے آخر میں آپ ان الفاظ سے خود اپنے آپ کو اور اپنے ماننے والوں کو اپنی رائے کے ناقابل شکست ہونے کا یقین دلانا چاہتے ہیں:

”راکس ملے سے علم پختگی پاتے ہیں اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ذی رائے حضرات موافقت فرمائیں دوسری یہ کہ خلاف کرنے والوں کی انتہائی کوششیں سن لی جائیں اور باطل و بے اثر ثابت ہوں۔ یہ پہلی صورت سے بھی اقویٰ ہے کہ جب مخالفانہ کوششیں اثبات خلاف میں عرق ریزی کر کے ناکام رہیں۔ واضح ہو جاتا ہے کہ بحمد اللہ تعالیٰ مسئلہ حق ہے اور خلاف کی طرف راہ مسدود۔ بفضلہ تعالیٰ اس مسئلے نے دونوں قسم سے خط وافی پایا۔“ (کفل الفقہ: ص ۱۶۷)

شروع میں گزرا ہے کہ حضرت اقدس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ فاضل بریلوی نے ان کی وفات کے بعد دیکھا اور وہ کل آٹھ سطروں کا ہے۔ دیکھیں فتاویٰ رشیدیہ ج ۱، ص ۱۴۴، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔

مولانا عبدالحی صاحب کا فتویٰ ان کے فتاویٰ میں صرف اکتیس سطر کا ہے۔ ان بزرگوں کی عرق ریزی کا تو اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ البتہ فاضل بریلوی کا فتویٰ ایک سواڑھ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، جس میں انہوں نے جا بجا قواعد فقہیہ کا بے محل استعمال کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے اور بڑی عرق ریزی فرمانے کے باوجود ان کی تحریر الالہ الخصم کی تحریر سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

اس ہمت کی داد دیجیے کہ نوٹوں کے تبادلے میں سود کے جواز کے لیے کتنی بے باکی سے انہوں نے کتاب الحیل استعمال کی ہے اور کس دلیری سے نوٹوں پر نگہی ہوئی قیمت کو لوگوں کی فرض کی ہوئی قیمت بتا کر انہیں ترغیب اور اجازت دے رہے ہیں کہ پانچ روپے کے نوٹ ہزار روپے میں لیے جائیں۔ العیاذ باللہ!

کتاب الخلیل استعمال کر کے نوٹ کی حقیقت کو جان بوجھ کر بدلنا چاہے اور سمجھانے والوں کا مذاق اڑائے کیا اس کے متعلق اس خوش فہمی کی گنجائش ہے کہ اس کے دل میں کبھی تقویٰ کا گزر بھی ہوا ہے؟ مجتہد اور مجدد ہونا تو کجا، کیا اس کے کسی فتوے پر دوسرے علما سے پوچھے بغیر عمل کیا جاسکتا ہے؟

ہر مسلمان پر اپنا دین و ایمان بچانا فرض ہے۔ ایسے لوگوں کو ماننے والوں کی باتوں کو پرکھا کیجیے، بغیر سوچے نہ مانے اور انہیں مسلمانوں میں تفریق ڈالنے سے باز رکھیے اور اپنے واعظ سے یہ بھی پوچھ لیا کیجیے کہ مولانا صاحب! نوٹوں میں آپ کے نزدیک سود ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر وہ صحیح مسئلہ بتائے کہ سود ہوتا ہے تو پوچھیے کہ جو شخص نوٹوں میں سود کو جائز کہے اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟

جو آدمی صاف بات کرے اور اسے حرام کہے اور جائز کہنے والے کو یہ کہے کہ اس نے غلطی کی، اس کی بات سننے ورنہ اسے چلتا کیجیے اور اپنا ایمان بچا لے۔ ہم نے گزشتہ سطور میں اس کتاب کے اشتہار کا ذکر کیا تھا، اب ہم اس کی نقل پیش کرتے ہیں۔

انجمن حزب الاحناف لاہور کے سابق مفتی و شیخ الحدیث جناب ابوالبرکات سید احمد (م ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء) نے اس کتاب ”کفل الفقہ“ کا اشتہار بہ اس الفاظ شائع کیا تھا:

وہ ”نوٹ“ کے متعلق جملہ مسائل کو جائز طور پر خاطر خواہ نفع حاصل کر داور سود نہ ہو۔ نیز گنگوہی اور مولوی (عبدالحی صاحب) لکھنوی کے فتووں کا رد۔“

ملاحظہ ہو حسام الحرمین حزب الاحناف صفحہ آخر۔ (از مقدمہ رسائل چاند پوری، حاشیہ: ص ۸۷، ۸۸)۔

(۱) یہ کتاب ان شاء اللہ العزیز عن قریب ”تحفظ نظریات دیوبند اکادمی“ شائع کر رہی ہے۔ (ناشر)

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ.

(سورۃ بقرہ: ۲۷۹)

”پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کر لو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا۔“

(ترجمہ: فاضل بریلوی)

اور جو شخص اس کے لیے دلیل بازی کرے اسے جواب دیا گیا ہے:

أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا. (سورۃ بقرہ: ۲۷۵)

”اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود۔“ (ترجمہ: فاضل بریلوی)

جو اس کے جواز کے لیے اپنی عقل استعمال کرے قیامت میں اس کی سزا معاف اللہ یہ ہوگی کہ اس کی عقل سب کر لی جائے گی۔ اسے دورے پڑتے ہوں گے، لوگ دور سے دیکھ کر پہچان جائیں گے اس شخص کو سود کی سزا مل رہی ہے۔ ارشاد باری ہے:

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقْوَمُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي

يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا

الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا (سورۃ بقرہ: ۲۷۵)

”وہ جو سود کھاتے ہیں قیامت کے دن نہ کھڑے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا

ہے وہ جسے آسیب نے چھو کر مجنوں بنا دیا ہو۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا بیع

بھی تو سود ہی کی مانند ہے۔“

اس آیت مبارکہ کے حاشیے پر نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے سود کی خرابیاں لکھ دی ہیں اور آخر میں لکھا ہے:

”مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود

خوار اور اس کے کارپرداز اور سودی دستاویز کے کاتب اور اس کے گواہوں

پر لعنت کی اور فرمایا وہ سب گناہ میں برابر ہیں۔“

قرآن پاک اور احادیث مقدسہ میں اس قدر شدید وعیدوں کے باوجود جو شخص

نعم قال فجمع اصابعه فضرب بها صدوه وقال
استفت نفسي استفت قلبك ثلثا البر ما الهمانت
اليه النفس واطمان اليه القلب والاثم ما حاك في
النفس وتردد في الصدر وان افتاك النفس.

(راہ احمد والدارمی، مشکوٰۃ: ص ۲۴۲)

”حضرت ابو احمد ابن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسالت
مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے وابصہ! تم نیکی اور گناہ پوچھنے آئے
ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے اپنے دست مبارک کی انگلیاں
اکٹھی کر کے ان کے سینے پر ماریں اور ارشاد فرمایا کہ اپنے آپ سے پوچھا
کرو، اپنے دل سے پوچھا کرو۔ یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔ نیکی (اور
بھلائی) وہ ہے جس پر تمہارا نفس اور تمہارا دل مطمئن ہو اور گناہ (اور
برائی) وہ ہے جس سے تمہاری روح اور تمہارا دل تردد اور دھکڑ پکڑ محسوس
کرتے، چاہے لوگ فتوے دیتے رہیں۔“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت بخاری شریف میں ہے:

لا يبلغ العبد حقيقة التقوى حتى يدع ما حاك في
الصدر

”بندہ تقویٰ کی حقیقت پر اس وقت تک نہیں پہنچتا جب تک وہ چیز نہ چھوڑ
دے جو دل میں ٹھکتی ہو۔“

وقال حسان بن ابي سنان ما رأيت شيئا اهنون من
الورع د ع ما يريك الي ما يريك

(بخاری شریف: ج ۱، ص ۲۷۵)

”اور حضرت حسان ابن ابی سنان نے فرمایا کہ میں نے تقوے سے زیادہ
آسان کوئی چیز نہیں دیکھی کہ جو چیز تمہیں شک کی لگے وہ چھوڑ دے اور وہ

جس مسلمان نے یہ کتاب پڑھی ہوگی لا حول بھی پڑھی ہوگی اور خدا نے اسے سود
کی لعنت سے بچالیا ہوگا، لیکن بریلوی علما کا حال دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ شاید وہ خفیہ
خفیہ اپنے عقیدت مندوں سے چھپا کر اپنے مجتہد کے فتوے کے سہارے سود کھا لیتے
ہوں اور اسی کے اثر سے ان کے دل سے یہ خوف بھی جاتا رہا ہو کہ مرنے کے بعد خدا
کے سامنے پیش ہونا ہے۔ یہ ڈھٹائی اور بے حیائی سود خوری ہی کا اثر ہو سکتی ہے۔

عن النعمان بن بشير قال قال النبي صلى الله عليه
وسلم الحلال والحرام بين وبينهما امور مشبهة
فمن ترك ما شبه عليه من الاثم كان لما استبان له
اترك ومن اجترا على ما يشك فيه من الاثم او
شك ان يواقع ما استبان. والمعاصي حمى الله من
يرتفع حول الحمى يوشك ان يواقع.

(بخاری شریف: ص ۱۳، ص ۲۷۵)

حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
والسلام نے ارشاد فرمایا کہ حلال کھلی ہوئی چیز ہے اور حرام کھلی ہوئی چیز
ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں۔ تو جو مسلمان گناہ کی
مشتبہ چیز چھوڑ دے گا وہ کھلم کھلا گناہ کی چیز تو ضرور ہی چھوڑ دے گا اور جو
گناہ کی مشکوک چیز پر جرأت کر کے اس کا ارتکاب کرے گا قریب ہے کہ
وہ اس گناہ میں بھی مبتلا ہو جائے جو واضح طرح گناہ ہو اور معصیتیں ایک
اللہ کی چار دیواری میں (سرکاری) چراگاہ کی طرح ہیں، جو آدمی سرکاری
چراگاہ کے ارد گرد (اپنے جانوروں کو) چراتا ہے تو قریب ہے (خطرہ ہوتا
ہے کہ اس کا جانور) اس کے اندر چلا جائے۔“

عن وابصة بن معبد ان رسول الله صلى الله عليه
وسلم قال يا وابصة جئت تسأل عن البر والاثم قلت

باب (۴)

بریلی اور بدایوں کے علما کی حضرت نانوتوی سے اختلاف کی حقیقت

غلام رسول سعیدی صاحب نے فقہی مقام میں بدعت کی تعریف کی بحث بھی چھیڑی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس مضمون کے آخر میں ہم اس کے بارے میں کچھ عرض کریں اور اس سلسلے میں ان اختلافی مسائل کی حقیقت بھی ذکر کریں جن کو مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے بہت اچھالا جاتا ہے، لیکن اس سے پہلے یہ واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بریلی اور بدایوں کے علما نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے کیوں اختلاف شروع کیا؟ احمد رضا خان ابھی ۲۳ سال ہی کے تھے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ وفات پا گئے۔ فاضل بریلوی ان کے ہم عصر بھی نہیں ہیں۔ ان کے کچھ شاگردوں سے چھوٹے اور کچھ کے ہم عصر ہیں۔ پھر اختلاف میں وہ رنگ کیوں ہے جو معاصرین میں ہوتا ہے۔ اس کے لیے آپ کو دارالعلوم اور روح دارالعلوم حضرت نانوتوی کے مختصر حالات دیکھنے ہوں گے۔ یہ دارالعلوم سے شائع شدہ تاریخ سے لیے جا رہے ہیں۔

تحریک آزادی میں دارالعلوم کا حصہ:

دارالعلوم دیوبند کی سیاسی تاریخ کا آغاز قیام دارالعلوم سے بھی نو دس سال پہلے سے سمجھنا چاہیے ۱۸۵۷ء/ ۱۲۷۴ھ میں انگریزی اقتدار سے ہندوستان کی آزادی کے لیے دارالعلوم کے اکابر بالخصوص شیخ الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (عمر ۳۲

اختیار کر لو جس میں تمہیں شک نہ ہو۔"

اور د ع ما یریک الی ما یریک حضرت سیدنا حسن ابن علی رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ (مشکوٰۃ: ص ۲۳۲)
یہ تو حرام صریح اور سود کا مسئلہ ہے، جس کے گواہ اور لکھنے والے سب پر لعنت آتی ہے۔ والعیاذ باللہ!

حضرت مولانا عبدالحی اور حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ اسی خوف و خشیت اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انہیں ہدایات پر مبنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر اہل سنت مسلمان کو اس گناہ سے بچائے۔ چاہے وہ بریلوی علما ہی سے تعلق رکھتا ہو، بلکہ ہر مسلمان کو بچائے وہ جہاں بھی بستا ہو۔ آمین!

روایت کے مطابق اس نازک موقع پر حضرت نانوتویؒ نے بڑی جرأت اور دلیری سے کام لے کر تحصیل کے پھانک کو آگ لگا دی۔ مجاہدین آگ کے شعلوں ہی میں تحصیل کے اندر گھس گئے۔ بڑا سخت معرکہ پڑا، دست بہ دست جنگ کے بعد محصورین ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔

عین اس وقت جب انگریزی فوج کے سپاہی ہتھیار ڈال رہے تھے حضرت حافظ محمد ضامنؒ نے انگریزی فوج کی گولی سے جام شہادت نوش کیا۔ یہ واقعہ ۲۴ محرم الحرام ۱۲۷۴ھ کو دوشنبہ (پیر) کے دن ظہر کے وقت پیش آیا (۱)۔

معرکہ شامی کی ۱۴ ستمبر کی یہ وہی تاریخ ہے جس میں انگریزی فوج دہلی میں داخل ہو کر لال قلعہ پر قابض ہو گئی تھی۔ بد قسمتی سے ہندوستان کے عوام اس وقت اپنی طاقت کو منظم نہ کر سکے اور نتیجتاً انگریزوں کا پورے ہندوستان پر تسلط قائم ہو گیا۔

”علمائے ہند کا شان دار ماضی“ کی روایت کے مطابق یہ معرکہ تین دن تک جاری رہا، جس میں مجاہدین کا بہت نقصان ہوا۔ تیسرے دن حضرت حافظ ضامنؒ نے سرفروشی کو کام میں لا کر تحصیل کا دروازہ توڑ دیا اور خود انگریزی فوج کی گولی سے شہید ہو گئے (۲)۔

(۱) ۲۴ محرم الحرام ۱۲۷۴ھ کی مطابق حساب کی رو سے ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء ہوتی ہے۔ اس تاریخ شہادت کا ماخذ حکیم ضیاء الدین رام پوری (وفات ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء) کا غیر مطبوعہ رسالہ ”مونس مہجور“ ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ معرکہ شامی اور حضرت حافظ محمد ضامنؒ کی شہادت کے حالات متعدد حضرات نے لکھے ہیں، مگر کسی نے بھی اس واقعہ کے پیش آنے کی تاریخ نہیں لکھی۔ مونس مہجور ان کا مخطوطہ مدرسہ صولتیہ ملہ سکرمہ کے کتب خانے میں موجود ہے۔ یہ مصنف کا اصل مخطوطہ ہے۔ اس کی دریافت کا سہرا اقم سطور کے صدیق مكرم مولانا نسیم احمد فریدی امرودی کے سر ہے۔ فریدی صاحب نے مونس مہجور ان کے ضروری مقامات کے اقتباسات لے کر ان کو ماہ نامہ ”تذکرہ“ دیوبند بابت نومبر ۱۹۶۱ء میں شائع کر دیا ہے۔ مونس مہجور ان میں معرکہ شامی کی تاریخ ۲۴ محرم ۱۲۷۴ھ لکھی ہے۔ اس تاریخ کی تائید سر سید اور انگریزی و قاضی نگاروں کی تحریروں سے بھی ہوتی ہے۔ (سید محبوب رضوی)

(۲) جاں پازان حریت، ج ۳۔

سال) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ (۲۵ سال) اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۲۹ سال) وغیرہم حضرات نے استقلال وطن کے لیے جو سرفروشانہ جدوجہد فرمائی وہ تاریخ دارالعلوم کا صفحہ اولین ہے۔

ضلع مظفرنگر کے مشہور تاریخی قصبہ تھانہ بھون (۱) کے ایک اجتماع میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجرکتی کے ہاتھ پر بیعت امارت کر کے ان کو امیر منتخب کیا گیا اور اسی وقت انگریزی حکومت کے ختم ہو جانے کا اعلان کر دیا گیا اور آزادی وطن کے لیے جاں باز مجاہدین کی ایک جماعت بنائی گئی۔ حضرت حافظ محمد ضامنؒ شہید کو جماعت مجاہدین کا قاید بنایا گیا۔ اتفاق سے ٹھیک اسی زمانے میں انگریزی فوج کے چند سوار کہاروں کے کندھوں پر کارتوسوں کی بہنگیاں لدوائے ہوئے سہارن پور سے کیرانہ (۲) جارہے تھے، جماعت مجاہدین کے لیے یہ بڑا اچھا موقع تھا، انہوں نے سواروں پر حملہ کر کے ہتھیار چھین لیے۔ انگریز افسر جو ساتھ تھے مقابلے میں مارے گئے (۳)۔ اس کامیابی کے بعد مجاہدین نے قریب کی تحصیل شامی پر حملہ کیا۔ تحصیل کو انگریزی فوج نے قلعے کی طرح مستحکم کر کے دروازہ بند کر لیا۔ مجاہدین چوں کہ کھلے میدان میں تھے اس لیے انہیں انگریزی فوج کی گولیوں سے بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ سوانح قاسمی کی

(۱) تھانہ بھون کا قدیم نام تھانہ جیم تھا۔ ابو الفضل نے آئین اکبری میں یہی نام لکھا ہے۔ کثرت استعمال سے تھانہ بھون کہلانے لگا۔ تھانہ بھون اتر پردیش کے شمال مغربی حصے کا ایک قدیم قصبہ ہے۔ تھانہ بھون مظفرنگر کے ضلع میں واقع ہے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء سے پہلے اس کی آبادی ۵۰ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ آبادی کے گروہ شیر پڑہانی، بھٹی، جیس میں چار دروازے تھے۔ ستمبر ۱۸۵۷ء میں انگریزی فوج کے ہاتھوں بڑی طرح برباد ہو گیا تھا اور اب تو یہ اجڑے دیاروں میں شامل ہے۔ پانچ ہزار سے زیادہ کی آبادی نہیں ہے۔ اکابر علمائے دیوبند نے جہاں شامی کی تحریک کا یہی قصبہ مرکز تھا۔ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوتی اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوتی کا وطن ہونے کی وجہ سے اس قصبے کو شہرت حاصل ہوئی ہے۔ (حامد میاں)

(۲) کیرانہ ضلع مظفرنگر تحصیل ہے، پہلے یہاں کی تحصیل کا صدر مقام شامی تھا۔

(۳) سوانح قاسمی، ج ۲، ص ۱۳۸

انگریز وقایع نگار ہنری جارج کین کا بیان ہے کہ لڑائی صرف ایک دن جاری رہی، جس میں ۱۱۳ محصورین مارے گئے۔ لکھا ہے کہ

”لڑائی تمام دن جاری رہی، لیکن چوں کہ حملہ آوروں کی تعداد زیادہ تھی اس لیے ان کا پلہ بھاری رہا۔ انہوں نے بہت سی عمارتوں کے چھپروں میں جو احاطے کی دیوار سے باہر نکلے ہوئے تھے آگ لگا دی۔ محصورین میں ۱۱۳ آدمی مارے گئے، جن میں ابراہیم خان سب کلکٹر بھی تھا“ (۱)۔

انگریزوں نے شاملی پر حملے کا سخت انتقام لیا اور تھانہ بھون کو بری طرح تباہ و برباد کر دیا۔ حضرت حاجی صاحب مکہ مکرمہ ہجرت کر گئے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی چھ ماہ جیل خانے میں رہے۔ حضرت مولانا نانوتوی کا وارنٹ گرفتاری جاری ہوا، مگر انگریزوں کے ہاتھ نہیں آئے اور دوسرے بہت سے حضرات روپوش ہو گئے۔

ان حضرات کے دلوں میں چوں کہ برطانوی سامراج کی طرف سے ایک تلخ جذبہ ہمیشہ موجود رہا، اس لیے اس جذبے کے تحت قیام دارالعلوم ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء سے لے کر ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۷ء تک دارالعلوم کے بزرگ ملکی تعمیر اور جنگ آزادی کی جدوجہد سے حقیقی دل چسپی اور ہم دردی اپنے سینوں میں رکھتے آئے ہیں۔ حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ایک تقریر میں فرمایا تھا کہ

”۱۸۵۷ء کے بعد صرف یہی جماعت تھی جس نے آزادی کے تصورات کو ہندوستان میں زندہ رکھا اور بالآخر اس تصور کا سب کو دیوانہ بنا کر

چھوڑا۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے بقول اس تصور کے سب سے بڑے حامل حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی تھے۔ انہوں نے اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ کی قیادت میں تلواریں اٹھائی اور آزادی کی راہ میں سرفروشی کے ساتھ میدان میں اترے۔ شاملی کی تحصیل فتح کی

(۱) یہ حوالہ حالات حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی، مصنفہ ثناء الحق دیوبندی ثم کراچی ص ۵۳۔

آگے بڑھنا چاہتے تھے کہ حالات دگرگوں ہو گئے۔ دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔

گو میدان جنگ میں شکست ہو چکی تھی مگر جماعت کا تصور آزادی فنا نہیں ہوا تھا۔ اس زمانے میں مچھتہ کی مسجد میں ایک بزرگ نے انگریزوں کے تسلط اور ان کی غیر معمولی طاقت کو دیکھ کر کہا تھا کہ ”انگریزوں کے بڑے گہرے پنچے جتنے ہیں، دیکھیے کس طرح اکھڑتے ہیں۔“ اس پر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب صدر المدرسین اول دارالعلوم دیوبند نے جو حضرت نانوتوی کے عزیز و شاگرد اور رفقاء خاص میں سے تھے، بڑے پر جلال انداز میں فرمایا کہ آپ کس خیال میں ہیں؟ وہ وقت دور نہیں جب ہندوستان صف کی طرح لوٹ جائے گا۔ رات کو سوئیں گے ان کی حکومت میں اور صبح کریں گے دوسری عمل داری میں۔“ (تاریخ دارالعلوم ص ۵۰۶ تا ۵۱۰)

نیز تاریخ دارالعلوم میں تحریر ہے:

”حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے مزاج میں عجز و انکسار اس درجے کا تھا کہ علما کی مخصوص وضع میں جبہ و دستار کا کبھی استعمال نہیں کیا اور اپنی تعظیم سے بہت گھبراتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اس نام کے علم نے خراب کیا، ورنہ اپنی وضع کو ایسی خاک میں ملاتا کہ کوئی یہ بھی نہ جانتا کہ قاسم نامی کوئی شخص پیدا بھی ہوا تھا۔ جن امور میں نمایاں ہونے کا موقع ہوتا ان سے معمولاً دور رہتے تھے“ (۱)۔

۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۰ء میں حج کے لیے تشریف لے گئے، واپسی کے بعد مطبع مجتہائی میرٹھ میں تصحیح کتب کی ملازمت کر لی۔ ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء تک اسی مطبع سے وابستہ رہے۔ اسی زمانے میں دوسری مرتبہ حج کے لیے جانا ہوا اور اس کے بعد مطبع ہاشمی میرٹھ

(۱) سوانح قاسمی ص ۱۰۔

سے تعلق قائم ہو گیا، اس دوران میں درس و تدریس کا مشغلہ برابر جاری رہا، مگر کسی مدرسے کی ملازمت کبھی پسند نہیں کی۔ سوانح مخطوطہ کے مصنف (حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ) نے لکھا ہے:

”یہ سب کو معلوم ہے کہ مدرسہ اسلامی دیوبند آپ ہی کا ساختہ پرواختہ ہے اور کیا کچھ اس کا کارخانہ ایک چھوٹی سی سرکار، مگر ہرگز کسی چیز سے نفع نہیں اٹھایا۔ اوایل میں اہل شوریٰ نے درخواست کی کہ آپ بھی اس مدرسے کی مدرسے قبول فرمائیے اور اس کے عوض کسی قدر تنخواہ، مگر قبول نہ فرمایا اور کبھی کسی طور اور ڈھنگ سے ایک جہ تک کے لیے مدرسے سے روادار نہ ہوئے۔ حالاں کہ رات دن مدرسے کی خوش اسلوبی میں مصروف رہتے اور تعلیم میں مشغول اور اگر کبھی مدرسے کے قلم و دوات سے اپنا کوئی خط لکھ لیتے تو فوراً ایک آنہ مدرسے کے خزانے میں داخل کر دیتے“ (۱)۔

تحفظ اسلام کی خدمت اور اجرائے مدارس:

حضرت نانوتویؒ کا سب سے بڑا اور عظیم کارنامہ ہندوستان میں علوم دینیہ کی نشاۃ ثانیہ کے لیے تعلیمی تحریک کا احیا اور مدارس دینیہ کے لیے وہ رہنما اصول وضع کرنا ہے جن پر مدارس دینیہ کی بقا کا انحصار ہے۔ ان کی توجہ اور ترغیب سے مختلف مقامات پر دینی مدارس جاری ہو گئے۔ چنانچہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر، گلاؤشی ضلع بلند شہر، کیرانہ ضلع مظفر نگر، دان پور ضلع بلند شہر اور میرٹھ و مراد آباد وغیرہ میں مدارس قائم ہو گئے۔ جن میں سے اکثر اب تک موجود ہیں اور اپنے گرد و نواح میں علمی اور دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

ہندوستان میں انگریزی اقتدار کے دوش بہ دوش عیسائیت نے بھی بڑا فروغ حاصل کیا تھا اور ہر ممکن صورت سے ہندوستان کے لوگوں خصوصاً مسلمانوں کو عیسائی

بنانے کی زبردست کوشش کی گئی۔ کمپنی کی تائید و اعانت سے ملک کے طول و عرض میں مسیحی تبلیغ و تنظیم کے آثار قائم کیے گئے اور انقلاب ۱۸۵۷ء/ ۱۲۷۳ھ کے بعد تو اس سلسلے کو بڑی وسعت ہوئی۔ پادری بازاروں، میلوں اور عام مجمعوں میں اسلام اور آں حضرت سنی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات کرنے لگے۔ حضرت نانوتویؒ نے دلی کے قیام کے زمانے میں جب یہ صورت حال دیکھی تو اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ وہ بھی اسی طرح کھڑے ہو کر بازاروں میں وعظ کریں اور پادریوں کا رد کریں۔ ایک روز خود بھی بغیر تعارف اور اظہار نامہ مجمع میں پہنچے اور پادری تاراجند سے مناظرہ کیا اور اس کو سر بازار شکست دی۔ اس کے بعد ان کا تعارف مشہور مناظر اسلام مولانا ابوالمنصور ناصر الدین علی دہلویؒ (وفات ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء) سے ہوا، یہ ربیع الاول ۱۲۹۲ھ/ اپریل ۱۸۷۵ء تا جمادی الثانیہ ۱۲۹۲ھ/ جولائی ۱۸۷۵ء کے درمیان کا واقعہ ہے۔

اس زمانے میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ غشی ممتاز علیؒ کے مطبع مجتہابی دہلی میں قائم تھے۔

میلہ خدا شناسی شاہ جہاں پور:

انگریزی حکومت نے ایک خطرناک سازش یہ کی کہ ہندوؤں کو مسلمانوں کے مقابلے میں لا کھڑا کیا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کو سیاسی اہمیت حاصل رہی تھی۔ انگریزوں نے اپنی پالیسی کے تحت ہندوؤں کو بڑھایا اور مسلمانوں کو گھٹایا۔ جب معاشی و سیاسی میدان میں ہندو آگے بڑھ گئے تو ان کو مذہبی برتری کی راہ سجھائی اور ہندوؤں کو مسلمانوں کے مقابلے میں مناظرے کے لیے تیار کیا اور اس کے مواقع بھی پہنچائے گئے کہ ہندو مسلمانوں سے کھلے عام مناظرے کریں۔

شاہ جہان پور (یو پی) کے قریب چاند پور گاؤں میں کے زمین دار پیار سے لال کبیر پنھتی، پادری نولس کی سربراہی اور رابرٹ جارج کلکٹر شاہ جہان پور کی تائید و اجازت سے ۸ مئی ۱۸۷۶ء کو ایک میلہ خدا شناسی منعقد ہوا، جس میں عیسائی، ہندو اور

مراد آبادی اور آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانند جی (متوفی ۱۹۸۲ء/ ۱۳۰۱ھ) بھی شریک ہوئے۔ دیانند جی نے سنسکرت آمیز ہندی میں تقریر کی۔ پادری نولس نے ایک دوسرے پادری اسکاٹ کو بھی بلایا تھا۔ حضرت نانوتویؒ کی تقاریر بحث و جدل اور توحید اور تحریف پر ہوئیں اور نہایت کامیاب رہیں۔

اس مرتبہ علمائے اسلام کے قیام و طعام کے فرائض محمد طاہر موتی میاں نے انجام دیے۔ حضرت نانوتویؒ نے میلہ خدا شناسی میں دونوں سال شریک ہو کر عیسائیوں کی سازش کو ناکام بنا دیا۔ اس موقع پر پروفیسر محمد ایوب قادری (۱) نے مولانا احمد احسن نانوتویؒ کی سوانح میں لکھا ہے:

”ایک بات یہاں خاص طور پر غور طلب ہے کہ میلہ خدا شناسی شاہ جہان پور اعلان و اشتہار کے ساتھ دو سال منعقد ہوا اور اس میں ایک طرح سے مذہب اسلام کو چیلنج کیا گیا تھا۔ شاہ جہان پور سے بریلی اور بدایوں بالکل قریب اور متصل اضلاع ہیں، مگر اس میلے میں علمائے بدایوں و بریلی کی کسی دل چسپی کا سراغ نہیں ملتا“ (۲) (۳)۔

(۱) پروفیسر محمد ایوب قادری مرحوم نے تصنیفی خدمات خصوصاً شخصیات اور تاریخ پر انجام دیں ہیں۔ موصوف کی بزرگان دین پر خدمات کو دیکھتے ہوئے بریلوی مکتبہ فکر کے پاکستانی کارندوں نے یہ سمجھا کہ وہ بھی ”قادری“ ہوتے ہمارے ”بریلوی“ ہیں، محال کہ یہ بات غلط ہے۔ موصوف دیوبندی مسلک کے علمی آدمی تھے۔ ان کے حامیان کے لوگ آج بھی مراچی میں نہایت اعلیٰ عہدوں پر موجود ہیں۔ (شریفی)

(۲) محمد طاہر موتی میاں کو مولانا مظاہر احسن گیلانی نے شاہ مدن شاہ آبادی (وفات ۱۱۸۸ھ/ ۱۷۷۷ء) کی اولاد کے نام سے جو تصنیف نہیں ہے۔ موتی میاں مولوی مدن (مجد الدین) وفات ۱۲۲۸ھ/ ۱۸۱۳ء سے پرچہ تھے۔ موتی میاں ابن مولوی مہد اللہ ابن مولوی نظام الدین ابن مولوی مجد الدین عرف مولوی مدن (ملا دھک ہوتا رہا شاہ جہان پور) میاں متقی الدین حسن ۱۲۷۷ھ میں (۵)۔

۱۳۱ھ/ ۱۸۱۳ء محمد حسن ۲۲۱۔

(۳) مدن سے شاہ جہان پور کا قافلہ سوسیل سے زاید ہے۔ علمائے بدایوں و بریلی و مدن گرنے کے بجائے ان کا ممنون بننا چاہیے تھا۔ بس کہیں سے علمائے بدایوں و بریلی نے علمائے دیوبند سے اختلاف بنیاد ڈالی۔ (حامد میاں)

مسلمان تینوں مذاہب کے نمائندوں کو بہ ذریعہ اشتہارات دعوت دی گئی کہ وہ اپنے مذاہب کی حقانیت کو ثابت کریں۔ مولانا محمد منیر نانوتویؒ اور مولوی الہی بخش بریلویؒ کی تحریک پر حضرت نانوتویؒ، مولانا محمود حسنؒ، مولانا رحیم اللہ بجنوریؒ اور مولانا فخر الحسنؒ کے ہم راہ اس میلے میں پہنچے۔ حضرت مولانا نانوتویؒ کے علاوہ مولانا منصور دہلویؒ، مرزا موجد جالندھریؒ، مولوی احمد علی دہلویؒ، امیر حیدر دہلویؒ، مولوی نعمان ابن لقمانؒ اور مولانا ننگین بریلویؒ بھی شریک ہوئے۔ ان تمام علمائے اسلام نے اس میلے میں تقریریں کیں اور ان کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ حضرت نانوتویؒ نے ابطال تثلیث و شرک اور اثبات توحید میں ایسا بیان کیا کہ حاضرین جلسہ مخالف و موافق سب مان گئے۔

ایک اخبار لکھتا ہے:

”۸ مئی ۱۸۷۶ء کے جلسے میں مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب نے درس دیا اور فضائل اسلام بیان کیے۔ پادری صاحب نے تثلیث کا بیان عجیب طور سے ادا کیا کہ ایک خط میں تین اوصاف پائے جاتے ہیں۔ طول، عرض، عمق۔ سو تثلیث ہر طرح ثابت ہے۔ مولوی صاحب موصوف نے اس کا رد اسی وقت کر دیا۔ پھر پادری صاحب اور مولوی صاحب تقریر کے معاملے میں بحث کرتے رہے۔ اس میں جلسہ برخواست ہو گیا۔ تمام قرب و جوار اور چاروں طرف شور و غل مچ گیا کہ مسلمان جیت گئے۔ جہاں ایک عالم اسلام کا کھڑا ہوتا اس کے ارادہ ہزاروں آدمی جمع ہو جاتے تھے۔ اول روز کے جلسے میں جو اعتراضات اہل اسلام کے تھے ان کا جواب عیسائیوں نے چھو نہ دیا۔ مسلمانوں نے عیسائیوں کے جوابات حرف بہ حرف دیے اور فتح یاب ہوئے“ (۱)۔

دوسرے سال مارچ ۱۸۷۷ء میں یہ میلہ پھر منعقد ہوا۔ اس مرتبہ منشی اندر

(۱) اخبار ”خبر خواہ عالم“ دہلی، مورخہ ۱۹ مئی ۱۸۷۶ء، پانوال تاریخ صحافت اردو، ج ۲، حصہ اول، جس ۳۲-۳۱ء، ایلچیہ ”دی آریہ سماج“ انگریزی از دیوان چند جس ۱۲۲۔

مناظرہ رڑکی:

شوال ۱۲۹۳ھ / ۱۸۷۷ء میں مولانا محمد قاسم نانوتوی علمائے کرام کی ایک جماعت کے ساتھ حج کے لیے تشریف کے لیے گئے۔ ربیع الاول ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۷ء میں واپس ہوئے۔ واپسی میں جدہ سے حضرت نانوتوی کی طبیعت خراب ہو گئی۔ وطن آکر طبیعت کسی قدر سنبھل گئی مگر مرض رفع نہ ہوا۔ اسی سال شعبان ۱۲۹۵ھ / اگست ۱۸۷۸ء میں رڑکی سے اطلاع ملی کہ پنڈت دیانند جی یہاں پہنچے ہیں اور مذہب اسلام پر اعتراض کرتے ہیں۔ مولانا نانوتوی باوجود کم زوری اور بیماری کے رڑکی پہنچے۔ ہر چند چاہا کہ مجمع عام میں پنڈت جی سے گفتگو ہو جائے، مگر وہ اس کے لیے تیار نہ ہوئے اور رڑکی سے چلے گئے۔ حضرت نانوتوی کے ایما پر حضرت مولانا خضر الدین گنگوہی اور حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی نے عام جلسوں میں تقریریں کیں اور پنڈت جی کو چیلنج کیا۔ حضرت مولانا نانوتوی نے جلسہ عام میں ان کے اعتراضات کے جواب دیے اور استقبال قبلہ کے جواب میں ایک رسالہ لکھا ہے (۱)۔

اس کے بعد پنڈت جی میرٹھ پہنچے۔ انہوں نے وہاں بھی وہی انداز اختیار کیا۔ مسلمانان میرٹھ کی درخواست پر حضرت نانوتوی میرٹھ تشریف لے گئے۔ پنڈت جی نے وہاں بھی گفتگو کرنا منظور نہ کیا۔ مجبوراً حضرت نانوتوی نے میرٹھ کے جلسہ عام میں اپنی پرزور تقریر کے ذریعے سے اعتراضات کے جواب دیے۔

تحریک اصلاح عقد بیوگان:

عقد بیوگان کی ترویج بھی ان کا ایک عظیم الشان معاشرتی اور اصلاحی کارنامہ ہے۔ تیرہویں صدی کے آخر تک عقد بیوگان بہت معیوب سمجھا جاتا تھا۔ لوگ اس کی شاعت کو محسوس کرتے تھے، مگر اس کو ختم کرنے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ حضرت سید احمد

(۱) ملاحظہ ہواقتدار اسلام، مولانا محمد قاسم نانوتوی ص ۲۔ اور مے مطلوبہ، یو بند ۱۹۵۲ء

شہید، مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی، مولانا مملوک الاعلیٰ نانوتوی، مولانا مظفر حسین کاندھلوی، مولانا محمد احسن نانوتوی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی مساعی جمیلہ سے عقد بیوگان کو خوب شیوع ہوا۔ حضرت نانوتوی نے اپنی بیوہ بہن کو جو عمر میں ان سے بہت بڑی تھیں اور بوڑھی ہو چکی تھیں، نکاح پر آمادہ کر کے اس فتنج رسم کو اس طرح توڑ دیا کہ اب کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ یہاں کبھی یہ رسم موجود بھی تھی۔

حضرت نانوتوی کی دو درجن سے زیادہ تصانیف ان کی یادگار ہیں۔ انہوں نے اپنے زمانے میں ان مسائل پر قلم اٹھایا ہے جو اس وقت زیادہ تر زیر بحث تھے۔ ان کی تمام کتابیں کسی نہ کسی کے استفسار کے جواب میں لکھی گئی ہیں۔ منشی ممتاز علی (۱) مالک

منشی ممتاز علی:

(۱) منشی ممتاز علی ابن شیخ امجد علی میرٹھی اپنے زمانے کے مشہور خطاط تھے۔ نزہت رقم ان کا لقب تھا۔ فن خطاطی میں بہادر شاہ ظفر کے شاگرد تھے۔ ان کے لکھے ہوئے قرآن مجید صحت اور اعلیٰ کے لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ منشی صاحب کے ۱۴ اذکار کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ منشی صاحب پہلے دہلی میں مولانا احمد علی محدث سہارن پوری کے مطبع احمدی میں کتابت کرتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد انہوں نے میرٹھ میں اپنا مطبع چھپائی کے نام سے قائم کیا۔ حضرت نانوتوی انہی کے مطبع میں کام کرتے تھے۔ ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء میں جب منشی صاحب حج کے لیے گئے تو مطبع چھپائی کے حقوق مولوی عبدالہادی مرحوم نے حاصل کر لیے۔ اگلے سال حج سے واپس آکر انہوں نے ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء میں میرٹھ کے بجائے دہلی میں مطبع چھپائی قائم کیا۔ ۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۶ء میں منشی صاحب نے مکہ مکرمہ ہجرت کا ارادہ کیا تو پانچ سو روپے میں مطبع چھپائی دہلی مولوی عبدالاحد مرحوم کو فروخت کر دیا۔ مرزا غالب کے خطوط میں منشی ممتاز علی مرحوم کا ذکر کیا گیا ہے۔ غالب کی عود ہندی کو سب سے پہلے انہوں نے چھپائی میرٹھ میں چھاپا تھا۔ (سید محبوب رضوی)

قرآن کے آئینہ ذیل نسخے اور بریلویوں کا ایمان:

منشی ممتاز علی کے ہاتھ کا قرآن مجید کتابت کیا ہوا جو انجمن حمایت اسلام لاہور نے شائع کیا تھا، جس کی تصحیح حضرت امام نانوتوی نے فرمائی تھی، اور وہ منشی صاحب کی کتابت کا وہ نسخہ جو دارالتصنیف - کراچی نے شائع کیا تھا مملکت پاکستان میں قانوناً آئینہ ذیل نسخے ہیں۔ وزارت اوقاف و مذہبی امور میں جتنے رہنما پروف ریڈر قرآن پاک کے ہیں وہ ان ہی نسخوں کو سامنے رکھ کر تصحیح قرآن کے فرایض انجام دیتے ہیں۔ جن میں ایک بڑی تعداد احمد رضا خان کے ماننے والوں کی ہے۔ ذرا غور فرمائیے! ان کے اعلیٰ حضرت کے فتوے کی روش سے ان کا ایمان محفوظ ہے؟ (شریانی)

مطبع مجبائی دہلی نے ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء میں حضرت نانوتویؒ کی تصانیف کی اشاعت کا ایک پروگرام بنایا تھا۔ (از تاریخ دارالعلوم: ج ۱، ص ۱۱۵ تا ۱۲۱)

آپ نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں شاہ جہان پور کے میلہ خدا شناسی کا حال پڑھا اور یہ بھی پڑھا کہ اس میں علمائے بدایوں اور علمائے بریلی خاموش رہے۔ بس یہیں سے اختلاف کا آغاز ہوا۔ یہ اختلاف ”اختلاف حسد“ تھا، جو اختلاف نہیں ہوا کرتا بلکہ اس میں محض مخالفت ہوا کرتی ہے اور مخالفت بغیر الزام دیے نہیں چلتی۔ اس لیے آپ پر الزامات لگائے گئے۔ آپ کی عبارتوں کا مطلب بگاڑ کر لیا گیا اور تکفیری فتوے داغے گئے۔ انگریزوں نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھایا اور حاسد علماء انگریزوں کے جال کا شکار ہوئے، لیکن اکابر دارالعلوم دیوبند اپنی راہ پر لگے رہے۔

تکفیر کے لیے بریلوی ہر وقت تیار ہیں:

آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ ہر بریلوی مولوی حضرت نانوتویؒ کے بارے میں بُرے الفاظ استعمال کرنے کے لیے بلکہ معاذ اللہ ان کی تکفیر کے لیے آپ کو ہر وقت تیار نظر آتا ہے، لیکن وہ ان کی حیات، ان کے کارناموں اور علمی مقام سے نا آشنا ملے گا۔ قارئین کرام کو غور کرنا چاہیے اور خود ہی اکابر دیوبند کی کتابوں کا مطالعہ کر کے بریلوی حضرات کی کتابوں سے یہ موازنہ کرنا چاہیے کہ ان کی کوئی کتاب مشکل سے ایسی ملے گی جس میں اکابر دیوبند پر الزام تراشی نہ ہو اور انہیں برا ثابت کرنے کی سر توڑ کوشش نہ کی گئی ہو اور (اس کے برعکس) اکابر دیوبند کی کتابوں میں بریلوی علماء کا ذکر تک نہ ملے گا۔

قادیانی فتنہ اور دیوبندی خدمات:

یہی قادیانی فتنہ لے لیجیے۔ کتاب بڑا فتنہ تھا، اسے ختم کرنے کے لیے حضرت مولانا

انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ہمہ تن متوجہ ہوئے۔ پھر ان کے شاگرد و عقیدت مندوں نے باقاعدہ مجلس احرار اور تحفظ ختم نبوت قائم کر لی۔

مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں بہاول پور میں ایک واقعہ ہوا تھا کہ ایک مرزائی لڑکے سے مسلمان لڑکی کی شادی ہو گئی تھی۔ مسلمانوں نے منہ نکاح کا دعویٰ کیا۔ کیس ہائی کورٹ میں چل رہا تھا۔ مسلمانوں کا موقف یہ تھا کہ مرزائی غیر مسلم ہیں، نکاح درست نہیں۔ عدالت کے سامنے حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پیش ہوئے۔ عدالت ان سے بہت متاثر ہوئی۔ ان کا بیان لکھا، ان کے لیے علامۃ الدہر وغیرہ جیسے عظیم الفاظ لکھے۔ غرض شاہ صاحب نے اور علمائے دیوبند نے دلائل کے انبار لگا دیے۔ اس اثنا میں وہ لڑکا مر گیا (بہاول پور میں یہ سنا گیا ہے کہ مرزائیوں نے اس لڑکے کو مروادیا، بہر حال وہ جیسے بھی مرا ہو) اس کی موت کے بعد انہوں نے عدالت سے چاہا کہ تحقیق یہیں روک دی جائے، کیوں کہ لڑکے کا انتقال ہو گیا ہے، لیکن عدالت نے کہا کہ کیس جاری رہے گا اور عدالت نے یہ فیصلہ دیا کہ قادیانی غیر مسلم ہیں۔ اب (اس تحریر کے وقت) ۱۳۹۹ھ / ۱۹۷۹ء میں اس واقعہ کو چالیس سال گزر چکے ہیں۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے سارے متوسلین جو احرار میں تھے مرزائیت کا مقابلہ کرتے رہے۔ مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا محمد حیات صاحب فاتح قادیان جو آج کل ربوہ میں مسجد بنارہے ہیں اور مسلمانوں کو بشارتے ہیں یعنی فاتح قادیان و ربوہ (مدظلہ) اور مولانا لال حسین اخترؒ، چودھری افضل حق صاحب مرحوم، ماسٹر تاج الدین انصاری مرحوم، شیخ حسام الدینؒ، مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ، شورش کشمیریؒ، مولانا تاج محمود صاحب لائل پورؒ، مرزا غلام نبی جاں بازؒ اور خدا جانے کتنے جاں بازوں نے اپنی

زندگیاں اس خدمت کے لیے وقف کر دیں۔

۱۹۵۳ء میں حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ تمام بریلوی علما کے پاس گئے اور انہیں ساتھ لے لیا۔

پھر ۱۹۷۴ء میں مجلس تحفظ ختم نبوت نے جس کے امیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ تھے اور حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہم نے تحریک کی قیادت کی، مسلمانوں کے ہر طبقے کو ساتھ لیا۔ ایک نہایت عمدہ دستاویزی ثبوت پر مشتمل کتاب مرزائیوں کے خلاف جمعیت علمائے اسلام نے لکھی، جو انہوں نے اسمبلی میں پڑھ کر سنائی اور ممبران اسمبلی کو ہم خیال بنایا۔ موجودہ مرزاوودن اسمبلی میں اور مفتی صاحب کی جرح سے لاجواب ہو گیا، سب نے اس کا یہ تماشا بھی دیکھا۔ ورنہ ممبران اسمبلی مرزائیوں کی خرابیوں اور ان کے عقاید سے واقف نہ تھے۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ابنائے دارالعلوم اور وارثان علوم قاسمیہ ہی نے مرزائیوں کا ازاول تا آخر مقابلہ کیا اور یہ حقیقت آپ کے سامنے ہے۔ شرع سے لے کر تازہ واقعات تک دستاویزی ثبوت موجود ہے اور بریلوی علما یہ کہتے آئے ہیں کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد بھی نبی آنے کے قابل تھے اور معاذ اللہ ختم نبوت کے منکر تھے۔ یہ لوگ جان بوجھ کر حضرت مولانا نانوتویؒ کی عبارتوں کا الٹا مطلب لیتے ہیں۔ اپنا نامہ اعمال محض عناد میں سیاہ کرتے ہیں۔ امت محمدیہ میں تغریق ڈالتے ہیں جب کہ کسی دیوبندی عالم کو آج تک ان عبارتوں سے یہ شبہ بھی نہیں گزرا کہ معاذ اللہ ان کا یہ مطلب تھا۔ اس کے برعکس ان کا نظریہ تو نظریہ عملی زندگیاں ختم نبوت کے لیے وقف ہو گئیں۔ حالاں کہ وہی عبارتیں دیوبندی بھی پڑھتے ہیں۔

دوسری طرف بریلوی علما کا حال بھی دیکھیے کہ وہ اس میدان میں بھی پیچھے رہے ہیں اور ان کا یہ کام رہا ہے کہ خادمان دین متین اور فدایان ختم رسالت کے بارے میں

برے الفاظ استعمال کریں یا ان کی تکفیر کریں۔

دیوبندی وصف:

یہ فرق بھی آپ کو ہر جگہ ملے گا کہ بریلوی مولویوں کے جواب میں ان علما نے کبھی تکفیری زبان نہیں استعمال کی اور کبھی اپنے عوام کو بریلوی عوام یا علما سے ملنے سے نہیں روکا۔ کبھی بریلوی علما سے ملنے یا انہیں ساتھ ملانے یا انہیں عہدہ دینے میں بخل سے کام نہیں لیا۔

باب (۵)

بدعت کسے کہتے ہیں؟ اور اس کی تعریف

غلام رسول سعیدی صاحب نے مولانا خلیل احمد صاحب اور فاضل بریلوی کا موازنہ بھی کیا ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبہڑ کے رہنے والے تھے۔ (وہاں آم بہ کثرت ہوتے ہیں اس لیے اس کے نام کا پہلا جزء امبہ ہے۔ امبہ ہٹے سے کثرت استعمال کی بنا پر انبہڑ نام پڑ گیا)، یہ ضلع سہارن پور کا ایک قصبہ ہے۔ مولانا انبہڑوی کا تعارف:

آپ سہارن پور میں مدرسہ مظاہر العلوم کے شیخ الحدیث تھے اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے خلیفہ تھے (رحمہما اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ و رفع درجاتہما کمالاً)۔ آپ نے ابو داؤد و شریف کی (جو صحاح ستہ میں ہے) شرح لکھی۔ اس کا نام "بذل الخیر" ہے۔ یہ شرح بڑے سائز پر پانچ جلدوں میں ہے۔ آخر عمر میں مدینہ منورہ ہجرت کر گئے تھے اور ان کی تمنا پوری ہوئی، وہیں وفات پائی، سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ جب بھی کوئی انہیں برا کہے خدا ان کے درجے بلند فرماتا رہے۔ آمین!

سعیدی صاحب اپنے مضمون "اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام" میں لکھتے ہیں "مولوی خلیل احمد انبہڑوی نے براہین قاطعہ مصدقہ گنگوہی میں سنت و بدعت کا ایک فقہی ضابطہ بڑے فخر کے ساتھ اپنی کتاب میں درج کیا

پاکستان بننے کے بعد جامعہ خیر المدارس کا پہلا جلسہ ہوا۔ اشتہار چھپا۔ اس میں لکھا تھا کہ مستورات (عورتوں) کے لیے پردے کا انتظام ہوگا۔ اب جلسے کے دنوں میں تانگے پر اعلانات ہو رہے ہیں کہ آج فلاں مولوی صاحب کا بیان ہوگا۔ جس طرح کے اعلانات کیے جاتے ہیں۔ اب آگے آگے خیر المدارس والوں کا تانگہ ہے اور پیچھے پیچھے بریلویوں کا تانگہ اعلان کر رہا ہے کہ "اعلان سن رہے ہو، اشتہار پڑھا ہے؟ اس میں لکھا ہے مستورات کے لیے خاص انتظام ہوگا اور دیوبندیوں کو چندہ دو؟ یہ لکھا ہے کہ مست اور شرایعوں کے لیے خاص انتظام ہوگا رات کے وقت" اب دیکھو کتنا غلط مطلب نکالا اشتہار لکھنے والوں کے فرشتوں کو بھی علم نہیں۔

(خطبات صفحہ ۲ ج ۲ ص ۳۲۱)

ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اسی ضابطے کا کئی وجہ سے احتساب کیا ہے۔ ہم انہوی صاحب کا ضابطہ بیان کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت کے احتساب کا پتہ مختص پیش کریں گے۔ (فقہی مقام، ص ۷-۳۶)

نقل فتویٰ میں سعیدی صاحب کی خیانت:

اس کے بعد غلام رسول سعیدی صاحب نے دونوں کی تحریرات نقل کی ہیں، مگر انہوں نے یہاں بھی وہی حرکت کی ہے جو حضرت مولانا عبدالحی صاحب کے فتوے میں کی تھی کہ فتویٰ آدھا نقل کیا تھا۔ اسی طرح حضرت مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر بھی جو بدعت کی حقیقت سمجھانے کے لیے انہوں نے لکھی ہے آدھی نقل کی ہے۔ بریلوی علما کی یہی عادت ہے، اس لیے کسی صاحب علم کو کبھی بھی بریلوی عالموں کے حوالوں کا اعتبار نہ کرنا چاہیے۔

سنت و بدعت کی بحث بریلویت کی جان ہے اس پر ہی بریلویت کی عمارت چنی گئی ہے اور ان کے انتخاب کردہ بہت سے مسائل کا مدار اسی پر ہے۔ یہ بحث پہلے پہل مولوی عبد السمیع صاحب رام پوری اور مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی کے درمیان چلی تھی۔ براہین قاطعہ کے ص ۲۸ سے یہ بحث شروع ہوئی ہے اور ص ۳۳ تک چلی گئی ہے۔

سنت و بدعت کی بحث کا آسان خلاصہ:

ہم اس بحث کا خلاصہ آسان کر کے لکھتے ہیں مولوی عبد السمیع صاحب لکھتے ہیں:

”شکایت ثلاثہ اگر مولوی شریف حسین وغیرہ یہ بات کہیں کہ قرون ثلاثہ کے بعد جو حادثہ ہو وہ ضلالت ہے تو کچھ ان سے بعید نہیں، کیوں کہ غیر مقلد ہیں، لیکن اصحاب دیوبند جن کا مذہب تقلید ہوا اور یہ کہتے ہوں کہ امام واحد کی تقلید کل مسائل میں واجب ہے۔ چنانچہ فتویٰ مولوی محمد قاسم صاحب اور اظہار الحق سے یہ بات ظاہر ہے۔ پھر یہ صاحب کس طرح

فرماتے ہیں کہ ایجاد بعد قرون ثلاثہ کے بدعت ہے؟ یہ اعتقاد وجوب تعیین تقلید شخصی کا تو قرون ثلاثہ کے بعد حادث ہوا ہے۔ اپنے پیران پیر شاہ ولی اللہ صاحب کی حجتہ اللہ البالغہ کو دیکھیں کہ وہ لکھتے ہیں:

أَهْلُ الْإِمَانَةِ الرَّابِعَةُ لَمْ يَكُونُوا مُتَجَمِعِينَ عَلَى مَذْهَبٍ وَاحِدٍ۔
”پس جب کہ چوتھی صدی تک تقلید شخصی پر مجتمع نہ تھے تو ظاہر ہوا کہ چوتھی صدی کے بھی بعد یہ مسئلہ وجوب کا حادث ہوا۔“

اور خود چوتھی صدی قرون ثلاثہ سے بہت بعد ہے۔ تو مابعد چہارم تو نہایت بعد زمانہ ہوا۔ اور تنویر الحق میں مولوی قطب الدین خان صاحب نے قاضی ثناء اللہ کی تفسیر مظہری سے نقل کیا ہے

أَنَّ أَهْلَ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ لَمْ يَفْتَرِقُوا بَعْدَ الْقُرُونِ الثَّلَاثَةِ أَوْ الْأَرْبَعَةِ عَلَى أَرْبَعَةِ مَذَاهِبٍ۔ الخ

یہ بات ہم کو مضرت نہیں، کیوں کہ ہم بعض بدعت حسنہ کو واجب بھی کہتے ہیں اور بدعت حسنہ کا وجود فقط قرون ثلاثہ میں نہیں منحصر رکھتے، لیکن ان اصحابوں پر مشکل ہوگا۔“

سنت و بدعت کی پہچان کے لیے مفید ترین قواعد:

اس کے جواب میں حضرت (مولانا خلیل احمد) مہاجر مدنی نے بدعت و سنت جاننے کے لیے مفید ترین قواعد تحریر فرمائے ہیں اور وہ ان کتابوں میں موجود ہیں جو مسلمہ فریقین ہیں یعنی بریلوی بھی انہیں تسلیم کرتے ہیں۔ ہم انہیں فائدہ کے لیے یہاں لکھتے ہیں:

(۱) قرون ثلاثہ یعنی صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں کسی چیز کے موجود ہونے اور نہ ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے جواز کی دلیل اس زمانے میں پائی گئی ہو اور اس پر اس زمانے کے علما نے اعتراض نہ کیا ہو۔ ایسی چیز کو کہا جائے گا کہ اس کا ”شرعی وجود“ اس زمانے میں پایا گیا اور وہ سنت ہے اور جس کا وجود شرعی

اس زمانے میں نہ پایا گیا ہو وہ بدعت ہے۔

”شرعی وجود“ کا جملہ اصول فقہ میں بولا جاتا ہے۔ اصول فقہ کے علما ”وجود شرعی“ صرف اس چیز کا مانتے ہیں جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتلائی ہو اور آپ کے بتلائے بغیر وہ معلوم ہی نہ ہو سکتی ہو۔ اس میں عقل یا حواس کو دخل نہ ہو (جیسے طلوع فجر کے وقت نماز کا ہونا یا نہ ہونا یہ آپ ہی کے بتلانے سے معلوم ہوا ہے کہ خدا کے نزدیک اس وقت نماز ٹھیک نہیں ہوتی اور طلوع سے پہلے پڑھنی چاہیے یا پھر سورج بلند ہونے کے بعد پڑھیں)۔ آں جناب صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہے صراحتاً ارشاد فرمایا ہو یا اشارتاً ارشاد ہوا ہو یا دلائل۔ (سمجھ میں آ رہا ہو، جیسے قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ ماں باپ کو آف نہ کہو۔ اس سے دلائل صاف معلوم ہو رہا ہے کہ جب آف کہنا بھی جایز نہیں تو زیادہ تنگ کرنا گالی گلوچ دینا بہ طریق اولیٰ ضرور ہی منع ہوگا)۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے صراحت کے ساتھ یا اشارتاً یا دلائل جب کوئی چیز ثابت ہو جائے گی تو اس کا اور اس کی جنس کا وجود شرعی ثابت ہو جائے گا۔ چاہے وہ یا اس کی جنس اس زمانے میں وجود میں نہ آئی ہو۔ (جیسے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شیعوں اور خوارج کے وجود کی خبر دی اور ان کا حکم بتلایا، یا حضرت امام مہدی کے وجود کی اور نزول عیسیٰ علیہا السلام کی خبر دی اور اس وقت کے حالات اور احکام بتلائے وغیرہ۔ تو ان سب باتوں کا شرعی وجود پایا جا چکا ہے۔ اگرچہ بعض ظہور میں چودہ سو سال تک بھی نہیں آئیں۔ اسی طرح ہر مسئلے کو دیکھا جاتا ہے۔ ایک مثال سے ذرا اور واضح طور پر اسے سمجھ لیجیے کہ اگر کوئی شخص کسی سے زمین خریدتا ہے اس کی قیمت بھی دے دیتا ہے لیکن گورنمنٹ اس خرید و فروخت کو اس وقت مانتی ہے جب رجسٹری اور انتقال زمین ہو جائے۔ گویا رجسٹری سے پہلے گورنمنٹ کی نظر میں اس خرید و فروخت کا وجود نہیں ہوا اور اگر کسی طرح رجسٹری اور انتقال زمین لکھا گیا ہو تو سرکار کی نظر میں اس خرید و فروخت کا وجود ہو جائے گا۔ چاہے ابھی قیمت ادا نہ

کی گئی ہو۔ اسی طرح شریعت مطہرہ کی نظر میں وجود دیکھنا پڑتا ہے)۔

(۲) یہ بھی سمجھ لینا اور یاد رکھنا چاہیے کہ جو شرعی حکم ہے اس کا وجود شرعی ضرور ہوگا۔ تو سب احکام شریعہ کا شرعی وجود لازمی ہے۔ کیوں کہ حلت و حرمت کا حکم تو شارع علیہ السلام ہی کے ارشاد پر موقوف ہے۔ اس کے بغیر معلوم ہی نہیں ہو سکتا ہے۔ جس چیز کے جواز کا حکم ہو گیا وہ تمام جزئیات سمیت شرع میں موجود مانا جائے گا اور جس کے عدم جواز کا حکم ہو گیا تو شرع میں اس کا عدم ثابت ہو ہی گیا۔ پس حاصل یہ ہوا کہ جس کے جواز کی دلیل قرون ثلاثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ بہ وجود خارجی ان قرون میں ہو یا نہ ہو اور خواہ اس کی جنس کا وجود خارج میں ہو یا نہ ہو وہ سب سنت ہے اور وہ بہ وجود شرعی ان قرون میں موجود ہے اور جس کے جواز کی دلیل نہیں تو خواہ ان قرون میں موجود بہ وجود خارجی ہو یا نہ ہو، وہ سب بدعت ضلالہ ہے۔

(۳) اور یہ بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ اس زمانے میں اگر کوئی چیز پائی گئی ہو اور کسی نے نکیر نہ کی ہو تو یہ جواز کی دلیل ہے اور نکیر کی ہو تو یہ نکیر عدم جواز کی دلیل ہے۔ (ورد خوارج، شیعہ، قدریہ، معتزلہ اور جہمیہ بھی تو اس زمانے میں پائے گئے تھے، مگر ان پر نکیر ہوئی اور یہ سب فرقے باطل قرار دیے گئے)۔

لوگ عصر اور فجر کے بعد نفلیں پڑھ لیتے تھے مگر اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہؓ نے نکیر فرمائی۔ اسی طرح کسی جنس (فقهی جنس مثلاً انسانوں یا جنات یا حیوانات کے لیے کسی معاملے کا) کا قبول ہونا اس کے جواز کی دلیل ہوگا اور نکیر اس کے عدم جواز کی دلیل ہوگی۔

(۴) یہ قاعدہ بھی یاد رکھیں کہ کسی چیز کے لیے کسی حکم کو ثابت کرنا قرآن و حدیث سے ہی ہوتا ہے اور قیاس اس حکم کو ظاہر کرتا ہے۔ قیاس سے کوئی نیا حکم وجود میں نہیں آیا کرتا۔ پس جو قیاس سے ثابت ہوتا ہے وہ بھی کتاب و سنت ہی سے ثابت ہوتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ معلومات مجھے اساتذہ و اکابر سے ہوئی

علیہ وسلم نے دونوں جماعتوں میں سے کسی کو بھی کچھ نہیں فرمایا۔ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت نے حکم کا مطلب اور لیا اور دوسری جماعتوں نے ظاہری الفاظ پر عمل کیا۔ تو حدیث سے مطلب سمجھا اور اس کی درجہ بندی یہ مجتہد کا کام ہوتا ہے۔ ایک ہی حدیث سے کوئی امام وجوب مانتا ہے اور کوئی استحباب۔

تقلید شخصی پر اعتراض کا جواب:

حضرت مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ان قواعد کے بعد مولوی عبدالسمیع صاحب کے تقلید شخصی پر اعتراض کا جواب لکھا ہے:

”وہ لکھو کہ تقلید شخصی کی دلیل قرون ثلاثہ میں موجود ہے۔ وجود خارجی جب بھی ہوا ہو اس سے ہم کو بحث نہیں۔

فَسَلُّوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔
 ”پوچھو جاننے والوں سے اگر تم نہیں جانتے۔“

اس میں وجوب تقلید کا حکم ہے اور اس کے اطلاق کی وجہ سے اس میں تقلید شخصی اور غیر شخصی دونوں داخل ہیں اور دونوں مامور بہ ہیں۔ مسلمانوں کو اختیار ہے تقلید شخصی کریں یا دوسری صورت پر عمل کریں، لیکن آیت مبارکہ وَلَا تَفْرُقُوا اور حدیث تَكُونُوا فِي اللَّهِ اِخْوَانًا سے اختلاف و افتراق کے وقت تقلید شخصی کے وجوب کا حکم ثابت ہے۔“

مولوی عبدالسمیع صاحب نے ص ۳۱ پر لکھا ہے کہ

”اختلاف اقوال کا یہ حال ہے کہ بدعت میں چند اقوال ہیں۔“

پہلا قول: جو بات قرون ثلاثہ میں ایجاد کی گئی اس کو سنت کہنا چاہیے اور بعد میں ایجاد ہوئی اس کو بدعت قرار دینا چاہیے۔ جو چیز بدعت ہے وہ کل ضلالت اور سید ہے۔ یہ تذکیر الاخوان میں ہے۔

دوسرا قول: جو چیز بعد صحابہؓ اور تابعینؓ کے بعد نکالی جائے وہ بدعت ہے اور نامشروع، یہ مائتہ مسائل کے سوال چہل و ہشتم میں لکھا ہے۔

ہیں۔ اس جوہر کو اس کتاب میں ضرور تارکھتا ہوں۔

اس پر غلام رسول سعیدی صاحب نے آدھی بات نقل کر کے لکھ دیا:

”اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کا تعاقب: مولوی انیسوی صاحب نے اپنے اس کلام میں جواز شرعی کی دلیل کے وجود و عدم کا سنت و بدعت میں حصر عقلی کر دیا۔ پس استحباب اباحت اور کراہت تنزیہی ان تمام احکام کی نفی ہو گئی۔ کیوں کہ جس امر کے وجود کی دلیل شرعی پائی گئی وہ سنت ہے۔ استحباب اور اباحت کے ثبوت کی کوئی گنجائش نہ رہی اور جس امر کے جواز کی دلیل شرعی نہ پائی گئی وہ بدعت و ضلالت ہوگا۔ پس کراہت تنزیہی کا رفع ہو گیا۔“

(اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام ص ۷۷)

ارے بھائی! حضرت مہاجر مدنی نے آگے چل کر خود ہی جواز اور عدم جواز کے ثبوت کے طریقے بھی لکھ دیے ہیں کہ شریعت میں کیا کیا ہیں۔ انہوں نے آخری طریقہ بھی لکھ دیا ہے جسے قیاس کہا جاتا ہے۔ دیکھیے نمبر ۴ میں یہ موجود ہے۔ یہ مجتہد کا کام ہوتا ہے کہ وہ امر کو وجوب پر محمول کرتا ہے یا استحباب پر۔ استحباب اباحت اولویت، کراہت تنزیہی اور اسات کے احکام اسی طرح لگائے جاتے ہیں۔ آپ خود ان کی آدھی بات سن کر بول پڑے۔

مثلاً حدیث شریف میں ایک واقعہ آتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے فوراً بعد صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ تم سے کوئی بھی ہرگز عصر کی نماز بنو قریظہ میں پہنچنے سے پہلے نہ پڑھے:

لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ مِنْكُمُ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ

بہت تاکید حکم تھا، مگر راستے میں جب نماز قضا ہونے لگی تھی تو کچھ صحابہؓ نے کہا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ ہم وہاں پہنچنے میں جلدی کریں نہ یہ کہ واقعی نماز قضا کر دیں اور کچھ صحابہؓ نے فرمایا کہ ہم تو وہاں جا کر ہی پڑھیں گے اور انہوں نے نماز دیر سے پڑھی۔ جب یہ واقعہ عرض خدمت کیا گیا تو آں جناب صلی اللہ

”امریہ کہ منقول نہ باشد از آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ و تابعین غیر مشروع است۔“

اس تعریف میں تبع تابعین کا ذکر نہیں کیا گیا۔

تیسرا قول: صحابہ کا فعل تو سنت میں داخل ہے، لیکن صحابہ کے بعد جو قول و فعل حادث ہو وہ بدعت ہے اور ضلالت ہے۔ چنانچہ مکتوبات مجددیہ جلد اول کے مکتوب ایک سو چھیالیس میں ہے:

”ہر چہ در دین محدث و مبتدع گشت کہ در زمان خیر البشر و خلفائے راشدین او نہ بودہ علیہ و علیہم الصلوٰۃ و التسلیمات اگر چہ آن چیز در روشنی مثل فلق صبح بود این ضعیف را با جمع کہ با او بستند گرفتار عمل آں محدث مگرداناد۔“

اور اسی مکتوب کے آخر میں لکھا ہے:

”علیکم بالافتصار علی متابعت سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والاكتفاء علی اقتداء اصحابه الکرام۔“

اب دیکھیں! اس کلام سے تبع تابعین تو کیا خود گروہ تابعین بھی قابل اقتداء نہیں ہوگا۔ پس اس قول کے موافق ان کا قول و فعل بھی بدعت، واجب الاجتناب ہے۔

چوتھا قول: تابعین تو تابعین ہیں خود صحابہ کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ ان کی باتوں کو بھی بدعت کہتے ہیں۔ ان علماء کے نزدیک بدعت کے معنی یہ ہیں:

الْبِدْعَةُ مَا لَمْ يَكُنْ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر صحابہ بھی ایجاد کریں ان علماء کے نزدیک وہ بدعت ضلالت ہے۔ انہوں نے غیر مقلدوں کا اسی پر عمل ہے کہ وہ خلفائے راشدین کے فعل کو بھی بدعت اور ناجائز کہتے ہیں۔

(براین قاطعہ: ص ۳۱)

”پانچواں قول: واضح ہو کہ کافہ علماء اہل تحقیق کے نزدیک سیدہ اور حسن

ہونے کی بنیاد زمانہ پر نہیں یعنی یہ بات نہیں جو کچھ خیر و شر زمانہ قرونِ فلاش میں ہو گیا وہ سب سنت ہے اور مقبول ہے اور بعد زمانہ قرون کے جو کچھ بھلایا برا ہو وہ سب برا ہے اور مردود ہے۔“ (براین قاطعہ: ص ۳۹)

”سیدہ اور ضلالت وہی بدعت ہے جو مخالف قرآن و حدیث و اجماع کے ہے اور جو بدعت ایسی نہیں وہ درست ہے۔“

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

مَا أَخَذْتُ وَخَالَفْتُ كِتَابًا أَوْ سُنَّةً أَوْ إِجْمَاعًا أَوْ أَثَرًا فَهُوَ الْبِدْعَةُ الضَّلَالَةُ وَمَا أَخَذْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَلَمْ يُخَالَفْ مِنْ ذَلِكَ فَهُوَ الْبِدْعَةُ الْمَحْمُودَةُ.

(بحوالہ سیرۃ حلبی و بیہقی)

مولوی اسماعیل صاحب نے تقویۃ الایمان کے دوسرے حصے مسٹکی بہ تذکیر الاخوان میں فرمایا ہے: جو مجتہدوں نے اپنے اجتہاد سے نکالا وہ سنت میں داخل ہے۔“

(براین قاطعہ: ص ۳۳)

بدعت کی اس تعریف کو بریلوی علمائے پسند کیا ہے۔

مولوی عبدالسمیع صاحب کا مطلب یہ تھا کہ بدعت کی تعریف میں اتنے قول او گئے ہیں اور سب ایک دوسرے سے جدا ہیں، لیکن حضرت مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ اراتے ہیں کہ ان سب تعریفات کا مطلب ایک ہی ہے، کیوں کہ بدعت شرعیہ کی (سب سے مختصر اور سخت) تعریف بعض نے یہ لکھی ہے کہ:

”بدعت وہ محدث فی الدین ہے کہ زمانہ فخر عالم علیہ السلام میں موجود نہ ہو۔“

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا وجود آپ کے زمانے میں نہ ہوا ہو نہ فعلاً نہ تقریراً نہ صراحۃً اور نہ اشارتاً۔“

اور ہم بتلا چکے ہیں کہ موجود ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا شرعی وجود پایا گیا یعنی اس کی دلیل پائی گئی ہو۔ چاہے اس مسئلے کی کوئی صورت اس وقت تک سامنے نہ

قید بھی بڑھادی۔ جیسا کہ عالمگیر یہ نے محیط سے نقل کیا۔ اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ زمانہ تابعین میں اجتہاد و قیاس ہوا اور قواعد و ضوابط بنائے گئے، جو کچھ زمانہ صحابہ میں مخفی تھا ظاہر ہو گیا، تو درحقیقت یہ سب اسی کا اظہار اور ضبط تحریر میں لانا یا یاد کرنا تھا جو پہلے موجود تھا۔ کوئی ایسی نئی چیز نہ تھی جو پہلے سے نہ ہو یا پہلے سے موجود کے خلاف ہو۔

اس تعریف میں بعض علما نے تبع تابعین کے زمانے کا بھی اضافہ کیا ہے، کیوں کہ خیر القرون میں تبع تابعین بھی شامل فرمائے گئے ہیں اور فی الواقع اس قرن (زمانے) میں ائمہ مجتہدین نے قواعد شرعیہ کی بسط و تفصیل فرمائی اور اجتہاد و قیاس کے کلیات ایسے کامل طرح منضبط کر دیے کہ قیامت تک کو کافی ہوں۔ ان کے اختلاف سے اختلاف اُمّتی رَحْمَةُ کا کام ظہور ہوا۔

پس جس کی دلیل ان قرون ثلاثہ میں نہیں وہ بدعت و ضلالت ہے اور جس کی اصل یہاں ہے وہ جایز و مقبول۔ الحاصل ہر چہار قول جو مؤلف (مولوی اسماعیل صاحب رام پوری نے) شاذ لکھے ہیں اور پانچواں قول جسے مشہور اور جمہور کا اور قول معتبر لکھا ہے سب کا ایک ہی مطلب اور ایک ہی معنی ہیں۔ سوائے اس کے کہ الفاظ جدا جدا ہیں۔ باقی معنی میں بال برابر بھی فرق نہیں۔

اسی طرح بدعت بہ معنی خاص اور بدعت بہ معنی عام میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں ایک ہی ہیں۔ ان اقوال کو جدا جدا آپس میں معارض سمجھنا اور بدعت عام اور بدعت بہ معنی خاص کی تفریق کرنا سوائے کم سمجھی کے کچھ نہیں۔ گویا جو تعریف بریلوی علما نے پسند کی وہ بھی وہی ہے جو پہلے حضرات نے کی اور اکابر دیوبند کو اس سے اختلاف نہیں۔

مولوی اسماعیل رام پوری نے کہا کہ آپ بدعت کو منع کرتے ہیں اور منع کرنے کے لیے کوئی حدیث ہونی چاہیے۔ اس کا جواب حضرت مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا کہ قرون ثلاثہ میں نہ ہونا۔ (یعنی کسی کے وجود شرعی کا نہ پایا جانا) ہی خود ممانعت کی دلیل ہے (کہ جو مسئلہ بعد کی پیداوار ہے وہ خود بدعت ممنوعہ ہو جائے گا)۔

آئی ہو اور اس زمانے میں جواز کی دلیل نہ ہونا عدم وجود شرعی ہے۔ لہذا دونوں تعریفوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ بعض حضرات نے یہ دیکھتے ہوئے کہ اس تعریف کا مطلب سمجھنے میں غلطی ہو سکتی ہے اس تعریف میں یہ بڑھادیا ہے کہ بدعت وہ محدث (دین میں نیا ایجاد شدہ مسئلہ) ہے۔ جو خلفائے راشدین کے زمانے میں نہ پایا جائے۔ بعض علما نے اس سے بھی زیادہ وضاحت کی کہ وہ کام (اس کی دلیل کا ثبوت) زمانہ صحابہ میں نہ پایا گیا ہو۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جس کام کا شرعی وجود فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ ہوگا اس کا وجود شرعی قرن صحابہ میں بھی نہ ہوگا۔ جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔

پھر ایک حدیث میں خود فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمُهْتَدِينَ...

الخ.

”یعنی میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت لازم پکڑو۔“

دوسری حدیث میں فرمایا:

مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِي.

”یعنی جس طریقے پر میں ہوں اور میرے اصحاب۔“

اور ظاہر ہے کہ بعض ایسے امور زمانہ خلفائے میں اور زمانہ صحابہ میں ظاہر اور شائع ہوئے کہ ان کا ظہور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں نہیں ہوا تھا۔ البتہ ان کی اصل اور دلیل موجود تھی اور یہاں اس کا موجود ہونا مراد ہے (اسی کا نام ہے شرعی)۔ چاہے وہ قصہ یا معاملہ یا مسئلہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیش نہ آیا ہو۔

بعض علما نے صحابہ کرام کے زمانے کے بعد دور تابعین میں بھی اس چیز ہونے نہ ہونے کو سنت و بدعت کا فیصل قرار دیا اور بدعت کی تعریف میں اس زمانے

رمضان کے مہینے میں قیام (تراویح) کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ بہت اچھی بدعت ہے یعنی یہ ایسی ایجاد ہے جو پہلے نہ تھی اور جب شروع ہوئی تو اس میں کوئی رد و قدح نہ کیا گیا۔ کیوں کہ اس میں ایسی کوئی بات نہ تھی جس سے گزشتہ امور کا رد ہوتا۔ یہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کی گفتگو کا آخری حصہ ہے۔“

اب آپ کی ان تمام چیزوں میں جنہیں آپ بدعت حسنہ قرار دیتے ہیں اس قاعدے کی رو سے یہ دیکھنا پڑے گا کہ جب وہ ایجاد ہوئیں تو کیا اس زمانے کے علما نے ان سے اختلاف کیا یا نہیں؟ اگر اختلاف کیا ہے تو آپ کے پیش کردہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اصول کی رو سے وہ بدعت سیدہ ہونے سے نہیں بچ سکیں گی۔ اس تعریف کی رو سے جسے اعلیٰ حضرت کی زندگی میں پسند کیا گیا تھا آپ کی ساری ایجادات بدعت سیدہ قرار پائیں گی۔

کون اچھا اور صحیح راہ پر ہے:

ذرا یہ بھی غور کیجیے کہ اگر کوئی شخص جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفا صحابہؓ، تابعینؓ اور ائمہ مجتہدینؒ کی پیروی کرتا ہے اور آپ کو اس کی طرف دعوت دیتا ہے تو وہ آپ سے اچھا ہے یا نہیں؟ کیوں کہ اسے عشق رسول و صحابہ اس دایرے سے نہیں نکلنے دے رہے تو اس کا عشق رسول کیا آپ سے زیادہ بڑھا ہوا نہیں ہے؟ یہی حال حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور یہی حال علمائے دیوبند کا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي (سورہ آل عمران: ۳۱)

اور امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں (ص ۹۱۱ پر) اس مضمون کا ایک باب باندھا ہے اور احادیث مبارکہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہر مسلمان کو سنتوں پر پوری قوت سے عمل کرنا چاہیے۔

یہاں تک تو براہین قاطعہ کی عبارتوں کا خلاصہ تھا۔ اب اصل بات عرض کرتا ہوں کہ مولوی اسماعیل صاحب نے اور دیگر بریلوی علما نے جس تعریف کو پسند کیا وہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان فرمودہ ہے، انہوں نے اس کو ہی بنیاد بنا کر اس کا حوالہ دیا، لیکن افسوس کہ دانستہ اسے ناقص نقل کیا، ہم مکمل ارشاد نقل کرتے ہیں:

وروی البیہقی باسنادہ فی مناقب الشافعی عن الشافعی رضی اللہ عنہ قال المحدثات من الامور ضربان احدهما ما احدث مما يخالف كتابا او سنة او اثرا او اجماعا فهذه البدعة الضلالة والثانية ما احدث من الخير لا خلاف فيه لواحده من العلماء وهذه محدثة غير مذمومة وقد قال عمر رضی اللہ عنہ فی قیام شهر رمضان نعمت البدعة هذه یعنی انها محدثة لم تكن واذا كانت ليس فيها رد لما مضى هذا اخر كلام الشافعی رضی اللہ عنہ. (تہذیب الاسماء واللغات للإمام النووی رحمۃ اللہ تعالیٰ، الجزء الاول من القسم الثاني حرف الباء: ص ۲۲)

”امام بیہقی نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی سند کے ساتھ اپنی کتاب ”مناقب شافعی“ رضی اللہ عنہ میں نقل کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ دین میں (دین کا کام سمجھ کر) نئی چیزوں کی ایجاد و قسم کی ہے، ایک تو وہ محدث (نوا ایجاد چیز) جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ یا اقوال صحابہؓ یا اجماع کے مخالف ہو تو یہ وہ بدعت ہے جو ضلالت (گم راہی) ہے اور دوسری قسم وہ ایسی نیکی کی ایجاد ہے کہ جس میں کسی ایک بھی عالم نے اختلاف نہ کیا ہو، یہ وہ محدث (نئی چیز) ہے جو بری نہیں ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

سے اٹھالیتے ہیں، پھر وہ سنت ان میں قیامت تک نہیں لوٹاتے۔“

آپ لوگ جو بدعت حسنہ کا عنوان اختیار کر کے قیاسی اعمال کرتے ہیں ان میں تو اختلاف علما کی وجہ سے لازماً شک پیدا ہو جائے گا کہ یہ بدعت حسنہ ہیں یا نہیں؟ لیکن جو عمل جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر ائمہ مجتہدین تک کسی نے کیا ہے اس کے بدعت ہونے کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ اول تو یہ دیکھیں کہ علمائے دیوبند سنت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ قریب ہیں یا بریلوی علما؟ پھر یہ غور کریں کہ آپ ان سے کیا معاملہ کر رہے ہیں؟ ان سے نفرت رکھنی چاہیے یا ان کی قدر کرنی چاہیے کہ وہ محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر جان دیتے ہیں؟ اور آپ سے بھی یہی چاہتے ہیں کہ آقائے نام دار صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ کرام کے درمیانی عرصے میں جو دین کے اعمال تھے یا ایسے اعمال جن پر علمائے امت کا اتفاق ہو گیا ہو (جیسے مدارس، خانقاہیں اور سرائیں وغیرہ بنانا) ان پر قائم رہیں اور ایسے اعمال نہ کریں جن میں علما کا اختلاف رہا ہو۔

بدعت کا تعلق دینی اعمال سے ہے:

بعض لوگ اس موقع پر یہ کہتے ہیں کہ ریل اور ہوائی جہاز اس زمانے میں نہ تھے۔ یہ بھی بدعت ہوں گے۔

بھائی بدعت کا تعلق تو دینی اعمال سے ہے۔ ریل اور ہوائی جہاز دنیاوی سامان میں داخل ہیں، دینی امور میں نہیں ہیں۔ اور بدعت تو پ و غیرہ کی ترقی بلا اختلاف علما آلات جہاد کی ترقی میں داخل ہے۔

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ (سورہ توبہ: ۶۰)

میں فرما دیا گیا ہے کہ دشمن کے لیے جو تمہارا سے بس میں ہوتا رہے رکھو۔

حدیث پاک میں ارشاد ہوا:

أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّفْعُ

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّهَا النَّاسُ لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ يُقَرَّبُكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ إِلَّا قَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ وَلَيْسَ شَيْءٌ يُقَرَّبُكُمْ مِنَ النَّارِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ. الْحَدِيثُ (مشکوٰۃ شریف: ص ۴۵۲)

”حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اے لوگو! جو چیز بھی تمہیں جنت کے قریب اور آگ سے دور کر سکتی ہے میں نے تمہیں وہ سب بتا دی ہیں اور اس کے کرنے کا حکم دے دیا ہے اور جو چیز بھی تمہیں آگ کے قریب اور جنت سے دور کر سکتی ہے اس سے میں نے تم کو منع کر دیا ہے۔“

عَنْ غُضَيْفِ بْنِ الْحَارِثِ الثَّمَالِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَحْدَثَ قَوْمٌ بَدْعَةً إِلَّا رَفَعَ مِثْلَهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسَّكَ بِسُنَّتِهِ خَيْرٌ مِّنْ إِحْدَاثِ بَدْعَةٍ. (رواہ احمد، مشکوٰۃ: ص ۳۱)

”حضرت غضیف ابن الحارث ثمالی فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی قوم کوئی بدعت اختیار کرتی ہے تو ضرورتاً ہی سنت ان میں سے اٹھالی جاتی ہے۔ تو ایک سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہنا ہی چیز اختیار کرنے سے (بدعت سے) بہتر ہے۔“

وَعَنْ حَسَّانٍ قَالَ مَا ابْتَدَعَ قَوْمٌ بَدْعَةً فِي دِينِهِمْ إِلَّا نَزَعَ اللَّهُ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا ثُمَّ لَا يُعِيدُهَا إِلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ. (رواہ الدارمی: ص ۴۵)

”حضرت حسان سے روایت ہے کہ کوئی قوم جو اپنے دین میں بدعت اختیار کر لیتی ہے تو ضرورتاً ہی اللہ تعالیٰ ان میں اسی جیسی رائج سنتوں میں

ہے کہ کیا علما نے اس چیز کے بدعت حسنہ اور بدعت سیدہ ہونے میں اختلاف کیا ہے یا نہیں؟ کیوں کہ علما میں اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی اصل یعنی حدیث ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ ورنہ کس کی مجال ہے کہ اختلاف کرے۔ عام لوگ حدیث کی علمی باریکیوں تک تو نہیں پہنچ سکتے، بلکہ آپ نے ابھی پڑھا کہ علمائے بریلی کے سب سے بڑے عالم احمد رضا خان صاحب کو بھی غلطی لگ گئی اور وہ معتبر بد کا مطلب کچھ کا کچھ کر بیٹھے، تو ایسے لوگوں کو مجتہد کا درجہ کیسے دیا جاسکتا ہے اور کسی بدعت کو ان کی خواہش پر کیسے حسنہ کہا جاسکتا ہے؟

بریلویوں کو غور و فکر کی دعوت:

اپنے دل میں سوچیں کہ آپ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ آپ ان مسائل کو جن کا ثبوت بھی پوری طرح نہیں ملتا، کل دین سمجھ بیٹھے ہیں اور ان علما کو جن کی پوری کوشش یہ ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اسی حالت پر قائم رہے، آپ ایسے مولویوں کے اکسانے پر انہیں برا سمجھنے لگے یا کافر سمجھنے لگے۔ حالاں کہ وہ درحقیقت بے قصور ہیں بلکہ بلند درجات کے حامل ہیں۔ وہ فناء فی الشیخ، فناء فی الرسول، فناء فی اللہ بقاء باللہ کے مقامات پر فائز ہیں۔ انہیں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب حاصل ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رہبری،
دارالعلوم دیوبند کے لیے اعزاز:

یہ دارالعلوم دیوبند ہے، اس کی اس عمارت کی رہبری خود جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے۔ جس میں کہ آج تک حدیث، تفسیر اور فقہ کے مضامین پڑھائے جا رہے ہیں۔ (یہ واقعہ بحمد اللہ آپ پڑھ ہی چکے ہیں)

ان چیزوں کو قریب سے دیکھیں اور خدا کے لیے دیوبند اور بریلی دونوں جگہ

”دیکھو طاقت پھینکنے کی طاقت ہے۔“

اور آپ نے یہ جملہ بار بار ارشاد فرمایا، اس لیے اس میں علما کا کبھی اختلاف نہیں ہوا۔

البتہ جو بدعت ضعیف حدیثوں سے بلکہ ضعیف سے بھی نچلے درجے کی حدیثوں سے ثابت کی جاتی ہے ایسی حدیثوں سے کہ جن کے بارے میں علما میں یہ اختلاف ہو کہ یہ حدیث بھی ہیں کہ نہیں؟ ایسی باتوں پر عمل کرنا آپ خود اپنے دل سے پوچھیں کہ کیسا ہے؟

حدیث پاک میں آیا ہے:

دَعُ مَا يُرِيكَ إِلَى مَا لَا يُرِيكَ

”جس چیز میں شک ہو وہ چھوڑ دیں اور وہ اختیار کریں جس میں تردد نہ ہو۔“

اور ارشاد ہے:

اسْتَفْتِ قَلْبَكَ وَإِنْ افْتَاكَ النَّاسُ

”اپنے دل سے پوچھیں، چاہے مفتی فتوے دیتے رہیں۔“

تقوے کی حقیقت:

بخاری شریف میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے:

لَا يَلُغُ الْعَبْدُ حَقِيقَةَ التَّقْوَى حَتَّى يَدْعَ مَا حَاكَ فِي

الضُّدْرِ (ص ۵)

”بندہ تقوے کی حقیقت کو اس وقت تک نہیں پہنچتا جب تک وہ چیزیں نہ

چھوڑ دے جو دل میں کھٹکتی ہوں۔“

غرض بدعت کے حسنہ ہونے کے لیے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی آدھی بات نہیں بلکہ ان کا بیان فرمودہ مکمل اصول سامنے رکھنا نہایت ضروری ہے اور وہ یہ نکتہ

(دیکھیے المجممل المعداد لتالیف المجدد: ص ۳۳۲ پر باقاعدہ
چارت دیا گیا ہے۔ شائع کردہ مرکزی مجلس رضا لاہور۔ بار سوم رجب
۱۳۹۷ھ جولائی ۱۹۷۷ء)

غرض فاضل بریلوی نے ان حضرات کی طرف سے اپنے متوسلین کے دل میں
برائی بٹھانے میں اپنا پورا وقت صرف کر ڈالا، بلکہ پوری عمر اور پوری صلاحیت اور نام
لے لے کر خوب الزامات لگائے اور تکفیر کی۔ حالاں کہ خود اپنے عقاید کا حال وہ تھا جو
ہم فاضل بریلوی کی تفسیر پر تبصرے (۱) میں لکھ چکے ہیں۔

الزمامت انبیاء سے پرکنز الایمان:

انبیائے کرام علیہم السلام کی اہانت، وحی کا محفوظ نہ ہونا، حضرت آدم علیہ السلام
سے خطا کا صدور، حضرت داؤد علیہ السلام پر معاذ اللہ ان کے کسی امتی کی بیوی سے
خواہش نکاح کا الزام، حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ لکھنا کہ ان
کے دل راہ سے کچھ ہٹ گئے تھے اور نہ جانے کیا کیا بد زبانوں اور غلطیوں سے ان کا
ترجمہ قرآن پاک بھرا پڑا ہے۔

ان کے ترجمہ اور تفسیر والا قرآن پاک لے لیں اور جو کچھ ہم نے لکھا ہے اسے
ملاتے جائیں۔ جب ان کی تفسیر و ترجمہ کا یہ حال ہے تو باقی تحریرات کا تو کیا کہنا؟؟؟
دوسری طرف اکابر دیوبند کا صبر و تحمل دیکھیے کہ انہوں نے فاضل بریلوی کی کہیں
تکفیر نہیں کی۔ انہوں نے حتی المقدور ان کی طرف سے صرف نظر کیا اور کسی کسی نے ان
کے اور ان کے رفقاء کی باتوں کا جواب لکھا اور علمی انداز بیان قائم رکھا۔

فاضل بریلوی کی بدزبانی:

جب ان کی ہر کوشش ناکام گئی، دارالعلوم کا کچھ نہ بگڑا اور نہ ہی علمائے دارالعلوم

ان کے جواب میں گئے، نہ انہوں نے فاضل بریلوی کی جواباً تکفیر کی، بلکہ اپنے کام
میں لگے رہے، علوم نبویہ کی اشاعت، اعلیٰ اخلاق کی تعلیم، علوم نبویہ کی روشنی میں عملی
زندگی گزارنا، ذکر الہی، جہاد جیسے بلند ترین کاموں کے لیے اپنی زندگیاں وقف کیے
رہے اور ان کی عمر و محنت کا بہت بڑا حصہ گزر گیا تو وہ ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ انہوں نے
دلائل کا دامن چھوڑ کر بے نقط سنانی شروع کر دیں۔ نمونے کے لیے فتاویٰ رضویہ کے
صفحات ملاحظہ ہوں۔ آپ کو یہ تمیز کرنی مشکل ہوگی کہ یہ وہی شخص لکھ رہا ہے جسے
”فاضل بریلوی“ ”اعلیٰ حضرت“ اور ”مجدد“ کہا جاتا ہے یا لکھنے والا کسی ذہنی مرض کا
شکار ہے؟ کیوں کہ متن میں الزامات، بہتان (من گھڑت الزامات) اور بالکل خانہ
ساز ہمتیں ہیں اور حاشیے پر ضرب نمبر ۱، ضرب نمبر ۲ وغیرہ ہے۔ بڑے سائز کے ان
صفحات میں جناب باری عز اسمہ کی شان میں وہ باتیں لکھی ہیں جو کسی مسلمان کے
خیال میں بھی کبھی نہ آئی ہوں گی، پڑھ لے گا تو یاد بھی نہ رہ سکیں گی اور تھوڑی بہت یاد
بھی رہ جائیں گی تو وہ انہیں زبان یا قلم سے نہ دہرا سکے گا۔ والعیاذ باللہ!

یہ ہم آپ کے سامنے اس لیے پیش کر رہے ہیں کہ فاضل بریلوی کی اپنی ذہنیت
آپ کے سامنے آجائے۔ آپ یہ دیکھ سکیں کہ وہ کتنے ظالم شخص تھے اور آخرت سے
کیسے بے خوف و غافل۔ ہمارا خیال ہے کہ خداوند قدوس کی ذات پاک کے بارے
میں اتنی خرافات لکھنے کی جرأت کسی کافر نے بھی کبھی نہ کی ہوگی اور کسی مسلمان نے کبھی
کسی کافر پر بھی ایسے الزامات نہ لگائے ہوں گے۔ یوں لگتا ہے کہ خود احمد رضا صاحب
ہی کے دل میں خدا کے بارے میں ایسی باتیں آتی تھیں۔ وہی انہوں نے کچھ کسی کے
نام لگا کر اور کچھ کسی کے نام لگا کر لکھ دیں۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ فاضل بریلوی کی کتاب العقاید کے اس حصے
کو بغور ملاحظہ فرمائیں جو پیش نظر ہے۔

مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ متقی ہو، علم و دیانت کا حامل ہو۔ کیا یہ عبارت کسی

مسجد میں نماز پڑھائے۔

رنڈی کا مکان:

فاضل بریلوی کے ملفوظات میں ہے:

عرض: رنڈی کو مکان کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟

ارشاد: اس کا اس مکان میں رہنا کوئی گناہ نہیں۔ رہنے کے واسطے مکان کرایہ پر دینا کوئی گناہ نہیں۔ باقی رہا اس کا زنا کرنا یہ اس کا فعل ہے۔ اس کے واسطے مکان کرائے پر نہیں دیا گیا۔ (ملفوظات: حصہ سوم، ص ۲۷۸)

واہ واہ! کیا عجیب مجتہدانہ ارشادات ہیں۔ اب سب بریلوی مولویوں کو چاہیے کہ انہیں مکانات کرایہ پر دیں، کیوں کہ وہ محلوں میں اگر رہیں گی تو زیادہ کرایہ دیں گی اور جب کوئی پوچھے تو کرایہ نامہ دکھا دیا کریں کہ اس میں تو یہ نہیں لکھا ہوا، لیکن جناب! اہل محلہ آپ کے جوتے مار کر کا لامنہ کر کے اسی رنڈی کے ساتھ گدھے پر الٹا بٹھا کر گشت کرائیں گے اور محلے سے نکال دیں گے۔ تب آپ کو فاضل بریلوی کی امامت واجبہ کا پتا چلے گا اور آپ کے سوا داعظم ہونے کی قلعی کھل جائے گی۔

فاضل بریلوی کی تفرقہ بندی:

فاضل بریلوی نے ہر ہر جگہ تفرقہ بندی کو کس کس طرح دماغوں میں رچانے کی کوشش کی ہے۔ ان کے فتاویٰ رضویہ میں اس کی ایک اور مثال دیکھتے چلیے، وہ لکھتے ہیں:

”وضو (کی) دو قسم ہے۔ واجب و مندوب۔ واجب کا سبب معلوم ہے کہ اس چیز کا ارادہ جو بغیر اس کے طہال نہ ہو۔ جیسے نماز یا سجدہ یا مصحف کریم کو ہاتھ لگانا اور مندوب کے اسباب کثیر ہیں۔ آزاں جملہ قبہ سے ہنسا (۲) غیبت کرنا (۳) چغلی کھانا (۴) کسی کو گالی دینا (۵) کوئی نجس لفظ زبان سے نکالنا (۶) جھوٹی بات صادر ہونا (۷) حمد و نعت و منقبت کے

عالم کی ہو سکتی ہے؟ یہ نہ عالمانہ ہے نہ متقیانہ۔ یہ سوچیانہ بلکہ ان سے بھی گری ہوئی زبان ہے۔ مگر یہ بریلویوں کے اعلیٰ حضرت احمد رضا خان کی ہے۔ اس میں دلائل کے بجائے فحش کلامی ہے اور حاشیے پر ان ہی کی سرشت کے محشی نے ان الزامات کے حوالے کے بجائے فائدہ ضرب نمبر ۱، ف ضرب نمبر ۲۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ صریح الزامات ہیں۔ ان الزامات کے ثابت کرنے کے لیے کسی کی کوئی تحریر نہیں۔ یہ الزامات خان صاحب نے اپنے گھر میں بیٹھے مگن یا عالم خود فراموشی میں یوں ہی لکھ ڈالے اور ان لوگوں نے انہیں بے اصل جانتے ہوئے تفریق بین المسلمین کی غرض سے چھاپنا ضروری سمجھا۔ اس لیے ان پر فقط اور ضرب نمبر لکھ دیا۔

سادہ لوح لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ بھی کسی کتاب کا حوالہ ہے۔ فاضل بریلوی کی یہ تحریر ان کی جلن، حسد اور کینہ سینہ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ بیماریاں جس دماغ میں داخل ہو جائیں اس کا فتور لا علاج ہوتا ہے اور اس کی ساری صلاحیتیں آفت زدہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اسی بیماری کے اثر سے انہوں نے امت محمدیہ میں تفرقہ بندی کا بیج بویا اور ساری عمر اس کی آب یاری اور پرورش میں لگے رہے۔ والعیاذ باللہ!

فاضل بریلوی کا مجتہدانہ رنگ:

فتاویٰ رضویہ وغیرہ میں فاضل بریلوی کے مجتہدانہ رنگ کے نئے نئے شواہد موجود ہیں۔

حایضہ کے غسل کے پانی سے وضو درست ہے:

مثلاً وہ لکھتے ہیں:

”(مسئلہ نمبر ۱۵۷) حایض و نفسانے قبل انقطاع دم بے نیت قربت غسل

کیا، یہ پانی بھی قابل وضو ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ: ج ۱، ص ۲۵۶)

یعنی اس کے غسل کا پانی (جس میں حیض و نفاس کے قطرے بھی مل سکتے ہیں) امام احمد رضا کا ماننے والا اگر اس سے وضو کرے تو وضو ہو جائے گا (پھر چاہے وہ اپنی

تھی، اسی لیے اس کے باقی رکھنے کی وصیت کر گئے ہیں۔ ورنہ ان کی کتابوں میں اور ہے ہی کیا؟ ان کے فتووں میں غلطیوں کا حال تو آپ نے دیکھ ہی لیا ہے۔ جب مایہ ناز فتووں کا یہ حال ہے تو اسی سے اندازہ کر لیجیے کہ باقی فتووں کا کیا حال ہوگا۔

(۲) فاضل بریلوی نے قادیانی چکڑالوی نیچری کے ساتھ علمائے دیوبند کو بھی ملا دیا ہے اور انہیں بدترین الفاظ سے یاد کیا ہے۔ معاذ اللہ کذاب، بہائی، شیطانی وغیرہ۔ اس کے جواب میں ان کے ترجمہ اور تفسیر کی وجہ سے انہیں ایسے بہت سے القاب دیے جاسکتے ہیں، لیکن ہم صرف اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ان الفاظ کی پھٹکار اللہ تعالیٰ ان پر اور انہیں سچا ثابت کرنے والوں پر ڈالے یا انہیں ہدایت دے کہ وہ مسلمانوں میں تفریق کی لعنت پھیلانے سے توبہ کریں۔ غرض وہ مسلمانوں میں تفرقہ اندازی اور اپنے لیے وبال جاری کا کام کر ہی گئے کہ مسلمان لڑتے رہیں، ایک دوسرے کو کافر کہتے رہیں، آپس میں مصافحہ تک نہ کریں، بلکہ اسے گناہ کبیرہ اور حرام سمجھیں اور بدن بھی نہ چھونے دیں، لیکن اگر بریلوی حضرات کو فاضل بریلوی کی خیر خواہی مطلوب ہے تو انہیں اس وصیت کے ادبار جاری سے بچائیں۔

فاضل بریلوی کی فطرت:

فاضل بریلوی کے ایک مداح لکھتے ہیں:

”حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے علمی ذخائر میں یہ تلاش کرنا کچھ مشکل نہیں کہ آپ نے کس کس سے اختلاف کیا بلکہ اصل وقت طلب کام یہ ہے کہ وہ کون سا فقیہ ہے جس سے مولانا نے بالکل اختلاف نہ کیا ہو۔ اگر ایسا کوئی شخص نکل آیا تو یہ ایک بڑی تحقیق ہوگی۔ مولانا ایک مجتہد کی طرح ہر ذی علم سے اختلاف کرتے ہیں۔“

اس عبارت کو بہ غور ملاحظہ فرمائیں۔ اس میں فاضل بریلوی کی فطرت بیان کی گئی ہے۔ یہ ان ہی کے ایک عقیدت مند سید شجاعت علی صاحب کے مقالے میں ہے

علاوہ کوئی دنیوی شعر پڑھنا (۸) غصہ آنا (۹) غیر عورت کے حسن پر نظر (۱۰) کسی کافر سے بدن چھو جانا، اگرچہ کلمہ پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو جیسے قادیانی یا چکڑالوی، نیچری یا آج کل کے تہرائی رافضی یا کذاب یا بہائی یا شیطانی یا خواتمی، وہابی جن کے عقاید کفر کا بیان حسام الحرمین میں ہے، یا اکثر غیر مقلد خواہ بہ ظاہر مقلد و ہابیہ کہ ان عقاید ارتداد پر مطلع ہو کر ان کو عالم دین و عمدہ مسلمین کہتے یا اللہ و رسول کے مقابل اللہ و رسول کو گالیاں دینے والوں کی حمایت کرتے ہیں۔ جل جلالہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ یا جھوٹے متصوف کہ حلول و اتحاد کے قائل یا شریعت مطہرہ کے صراحۃً منکر و مبطل ہیں۔

ان دسوں طایفوں اور ان کے امثال سے مصافحہ کرنا تو خود ہی حرام قطعی و گناہ کبیرہ ہے۔ اگر بلا قصد بھی ان کے بدن سے بدن چھو جائے تو وضو کا اعادہ مستحب ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ، ج ۱، ص ۱۹۰ تا ۱۹۳)

زندگی بھر کی کمائی:

(۱) اس میں فاضل بریلوی نے یہ نہیں لکھا کہ بہتان تراشی کے بعد بھی وضو کرنا چاہیے، کیوں کہ وہ بہتان تراشی کرتے رہتے تھے اور اس کے بعد وضو نہیں کرتے تھے۔ پھر ان کی وصیت کے مطابق جو انہوں نے اپنے انتقال سے دو گھنٹے سترہ منٹ پہلے لکھوائی تھی ان کے پیروکار یہی بہتان تراشی کا پیشہ اپنائے ہوئے ہیں۔ ان کی رعایت بھی مقصود ہوگی، تاکہ انہیں بار بار وضو کرنے کی دشواری نہ ہو۔ ان وصیتوں میں ان کی آخری وصیت یہ ہے:

”اور میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے۔ اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔“ (وصایا شریف، ص ۹)

کیوں کہ اگر ان کی کتابیں درمیان سے حذف کر دی جائیں تو سنی حنفی مسلمانوں میں کوئی تفرقہ نہیں رہتا اور یہ تفرقہ بازی اور گروہ بندی ہی تو ان کی زندگی بھر کی کمائی

اور اس مقالے کو بریلوی طبقے نے اتنی اہمیت دی ہے کہ فتاویٰ رضویہ جلد پنجم کا مقدمہ بنادیا ہے۔ دیکھیے فتاویٰ رضویہ: ج ۵، ص ۳۰ طباعت دوم ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء، ناشر مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور۔

یہ ان فتاویٰ کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ پہلی بار ۱۳۳۶ھ/۲۸-۱۹۲۷ء میں طبع ہوئے تھے۔ یعنی تقریباً نصف صدی بعد یہ دوبارہ طبع ہوئے۔ اسی سے ان کی مقبولیت اور ضرورت و اہمیت کا اندازہ لگائیے، کیوں کہ جو مسائل ان فتاویٰ کی چودہ جلدوں میں ہیں ان کی کسی کو ضرورت نہیں پڑتی۔ جھگڑے کے لیے تو دس گیارہ مسئلے ہی چل سکتے ہیں۔

غرض ہم بھی یہی لکھ رہے ہیں کہ اختلاف، جھگڑا اور نزاع پسندی ان کی طبیعت تھی جو آپ کے سامنے ہے۔ ان کے مداح کی یہ عبارت اسی چیز کو واضح کرنے کے لیے نقل کی گئی ہے۔

یہ تفریق بین المسلمین کا سلسلہ فاضل بریلوی سے آج تک چلا آ رہا ہے اور ان میں جو شخص مسلمانوں کی تکفیر شد و مد سے کرتا ہے وہ اعلیٰ شمار کیا جاتا ہے۔

تبلیغی حضرات کی عورتوں سے زنا بالجبر کی تلقین:

بھارت میں جہاں آئے دن ہندو مسلم فسادات ہوتے رہتے ہیں، حالات کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان آپس میں مل کر قرآن پاک کی تعلیم کے مطابق

بُنَيَانٌ مَّرْضُوعٌ (سورہ صف: ۴)

”جس میں سیسہ پلایا گیا ہے۔“

بن جائیں۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

(سورہ آل عمران: ۱۰۳)

”اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلے اس طور کہ (تم سب) باہم

متفق بھی رہو اور باہم نا اتفاقی مت کرو۔“

کے حکم پر عمل پیرا ہوں، لیکن بریلوی واعظ اپنے امام کی پیروی میں وہاں بھی تفرقہ بازی کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں۔ مثلاً ایک صاحب منصور علی خاں جو بمبئی میں مسجد مدین پورہ کے امام ہیں، کرناٹک (میسور) کے شہر شیموگہ گئے، وہاں پر زور تقاریر سے مسلمانوں میں فرقہ واریت کی آگ بھڑکادی۔ شیموگہ کے مسلمانوں نے ان پر دعویٰ دائر کر دیا اور ان کی ٹیپ کردہ تقاریر سنائیں جن میں یہ مواد تھا۔ (ہم ”ندائے عرفات“ مطبوعہ شہر شیموگہ کی زبان میں نقل کر رہے ہیں)۔

”تبلیغی حضرات کی عورتوں کے ساتھ زنا بالجبر کی تلقین کی، ان کے پینے کے پانی میں کتے مار کر ڈال دینے کی تلقین کی، تبلیغی عورتوں یا مردوں کی جماعت آپ کے پاس آئے تو چپل اور جھاڑو سے تزاؤ مارنے کا مشورہ دیا اور کہا تم اپنی جھاڑو سے انہیں مارو، وہ اپنی چپل چھوڑ کر بھاگیں گے۔ وہ چپل آپ کے حق میں مال غنیمت ہوگی، آپ فائدے میں رہیں گے۔ ان ڈبل بارہ کو جہاں دیکھو وہاں مارو جیسے روٹی دھکنے والا رینڈٹ کی آواز سے روٹی صاف کرتا ہے ایسے ہی آواز ان کے مارے جانے پر ہونی چاہیے۔“

سوشل بائی کاٹ:

”وہابیوں کو نکاح کے لیے دختر (لڑکی) مت دو، ان کے مردہ تمہارے قبرستانوں میں مت دفن کرو، تمہاری مسجدوں میں انہیں داخل ہونے نہ دو، سلام نہ کرو، جو انہیں سلام کرے گا وہ کافر ہے، انہیں کافر نہیں جاننے والا بھی کافر ہے، (سرورق ہفت روزہ ”ندائے عرفات“، ج ۲، نمبر ۲، ش ۲، مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۷۹ء، بروز پنج شنبہ، جمعرات) طابع دنا شر و بدیر عتیق احمد، پیر سن پرنٹرز ایم کے کے روڈ شیموگہ کرناٹک (یعنی میسور)

باب (۷)

بریلویت کی حقیقت

بریلویت کس چیز کا نام ہے اور بریلوی بڑے کیا کرتے رہتے ہیں؟ اس کا خاکہ

یہ ہے:

بریلوی مدارس کا منظر:

۱: مسلمانوں کو اسلام کی مکمل تعلیمات سے روشناس کرانے کے بجائے چند مسائل میں الجھائے رکھنا۔

۲: ایسے مسائل چھانٹ چھانٹ کر سامنے لانا جن میں علمائے امت میں پہلے ہی سے اختلاف رہا ہو۔ پھر اس اختلاف کو اتنا بڑھانا کہ وہ کفر و ایمان کا مدار بن جائے۔ ان کے اکثر مدارس، طلباء اور علم سے خالی ہوتے ہیں۔ بس یہی بحثیں سکھا کر انہیں عالم فاضل بنادیا جاتا ہے۔

خود بریلی میں فاضل بریلوی کا مدرسہ طلباء و مدرسین سے خالی رہا۔ بریلی میں چار مدرسے ہیں: (۱) منظر اسلام، (۲) منظر اسلام، (۳) اشاعت العلوم اور (۴) مصباح العلوم۔ دو فاضل بریلوی کے مسلک کے ہیں اور دو حنفی دیوبندی۔ وہاں بھی فاضل بریلوی مسلک کے مدرسے کامیاب نہیں اور کسی جگہ تو کیا کامیاب ہوتے؟؟؟ خود فاضل بریلوی نے بھی کسی درس گاہ میں نہیں پڑھا تو وہ درس گاہ کو کیا جانتے؟

بریلویوں میں قاری نہیں ہوتے تھے۔ حضرت مولانا قاری عبدالمالک رحمۃ اللہ علیہ سے قاری غلام رسول وقاری خوشی محمد وغیرہ نے قرأت سیکھی ہے۔ قاری

بکو اس کرنے والے پر مقدمہ اور اس کا فیصلہ:

منصور علی خاں وغیرہ پر یہ مقدمہ ۱۷ اگست ۱۹۷۵ء کو دائر کیا گیا (ندائے عرفات: ص ۲، کالم ۱۲) اور ۲۱ اگست ۱۹۷۹ء کو جمعہ کے دن اس کا فیصلہ سنایا گیا۔ منصور علی خاں کو ایک سال قید بامشقت کی سزا، ایک ہزار روپے جرمانہ اور ان کے دو ساتھیوں کو تین ماہ قید اور پانچ سو روپے فی کس جرمانے کی سزا دی گئی۔ مقدمے کا فیصلہ نمبر سیکشن ۴۹۸ IPC اور ۴۴۷ IPC تحریر ہے۔

زنا بالجبر سے اولاد سنی کہلائے گی:

منصور علی خاں کی یہ تقریریں شیوگہ اور بھدراوتی میں مئی / جون ۱۹۷۵ء میں ہوئی تھیں۔ ”ندائے عرفات“ کے چار صفحات میں اسی مقدمے کی کاروائی جا بجا دی گئی ہے۔ ہم نے یہ کم حصہ نقل کیا ہے۔ اس جلیل القدر بریلوی عالم نے انور کالونی بھدراوتی میں خطاب کرتے ہوئے کہا:

”نوجوانو! وہابیوں، تبلیغیوں کی عورتوں سے زنا بالجبر کرو، اس سے جو اولاد

پیدا ہوگی وہ خود بخود سنی کہلائے گی“ (ندائے عرفات: ص ۴، کالم ۳)

قلعہ مین کرام! اس کا نام ہے بریلویت اور یہ ہے امام بریلوی مجدد مائتہ حاضرہ احمد رضا خان کی کتابوں کو پڑھ کر ان کی وصیت پر قائم رہنے کا اثر۔ اس مضمون میں ”بریلوی“ سے ہماری مراد ایسے ہی فاسد طبع اور فساد خصلت لوگ ہیں۔

عبدالملک صاحب (۱) نور اللہ مرقدہ خالص دیوبندی حنفی سنی تھے۔ ان سے انہیں صحیح قرآن پڑھنا آیا ہے۔ اگرچہ اس کا اتنا فائدہ ہوا ہے کہ ضاد کے مسئلے میں بریلوی لوگ بلا علم بحث و فساد کرتے تھے وہ ختم ہو گیا۔

بریلوی مسلک کی بنیاد ضعیف حدیثوں پر ہے:

۳: اختلاف کو پکا کرنے کے لیے ضعیف حدیثوں بلکہ موضوع (جھوٹ) روایتوں کو حسن (قابل استدلال) اور سچی کہہ کر ان پر اپنا مسلک بریلوی قائم کر دینا۔ ایسی حدیثوں کے بارے میں علمائے امت کی رائے کو بالکل نظر انداز کر دینا اور اپنی ہی کہے جانا (بریلوی مسلک کی بنیاد فقط ضعیف حدیثوں پر ہے، اس لیے وہ ضعیف حدیث کو قوی کرنے کے لیے بے انتہا زور صرف کرتے ہیں)۔

دورِ خنی چال:

۴: ایسے سب مسائل میں دورِ خنی چال چلنی، اس طرح کہ ایک طرف تو ان چیزوں کو لکھا تو جائے کہ یہ فقط مستحب ہیں، بہ شرطے کہ انہیں کرنے والے نیک ہوں، پاک ہوں، واڑھی نہ منڈاتے ہوں، نماز نہ چھوڑتے ہوں، بے اصل قصے نہ بیان کرتے ہوں وغیرہ۔ دوسری طرف ان پر عمل کے لیے زور دینا۔ انہیں اتنا ضروری قرار دینا کہ جو مسلمان یہ کام نہ کرے اسے حقیر بلکہ کافر جاننا۔ اس طرح مسلمانوں میں جھگڑے فساد کا بیج بوتا۔

بدعتی عوام سے بدعتی علما کو ڈر:

۵: یہ لوگ دنیا کے لالچ میں نبی عن المنکر کی سکت نہیں رکھتے۔ مثلاً لکھتے ہیں کہ قبروں پر سجدہ تعظیمی حرام ہے۔ خود احمد رضا خان صاحب نے حرمت سجدہ تعظیمی پر رسالہ بھی لکھا ہے، مگر کبھی منع نہیں کرتے۔

(۱) حکیم امت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے بیعت کا تعلق بھی رکھتے تھے۔ (شریفی)

لکھتے ہیں کہ مزامیر سے سماع حرام ہے، مگر کبھی منع نہیں کرتے کہ کہیں بدعتی عوام ہماری پٹائی نہ کر دیں۔

۶: پھر اس سب کا نام سنت اور حنفیت رکھنا اور فاضل بریلوی کو اس کا رنا سے پر مجدد مائتہ حاضرہ (موجودہ صدی کا مجدد) کہنا۔

۷: جو مسلمان سنت پر اور حنفی مسلک پر احمد رضا خان سے پہلے کے مسائل پر قائم رہنا چاہے اسے ہی النافرقہ بندی کا مرتکب قرار دینا اور اس سے دشمنی رکھنا۔ تعامل امت کو نظر انداز کرنا:

۸: علمائے امت کے تعامل کو نظر انداز کرنا، حالاں کہ مسائل میں تعامل کو بھی دیکھا جاتا ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تو اہل مدینہ کے تعامل کو حدیث صحیح سے بھی بڑا درجہ دیتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی گنجائش کا انکار کرنا:

۹: جس مسئلے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گنجائش چھوڑی ہو اس کی گنجائش ختم کرنا۔ مثلاً فرض نماز کا سلام پھیرنے کے بعد ایک ہی طریقہ ذکر لے کر اسے ہی لڑائی جھگڑے کی بنیاد بنادینا اور دوسری حدیثوں میں سلام پھیرنے کے بعد جو اور کلمات اور دعائیں آئی ہیں سب نظر انداز کر دینا۔ حالاں کہ نسائی شریف اور حدیث کی دوسری کتابوں میں سلام پھیرنے کے بعد کی دوسری دعائیں موجود ہیں۔

اصولوں کی مخالفت:

۱۰: مزید وضاحت کے لیے مثال عرض ہے کہ سنت فجر اور نماز فجر کے درمیان ذرا سی دیر کے لیے لیٹ جانا۔ بخاری شریف میں بھی آیا ہے (ص ۲۱)، لیکن حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے (جو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ الاستاذ ہیں) جب دیکھا کہ لوگ اس سنت کو ضروری قرار دینے لگے ہیں تو انہوں نے

گیارہ مسئلوں میں اختلاف حقیقت پر مبنی ہے یا محض فرقہ بندی کے لیے اور اپنی خواہش پر چلنے چلانے کے لیے ہے؟ اور اسے اتباع ہوئی کہا جائے گا یا اتباع سنت اور پیروی شریعت؟

کوئی بریلوی بھی متبع سنت نہیں ہے:

ان کی اس روش کا نتیجہ یہ ہے کہ بریلوی طبقے میں آپ کو کوئی بھی شخص ایسا نہیں مل سکتا جو متبع سنت ہو۔ جسے کہا جائے کہ اس کی زندگی صحابہ کرام کی حیات طیبہ کا نمونہ ہے بلکہ اگر کوئی بریلوی صحابہ وتابعین و تابع تابعین کے نقش قدم پر چلنے لگے گا اور اتباع سنت کی صراط مستقیم پر گامزن ہوگا تو ہرگز وہ بریلوی نہ رہے گا۔ اسے بریلوی اپنی جماعت سے خارج کر دیں گے کہ تو دیوبندی ہو گیا ہے۔

ان چند سطور پر غور کریں گے اور بریلوی علماء پر نظر ڈالیں گے تو آپ کو یہی کچھ نظر آئے گا جو لکھا گیا ہے۔ کیوں کہ ان کا ذہن اتباع فاضل بریلوی کی طرف چلتا ہے اور ان کی سیکڑوں کی تعداد میں جتنی بھی تصانیف ہیں سب اختلاف اور فرقہ بندی سکھاتی ہیں۔ تو یہ لوگ اسی میں الجھ کر رہ جاتے ہیں اور اسی طرف چل دیتے ہیں۔ اسی میں ان کی ساری ساری عمریں گزر جاتی ہیں، ذہن کو فرصت ہی نہیں ہوتی کہ وہ اتباع سنت کی طرف رخ کریں۔ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ

اس کے مکروہ ہونے کا فتویٰ دیا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم نخعی کے استاذ الاستاذ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بخاری شریف میں صفحہ نمبر ۵۰ پر روایت ہے کہ انہوں نے اس خدشے سے کہ کہیں لوگ ٹھنڈ کی وجہ سے بلا عذر بھی یتیم نہ کرنے لگیں فرمایا کہ اگر پانی نہ ملے تو نماز مؤخر کر دو۔ حالاں کہ مسئلہ ان کے نزدیک بھی وہی ہے جو قرآن پاک میں صراحتاً آیا ہے کہ ایسی صورت میں یتیم ہی کرے گا۔ انہوں نے غلط رجحان کے خدشے سے ایسے اہم مسئلے میں یہ فتویٰ دیا۔ پھر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جو عالم تھے مطمئن کرنے کے لیے اپنے مذکورہ بالا فتوے کی وجہ بتلائی۔ لیکن بریلوی علماء اس اصول کی پوری مخالفت کرتے ہیں، جیسے کہ ان کے اختلافی مسائل سے واضح ہے۔

بریلوی مدارس میں تدریسی نصاب:

۱۱: عجیب بات یہ ہے کہ الف، با سے لے کر بخاری، بیضاوی، ہدایہ اور شرح مواقف تک بریلوی لوگ تفسیر، حدیث، فقہ اور عقاید کی ان ہی کتابوں کے قائل ہیں جو تمام دیوبندی مدارس میں پڑھی پڑھائی جاتی ہیں۔ بس صرف چند ایسے مسائل میں اختلاف ہے جنہیں فاضل بریلوی نے ضروری کر دیا ہے اور انہیں ایمان و کفر کا ماپہ الامتیاز قرار دیا ہے۔ وہ سب مسائل ایسے ہیں کہ سات سو سال پہلے ان میں سے ایک کا بھی وجود نہ تھا۔ یہ خود ان ہی کے بڑھائے ہوئے ہیں۔ ان میں سے کوئی مسئلہ ایسا بھی نہیں ہے جو دنیا میں نئے حالات کی وجہ سے پیش آگیا ہو، ورنہ اس میں کلام کی گنجائش ہر عالم کو ہے۔ مثلاً ریل میں کھڑے ہو کر نماز اور ہوائی جہاز میں نماز، لاؤڈ اسپیکر پر نماز، سینما بینی، فوٹو برائی، ٹیلی فون پر نکاح، مشین سے ذبح کرنا ایسے نئے ضروری مسائل ہیں جو مانے دیوبند لکھتے ہیں اسے بریلوی حضرات صحیح مانتے ہیں۔ جب تفسیر، حدیث، فقہ، عقاید کی کتابوں میں کوئی اختلاف نہیں اسی طرح نئے پیش آنے والے حالات پر مسائل میں بھی اختلاف نہیں تو آپ سمجھ لیجئے کہ صرف دس

باب (۸)

دارالعلوم دیوبند سے جاری ہونے والے فتاویٰ کی تعداد

ذکر فتووں کا ہورہا ہے، اس لیے آپ کے سامنے صرف دارالعلوم دیوبند سے جاری ہونے والے فتووں کی تعداد رکھتا ہوں۔ ان میں نہ سب و شتم ملے گا، نہ مسلمانوں میں تفریق، نہ مسلمانوں کی تکفیر۔

دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی دور میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فتووں کے جوابات تحریر فرمادیا کرتے تھے۔ پھر ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء سے باقاعدہ ایک عالم فتووں کے جوابات ہی کے لیے مقرر کر دیے گئے، لیکن فتاوے کا اندراج نہ ہوتا تھا۔ ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء سے فتووں کے اندراج کا ناقص انتظام کیا گیا۔

۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء سے ۱۳۳۶ھ/۱۹۲۷ء تک سب فتوے علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی شیخ الاسلام پاکستان کے بڑے بھائی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ ابھی صرف ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء سے ۱۳۳۶ھ/۱۹۲۷ء تک کے فتاوے ”فتاویٰ دارالعلوم“ کے نام سے شائع کیے جا رہے ہیں، جو کم از کم ۱۲ جلدوں میں ہوں گے۔ اس درمیان میں کچھ سالوں کا ریکارڈ ضائع ہو گیا ہے، پھر بھی اس مدت کے جو فتاوے موجود ہیں ان کی تعداد ۵۶۱۷۳ (سینتیس ہزار پانچ سو اکٹھ) ہے۔

حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ایک سرسری اندازے کے مطابق حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب کے فتاویٰ کی تعداد ایک لاکھ اٹھارہ ہزار

حضرت مولانا محمد امین صندراو کاڑوی نے فرمایا:

دیوبندیت کے چار عناصر ہیں:

① فقہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کی،

② فقہ وحدیث میں تطبیق بہ طرز شاہ ولی اللہ،

③ تصوف بدعات سے پاک مجدد الف ثانیؒ کے طرز پر،

④ جذبہ جہاد شاہ اسماعیل شہیدؒ کا۔

کے لگ بھگ ہے۔

آپ کی وفات کے بعد دوسرے مفتی حضرت مولانا اعجاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مقرر ہوئے۔ آپ کو پہلی مرتبہ ۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۸ء سے ۱۳۴۸ھ / ۱۹۳۰ء تک اور دوسری مرتبہ ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۴ء سے ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۶ء تک اس منصب پر رکھا گیا۔ کیوں کہ حضرت مولانا کے پاس تدریسی اور انتظامی مشاغل ہمیشہ بہت رہے ہیں۔ ان تین سالوں کی مدت میں آپ کے فتاویٰ کی تعداد ۲۴۸۵۵ (چوبیس ہزار آٹھ سو پچپن) ہے۔

حضرت مولانا مفتی ریاض الدین صاحب ۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۹ء کے اواخر سے ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۲ء تک اس منصب پر رہے۔ اس مدت میں فتوؤں کی تعداد ۷۰۰۰ (سات ہزار) ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۲ء سے ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء تک اور پھر ۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء سے ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۳ء تک اس منصب پر کام کیا۔ اس زمانے میں فتاویٰ کی تعداد چھبیس ہزار ہے۔

حضرت مولانا محمد سہول صاحب ۱۳۵۵ھ / ۱۹۳۷ء سے ۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۹ء تک صدر مفتی رہے۔ آپ کے زمانے میں ۱۵۱۸۵ (پندرہ ہزار ایک سو پچاسی) فتوے جاری کیے گئے۔

حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب گنگوہی ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۸ء سے اوائل ۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء تک مفتی رہے، آپ کے زمانے میں ۵۸۴۰ (پانچ ہزار آٹھ سو چالیس) فتوے روانہ کیے گئے۔

حضرت مولانا محمد فاروق احمد صاحب ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء کم و بیش ایک سال مفتی رہے۔ آپ کے زمانے میں ۸۴۲۷ (آٹھ ہزار چار سو ستائیس) فتوے جاری کیے گئے۔

حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۷ء سے ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء تک مفتی رہے۔ آپ کے زمانے میں دارالعلوم سے ۷۵۳۲۴ (تین سو چوبیس) فتوے جاری کیے گئے۔ یعنی ۱۳۸۷ھ / ۱۹۶۷ء تک دو لاکھ ایک سو بانوے فتوے دارالعلوم دیوبند سے جاری کیے گئے۔

اب حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی اور مولانا مفتی نظام الدین صاحب اعظمی دونوں حضرات ۱۳۸۵ھ / ۱۹۶۶ء سے دارالعلوم دیوبند میں خدمت افتا انجام دے رہے ہیں (۱)۔ (ماخوذ از تاریخ دارالعلوم: ج ۲، ص ۲۳۶ تا ص ۲۶۰)

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ اور دیگر مراکز افتا کا ذکر ہی کیا؟

حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کے فتاویٰ ”امداد الفتاویٰ“ کے نام سے چھ جلدوں میں ہیں۔ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب ”مفتی اعظم برصغیر کے فتاویٰ کا ریکارڈ نہیں تھا، جو فتاویٰ شائع ہوتے رہے وہ جمع کیے گئے ہیں۔ وہ نو جلدوں میں ہیں۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے فتاویٰ، فتاویٰ دارالعلوم کے نام سے الگ شائع ہوئے ہیں۔ ان ہی فتاویٰ کی کتابوں کو دیکھیں تو ان میں بریلوی دیوبندی جھگڑوں سے پرہیزی ملے گا اور ان کا مطالعہ کرنے والا امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے درمیان تفریق کے خیالات سے پاک ذہن رہے گا۔

امت محمدیہ سے دشمنی:

دوسری طرف فاضل بریلوی کے فتاویٰ اور رسائل دیوبند کی نفرت سے پر نظر آئیں گے۔ آپ ہماری دعوت پر ضرور یہ موازنہ کریں اور غور کریں کہ آخر انہیں بریلی

(۱) ان بزرگوں کا وصال ہو گیا۔ اب حضرت مولانا مفتی ظفر الدین مدظلہ، حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری مدظلہ اور ان کے رفقاء کرام یہ کام انجام دے رہے ہیں۔ (شرعی)

باب (۹)

دارالعلوم دیوبند کی مقبولیت و عظمت کا راز

میں بیٹھے بیٹھے یہ جذبہ کیوں ابھرتا تھا؟ کہاں سے ڈور ہلتی تھی؟ ایک طرف انہیں عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ تھا اور دوسری طرف آپ کی امت مرحومہ کے ساتھ ایسی دشمنی؟

اکابر دیوبند سب کٹر سنی اور خفی ہیں اور ان کا طریقہ چشتیہ صابریہ ہے، طریقہ نقشبندیہ مجددیہ ہے، وہ طریقہ عالیہ قادریہ اور طریقہ مبارکہ سہروردیہ میں بیعت اور مجاز ہیں اور ان چاروں طریقوں میں بیعت کرتے ہیں۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرات دارالعلوم اور اس کے اکابر کے متعلق بھی کچھ جان لیں کہ یہ ادارہ کیا ہے، کن اولیاء نے اس کی بنیاد رکھی ہے اور اس کے کام کو آگے بڑھایا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات سے بھی اقتباس دیں گے۔ اس لیے ان کے حالات تاریخ دارالعلوم سے نقل کیے جاتے ہیں۔

مولانا ذوالفقار علی دیوبندی:

حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا محمود حسن (شیخ الہند) کے والد ماجد تھے۔ دہلی کالج میں حضرت مولانا مملوک العلی نانوتوی (وفات ۱۲۶۰ھ / ۱۸۵۱ء) سے پڑھا۔ فراغت کے بعد بریلی کالج میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ چند سال بعد محکمہ تعلیم میں ڈپٹی انسپکٹر ہو گئے۔ عربی زبان و ادب پر بڑی دسترس تھی۔ دیوان حماسہ کی شرح تسہیل الدراسہ، دیوان المہنتی کی شرح تسہیل البیان، سبۃ معلقہ کی شرح التعليقات علی السبع المعلقات، قصیدہ بانس سعادت کی شرح ارشاد اور قصیدہ بردہ کی شرح عطر الوردہ اردو میں تحریر فرمائیں۔

مولانا نے ان شروح میں عربی کے غریب اور مشکل الفاظ اور محاورات کا ایسا سلیس و بامحاورہ ترجمہ اور ایسی دل نشین تشریح کی ہے جس کی بدولت عربی ادب کی یہ سنگلاخ کتابیں طلباء کے لیے نہایت سہل اور آسان ہو گئی ہیں۔ معانی و بیان میں تذکرۃ

القدسية والابهة الوهبية الرضى التدبير الرحيم على
الصغير والموقر لكبير الفقيه المثل والعديم النظير
وسامة وجمالاً وفخامة وجلالاً وصورة وسيرة وسراً
وسريسة ورأياً ورياً وطباعاً ذكياً المسمى المخبر
البهي المنظر الخير الجبي التقى السخى النقى فخر
الامثال الامجد السيد الاجل محمد عابد ادامہ اللہ
وابقاءه وانى منتهى الامال رقاہ مادر سحاب وقدى
كتاب بتأسيس هذا المدرسة التى اسست على
التقوى والطريقة المثلى وان لم يساعده الزمان
والمكان ولم يوافقه الحين والاوان ذالك تقدير
العزیز العليم والحكيم الحلیم فانه اذا اراد شيئاً هياً
اسبابه وقدر له اربابه انما امره اذا اراد شيئاً ان يقول
له كن فيكون. فسيحان الذى بيده ملكوت كل
شيء واليه ترجعون.

فندب السيد اهل الخير الى اعانة هذه الثوبة
وتأييد هذه المشورة سنة اثنين وثمانين بعد الالف
والمائتين من هجرة سيد الثقلين صلى الله عليه
وسلم وعظم وكرم. فاستمعوا له وانصتوا له واجابوه
واتبعوه فصار المدرسة بسعيه المشكور ملجأ للعلم
وزويزه ومرجعاً للفضل ومنتسبيه ومؤلاً للدين

البلاغت اور ریاضی میں تسہیل الحساب ان کی یادگاریں ہیں (۱)۔

۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء میں عربی زبان میں ایک مختصر رسالہ ”الهدية السنية فى
احوال المدرسة الديوبندية“ کے نام سے لکھا ہے، جس میں بزرگان دارالعلوم
کے اوصاف و کمالات اور سرزمین دیوبند کی خصوصیات پر بڑے لطیف اور ادیبانہ انداز
میں تبصرہ کیا گیا ہے۔ (تاریخ دارالعلوم: ج ۱، ص ۲۳-۱۲۳)

ان کے بارے میں تاریخ دارالعلوم میں تحریر ہے:
حضرت مولانا ذوالفقار علی (والد ماجد حضرت شیخ الہند) ان اکابر میں سے تھے
جو دارالعلوم کی بنیاد و تاسیس میں شروع ہی سے شریک رہے تھے۔ دارالعلوم کے قیام کے
بعد تمام عمر مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ دارالعلوم کا خزانہ انہیں کی تحویل میں رہتا تھا۔
نہایت امانت و دیانت کے ساتھ انہوں نے اس خدمت کو انجام دیا۔ علم و فضل، تدبیر
و جاہت دنیوی اور خوش خلقی میں یگانہ روزگار تھے۔ (ج ۱، ص ۲۱۰)

وہ اپنے تاریخی رسالہ الہدیۃ السنیۃ فی ذکر المدرسة الاسلامیۃ
الديوبندية کا آغاز اس طرح کرتے ہیں۔

بسم الله الرحمن الرحيم

حامداً ومثيلاً ومسلماً ومصلحاً

لما اراد الله تعالى شانه وعز سلطانه. خير هذه البلاد
وارشاد العباد باحياء العلوم الدينيه والفنون اليقينية
اذعاناً وتصديقاً وإيقاناً وتحقيقاً اللهم السيد النسب
الجليل والشریف الحبيب النبيل صاحب القوة

(۱) اکابر دیوبند کا شجرہ چشتیہ بھی عربی میں نظم کیا ہے۔ جس کا مطلع ہے:

بإدائهم الانعام والاحسان
رحمنا على العبد الفقير الجاني
(حامد میاں)

فرمایا اس مدرسے کی بنیاد رکھنے کا، جس کی بنیاد تقویٰ پر اور افضل راستے پر رکھی گئی ہے۔ اگرچہ جگہ (خطہ انگریز) اور زمانہ نامساعد ہے اور وقت بھی موافقت نہیں کر رہا (۱۸۵۷ء کے بعد سے)، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی مقدر ہے جو غلبہ والا اور علیم ہے۔ حکمتوں والا اور حلیم ہے۔ وہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے اسباب مہیا کر دیتا ہے اور ایسے لوگ معین فرما دیتا ہے۔ وہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو کن کے حکم سے وہ چیز وجود میں آ جاتی ہے۔ پس پاک ہے ہر عیب و عجزی سے وہ ذات کہ جس کے قبضے میں ہر چیز کی ملکیت و حکومت ہے۔ والیہ ترجعون۔

سید صاحب نے اہل خیر کو اس کا ثواب میں امداد اور اس مشورے کی تائید کے لیے ہجرت نبوی کے ۱۲۸۳ھ (۱۸۶۷ء) میں بلایا۔ صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ وسلم و عظیم و کرم (بڑائیاں اور اکرام بخشے)۔ لوگوں نے آپ کی بات غور سے سنی، مدد کی، لبیک کہا اور آپ کے پیچھے چل پڑے۔ آپ کی سعی مقبول سے مدرسہ علم اور اہل علم کا ٹھکانہ بن گیا اور فضل اور اہل فضل کا مرجع دین اور اہل دین کا مقام بن گیا اور سید صاحب کے اعتبار سے کوئی ایسی نئی عجیب بات بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ جیسا اندر سے باپ کا نمونہ ہوا کرتا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہے عطا فرمادے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

حضرت کی تحریر میں الولد سر لا بیہ میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ آپ کے خاندان نے خانقاہ سید ابراہیم میں عرصے تک علمی خدمات انجام دی تھیں اور ہو سکتا ہے کہ اشارہ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو۔ واللہ اعلم!

تذکرۃ العابدین میں اس الہام کی تفصیل اس طرح دی گئی ہے:

”جب حضرت حاجی صاحب نے دوبارہ چل کر لیا تو ایک روز آپ نے

و مستحلیہ و ما غر و فان الولد سر لا بیہ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔

(الہدیۃ السنیۃ، ج ۲، مطبوعہ مطبع مجتہبی دہلی ۱۳۰۷ھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”حمد و ثناء باری اور صلوٰۃ و سلام بر نبی خیر الانام۔ جب اللہ تعالیٰ شانہ و عز سلطانہ نے ان شہروں کی بہتری اور بندوں کی رہنمائی کا اس طریقے پر کہ علوم دینیہ اور فنون یقینیہ (تفسیر و حدیث) کا اس طرح احیا ہو کہ اعتقاد، تصدیق، یقین اور تحقیق کے ساتھ ہو تو اس نے الہام فرمایا ایک ایسے سید (۱) پر جو بزرگ و بزرگوار، شرافت و سب والا اور برگزیدہ ہے۔ قوت قدسیہ والا اور خدا کی وہی بلند والا ہے۔

جس کی تدبیر پر (لوگ) راضی ہوتے ہیں۔ ہر چھوٹے پر شفقت اور ہر بڑے کی تعظیم کرنے والے ہیں۔ ان جیسا دوسرا کوئی آدمی نہیں ہے۔ وہ نقش و نگار و خوب صورتی میں اور عظمت و جلال میں صورت و سیرت میں اور تنہائی (کی پاکیزگی) اور طبیعت میں روشن کن رائے میں ذکی الطبع ہونے میں عدیم النظیر ہیں۔ آزمائش میں بلند دیکھنے میں پر رونق ہیں اور پسندیدہ مشورہ دینے والے ہیں اور جسے ان باتوں پر یقین نہ آئے تو (آزمائے، کیوں کہ) خبر کی تصدیق آزمائش کر دیتی ہے۔ باحیا، متقی، نخی، پاک باز اپنے جیسے بڑوں بڑوں کے لیے قابل فخر ہیں (جن کا نام نامی) سید الاجل محمد عابد ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو تادیر قائم رکھے اور ان کی آرزوؤں کی آخری حدود تک ان کو ترقی بخشا رہے۔ جب تک بادل برستا رہے اور کتاب پڑھی جاتی رہے (یعنی ہمیشہ)۔ ان پر اللہ تعالیٰ نے الہام

(۱) آپ کا تعلق سادات و یوہند سے ہے۔ آپ کا جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اتنا قریب و استے

ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیں تذکرۃ سادات و یوہند، ج ۳ ص ۲۶

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ صبح کو مولوی فضل الرحمن صاحب وغیرہ کو بلایا کہ علم دین اٹھا جاتا ہے، کوئی تدبیر کرو کہ علم دین قائم رہے۔ جب پرانے علمائے رہیں گے تو کوئی مسئلہ بتانے والا بھی نہ رہے گا۔ جب سے دہلی کا مدرسہ گم ہوا ہے کوئی علم دین نہیں پڑھتا۔ اس وقت سب صاحبوں نے عرض کیا کہ جو تدبیر آپ فرمائیں وہ ہم کو منظور ہے۔ آپ نے فرمایا کہ چندہ کر کے مدرسہ قائم کرو اور کاغذ لے کر اپنا چندہ لکھ دیا اور پے بھی آگے دھردیے۔ اور فرمایا کہ ان شاء اللہ ہر سال یہ چندہ دینا رہوں گا۔ چنانچہ اسی وقت سب صاحبان موجودہ نے بھی چندہ لکھ دیا۔ پھر حاجی صاحب مسجد سے باہر کو نکلے۔ چوں کہ حاجی صاحب کبھی کہیں نہیں جاتے تھے، جس کے گھر پر گئے اسی نے اپنا فخر سمجھا اور چندہ لکھ دیا۔ اس طرح شام تک قریب چار سو روپیہ کے چندہ ہو گیا۔ اگلے روز حاجی صاحب نے مولوی محمد قاسم صاحب کو میرٹھ خط لکھا کہ آپ پڑھانے کے واسطے دیوبند آئیے، فقیر نے یہ صورت اختیار کی ہے۔ مولوی صاحب نے جواب لکھا کہ میں بہت خوش ہوا۔ خدا بہتر کرے۔ مولوی ملا محمود صاحب کو پندرہ روپے ماہ وار تنخواہ مقرر کر کے بھیجتا ہوں۔ وہ پڑھائیں گے اور میں مدرسہ مذکور میں ساعی رہوں گا۔ چنانچہ ملا محمود صاحب دیوبند آئے اور مسجد چھتہ (۱) میں عربی پڑھانا شروع کیا۔

(۱) مسجد چھتہ میں حضرت حاجی محمد عابد صاحب قدس سرہ کا قیام ساٹھ برس تک رہا۔ (تاریخ دیوبند ص ۸۷) یہی مسجد حضرت حاجی محمد عابد صاحب کی عمارت گاہ تھی اور وہیں آپ کا خلوت خانہ تھا۔ وہ کمرہ اب تک ہے۔ ابھی ابھی معلوم ہوا ہے کہ وہیں آج کل مولانا مفتی محمود صاحب گنگوہی قیام رکھتے ہیں اور درس دیتے ہیں۔ درالعلوم میں بخاری شریف کا درس بھی دیتے ہیں۔ آج تک بھی بظلمہ تعالیٰ وہ انار کا درخت موجود ہے جس کے سائے میں مدرسہ شروع ہوا، اسی مسجد کے حجرہوں میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور حضرت نانوتوی رحمہما اللہ کا بھی قیام رہا۔ (تاریخ دیوبند ص ۲۹۰) اس کے شمالی حجرہ کی جگہ ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء میں اب نئی عمارت بن گئی ہے۔ (حامد میاں)

یہی واقعہ تاریخ دیوبند میں منشی فضل حق صاحب کی سوانح مخطوطہ کے حوالے سے مفصل لکھا ہے، آخر میں یہ شعر بھی لکھا ہے:

مرد حق عابد صداقت کیش او
اولا کستر اندر دمالش

مدرسے کا آغاز ۱۸۵۷ء سے تقریباً دس سال بعد ہوا۔ پنج شنبہ (جمعرات) کا دن تھا اور ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ (۳۰ مئی ۱۸۶۶ء) تھی۔

استاذ کا اسم گرامی بھی محمود تھا اور شاگرد کا بھی محمود (یعنی شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہما)

یہ چندے کا واقعہ بہ روز جمعہ ماہ ذی قعدہ ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء میں ہوا۔

(تاریخ دیوبند: ص ۲۲-۲۳)

جب یہ خبر عام ہوئی کہ علم عربی پڑھانے کو مدرسہ قائم ہو گیا ہے تو طالب علم (۱) جوق در جوق آنے لگے۔ یہاں تک کہ تھوڑے ہی عرصے میں باعث کثرت طلبا مسجد میں گنجائش نہیں رہی، تب ایک مکان (۲) کرایہ پر لیا گیا، مگر اس قدر کثرت طلبا کی ہوئی کہ تنہا ملا محمود صاحب "تعلیم نہ دے سکے۔ چنانچہ اس عرصے میں چندہ بھی زیادہ آنے لگا۔ اس وقت حاجی صاحب نے مولوی محمد قاسم صاحب، مولوی فضل الرحمن صاحب، مولوی ذوالفقار علی صاحب، مولوی مہتاب علی صاحب اور منشی فضل حق وغیرہ کو اہل شوریٰ قرار دے دیا کہ کاروبار مدرسہ حسب رائے اہل شوریٰ ہوا کرے اور خود

(۱) پہلے سال میں ۵۸ بیرونی طلبا میں صرف ۱۶ بچے تھے جو خود اپنے اخراجات کا کٹل کر سکتے تھے۔ بقیہ ۵۲ طلبا کے خورد و نوش اور قیام وغیرہ کا تمام تر بار اہل دیوبند نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ سبقت الی الخیر کا یہ عمل بالیقین ان لوگوں کو السابقون الاولون کے شرف سے ممتاز کرتا ہے۔ (باوجود ۱۸۵۷ء میں ان کی جائیدادیں بھی ضبط کر لی گئی تھیں)۔ (حامد میاں)

(۲) یہ مکان مسجد قاضی کے نزدیک لیا گیا تھا، جیسا کہ حضرت مولانا میاں سید امین حسین صاحب قدس سرہ نے تحریر فرمایا ہے۔ (حامد میاں)

بھی اہل شوری و سرپرست و مہتمم مدرسہ بلا تنخواہ رہے۔ جب چندے کی زیادہ آمد ہونے لگی، اہل شوری سے مشورہ کیا گیا کہ دو مدرس چھوٹی کتابیں پڑھانے والے اور مقرر کیے جائیں۔ مولوی محمد یعقوب صاحب کو بریلی سے بلا کر مدرس اول کیا جائے اور ایک مدرس فارسی اور ایک قرآن شریف کا مقرر کیا جائے۔ چوں کہ یہ کام متعلق دین محمدی کے تھا، اس لیے سب مدرس اہل فقر رکھے گئے، تاکہ کاروبار مدرسہ میں یہ لوگ دل سے توجہ کریں۔ (تذکرۃ العابدین: ص ۷۰)

حضرت حاجی محمد عابد صاحب قدس سرہ کی تجویز کہ قومی چندے کے ذریعے مدرسہ قائم کیا جائے، بہت مقبول اور کارگر رہی۔

تاریخ دیوبند میں ہے:

”دارالعلوم کی اس مثال نے ملک کے لیے مشعل راہ کا کام دیا۔ اجتماعی اور قومی کاموں کے لیے سرمایہ حاصل کرنے کا یہ پہلا تخیل تھا۔ اس ”نسخہ“ کیسے” کا ہاتھ آتا تھا کہ جا بجا اس کی تقلید میں مدارس جاری ہونے شروع ہو گئے۔ چنانچہ قیام دارالعلوم کے چھ سات ماہ کے بعد سہارن پور میں مظاہر العلوم اسی اصول پر قائم ہوا۔“

آگے چل کر لکھتے ہیں:

”دارالعلوم کے قیام کے آٹھ نو سال بعد ۱۸۷۵ء/ ۱۲۹۱ھ میں علی گڑھ کالج (مسلم یونیورسٹی) بھی اسی طریقے پر قائم ہوا۔“ (ص ۳۳-۳۳۳) تذکرۃ العابدین میں تحریر ہے:

”اسی زمانے میں مشورہ قرار پایا کہ دیوبند میں جامع مسجد (۱) نہیں ہے،

(۱) اب دیوبند میں متعدد مساجد میں نماز جمعہ ہوتی ہے، مگر جامع مسجد بھی کہلاتی ہے اور یہ سب سے بڑی مسجد ہے۔ (حادثہ میاں)

حال ہی میں اس جامع مسجد سے بھی بڑی مسجد مدنی گیت کے ساتھ بنی ہے۔ فن تعمیر میں ایک شاہ کار ہے۔ اسے ”جامع الرشید“ کہتے ہیں۔ (شریفی)

جامع مسجد بنائی جائے۔ چنانچہ آپ نے متفق الرائے ہو کر بازار کے نزدیک ایک اونچی جگہ پسند کی اور اس جگہ کھڑے ہو کر دعا بھی مانگی کہ خداوند! یہاں جامع مسجد بن جائے، مگر اس جگہ لوگوں کے مکان تھے۔ ہر چند تدبیریں کیں کہ یہ جگہ مل جائے مگر کوئی تدبیر پیش نہ آئی۔ کیوں کہ جب ان مکان والوں سے کہتے تھے کہ یہ جگہ دے دو تو یہ کہتے تھے کہ اپنے مکان ہم کو دے دو اور یہ جگہ لے لو۔ یہ سن کر خاموش ہو جاتے تھے۔ آخر الامر ایک روز حاجی صاحب نے بھی ان سے کہا، انہوں نے وہی جواب دیا۔ اس وقت حاجی صاحب نے فرمایا کہ میں نے اپنا مکان اور نشست گاہ کو تم کو دیا، تم جگہ مسجد کو دے دو۔ انہوں نے فوراً دے دی۔ حاجی صاحب نے اپنا مکان دینٹھک ان کو دے کر ارادہ حج بیت اللہ شریف ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۸ء کیا اور جو کچھ جائیداد جدی تھی اس کو عزیزوں قریبوں میں تقسیم کر دیا۔ مولوی رفیع الدین صاحب کو مہتمم مدرسہ مقرر کر دیا اور آپ برائے حج بیت اللہ روانہ ہوئے۔ اس وقت شہر والوں کو اتار نچ تھا کہ تحریر نہیں ہو سکتا۔“ (تذکرۃ العابدین: ص ۷۱)

صاحب تاریخ دیوبند (مولانا سید محبوب رضوی) تحریر فرماتے ہیں کہ مسجد کے زمانہ تعمیر کے ایک اشتہار میں تعمیر مسجد کی تحریک کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

”حضرت حاجی محمد عابد حسین نے خواب میں دیکھا کہ اس مقام پر جہاں اب جامع مسجد ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور آپ کے سامنے ایک تشت رکھا ہوا ہے جو دودھ سے بھرا ہوا ہے۔ وہی جانب ایک شخص ہے جو روپیہ الا کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے انبار لگا رہا ہے۔ آپ نے حاجی صاحب سے ارشاد فرمایا کہ ”یہاں مسجد بنانا شروع کر دو۔“ (تاریخ دیوبند: ص ۲۹۸)

آگے تحریر فرماتے ہیں: (اس بارے میں کہ اتنی بڑی تعمیر کیسے ہو سکے گی)

حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "جزاء الاعمال" میں تحریر فرمایا ہے:

"اس وقت بھی بفضلہ تعالیٰ اس قسم کے علما بہت ہیں اور ہمیشہ رہیں گے جیسا کہ ہمارے سردار اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ہے:

لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي مُنْصُورِينَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ.

مگر ہم چند بزرگوں کا نام تہرکا اپنے رسالے میں لکھتے ہیں، تاکہ غیر مذکورین کو مذکورین پر قیاس کر سکیں اور جن کی ایسی ہی شان ہو، ان کی صحبت سے مستفید ہو سکیں۔

مکہ معظمہ میں حضرت سیدی مرشدی مولانا الحاج الشیخ محمد امداد اللہ صاحب دامت برکاتہم، گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب دامت برکاتہم، سہارن پور میں جناب مولانا ابوالحسن صاحب مہتمم جامع مسجد سہارن پور، دیوبند میں جناب مولانا محمود حسن صاحب مدرس اعلیٰ مدرسہ دیوبند، حضرت حاجی محمد عابد صاحب مقیم مسجد چھتہ دیوبند، انبالہ میں حضرت سائیں توکل شاہ صاحب دامت برکاتہم۔ ایسے بزرگوں کی صحبت، خدمت جس قدر بھی میسر ہو جائے غنیمت کبریٰ و نعمت عظمیٰ ہے۔ اگر ہر روز ممکن نہ ہو تو ہفتے میں آدھ گھنٹے ضرور التزام کرے، اس کے برکات خود دیکھ لے گا۔"

اس رسالے پر نظر ثانی کے دوران حاشیے پر تحریر فرمایا ہے:

"افسوس اس وقت ان حضرات میں سے کوئی بھی زندہ نہیں۔ اشرف علی"

(جزاء الاعمال: ص ۵۱-۵۰)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی زیر و بم میں تحریر فرمایا ہے:

عامل کامل ولی مرد خدا پائے او در پائے فخر انبیا

"لوگ متحیر تھے۔ آخر ایک جگہ متعین کر کے سب لوگ رات کو جمع ہوئے اور بارگاہ رب العزت میں دعا کی۔ لوگوں میں تعمیر مسجد کا ایسا جذبہ پیدا ہو گیا کہ انہوں نے رپے کے علاوہ زیور، کپڑے، برتن، لکڑی، اینٹ اور چونہ غرض کہ جو جس سے بن پڑا اس نے لا کر رکھ دیا۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم (متولی) تعمیر قرار پائے اور مولانا عبدالخالق صاحب تحصیل چندہ پر مامور کیے گئے۔" (تاریخ دیوبند: ص ۲۹۹)

"صحیح کے اطراف میں قدیم طرز پر مدرسہ اور طلباء کے لیے دالان اور حجرے بنائے گئے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند اپنے ابتدائی چند سالوں میں اس جامع مسجد میں بھی رہا ہے مگر جب اس کی روز افزوں ترقی کے باعث یہ جگہ ناکافی ثابت ہوئی تو دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا۔"

(تاریخ دیوبند: ص ۲۹۹)

"۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء میں دارالعلوم جامع مسجد میں منتقل ہو گیا۔"

(تاریخ دیوبند: ص ۳۶۱)

"جامع مسجد کی تعمیر ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۷ء میں شروع ہوئی اور ۱۲۸۶ھ/۱۸۷۰ء میں مکمل ہو گئی تھی۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے موسس و مہتمم تعمیر کی حیثیت سے مسجد کے شمالی دروازے پر مسجد کے انتظام سے متعلق ایک دستور العمل سنگ سرخ پر کندہ کرا کے نصب کرا دیا ہے۔ چنانچہ اسی کے مطابق نظم و نسق قائم ہے۔ سید جمعیت علی دیوبندی نے چھ ہزار تین سو اشعار پر مشتمل ایک مثنوی لکھی ہے، جس میں تمام کیفیات تعمیر دی گئی ہیں۔ اس میں حاجی صاحب کی نسبت یہ شعر ہے۔

بیر جی عاشق علی کے نور عین

بانی مسجد ہوئے عابد حسین

(تاریخ دیوبند: ص ۲۹۸)

ہم جمالی ہم جلالی شان او
نقش و تعویذش مثال نقش قدر
کان حلم و مخزن خلق نکو
فیض او بر خاص و عامی مثل بدر
(تاریخ دیوبند: ص ۴۷۷)
کچھ واقعات حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح "اشرف السوانح" میں
ہیں۔

تاریخ دارالعلوم میں تحریر ہے کہ

"مشہور ہے کہ تیس سال تک آپ (حاجی محمد عابد حسین) کی تکبیر اولیٰ فوت اور ساٹھ سال تک تہجد قضا نہیں ہوئی۔" (تاریخ دیوبند: ص ۴۷۸)

آپ کے سامنے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اول کے کچھ حالات آئے۔ اب اس کے سنگ بنیاد کا واقعہ بھی سن لیجیے:

تاریخ دارالعلوم میں تحریر ہے:

"سنگ بنیاد حضرت مولانا احمد علی (۱) محدث سہارن پوری کے دست مبارک سے رکھوایا گیا (جن کا بخاری شریف پر حاشیہ ہے)۔ اس کے بعد ایک ایک ایٹ حضرت نانوتوی، حضرت گنگوئی، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی نے رکھی۔ یہ نام تو روداد میں مذکور ہیں۔ "ارواح ثلاثہ" کی روایت میں مزید دو نام حضرت میاں جی مئے شاہ (۲) اور حاجی محمد عابد کے بھی لکھے ہیں (۳)۔

تاریخ دارالعلوم میں ہے:

یہ عمارت آٹھ سال کی مدت میں تیس ہزار روپے کے صرف سے "نودہ" کے نام سے بن کر تیار ہوئی۔ روداد میں لکھا ہے کہ

(۱) حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ۔ (حامد میاں)

(۲) دیوبند کے ایک معروف صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ (حامد میاں)

(۳) "ارواح ثلاثہ" حکایت ۲۵۲۔

"اس عمارت میں سادگی اور استواری کو مقدم رکھا گیا ہے۔ اس کا نقشہ من جانب اللہ قلوب پر الہام ہوا تھا۔" (روداد: ۱۳۰/۱۸۸۳ء: ص ۱۲)
یہ عمارت مہتمم دوم حضرت مولانا رفیع الدین کے زمانہ اہتمام میں تعمیر ہوئی۔ انہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ ارشاد فرما رہے ہیں:
"یہ احاطہ تو بہت مختصر ہے۔"

یہ فرما کر خود عصائے مبارک سے ایک طویل و عریض نقشہ کھینچ کر بتلایا کہ ان نشانات پر تعمیر کی جائے۔ چنانچہ اسی کے مطابق بنیاد کھدوا کر تعمیر شروع کرائی گئی۔ دارالعلوم کی یہ جگہ احاطہ مولسری کے نام سے موسوم ہے۔ اسی احاطے میں وہ تاریخی کنواں ہے جو نو درے کے ساتھ بنا تھا، یہ کنواں بڑا بابرکت سمجھا جاتا ہے۔ اس کا پانی نہایت شیریں اور ٹھنڈا ہے۔ مشہور عالم و مصنف مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس کنویں کے پانی کی نسبت اپنا یہ تاثر بیان کیا ہے کہ
"اتالذیذا، اتنا خوش گوار، اتنا شیریں صاف و سبک اور خشک پانی میں نے اس سے پہلے نہیں پیا تھا (۱)۔"

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب ہی نے ایک دوسرے خواب میں یہ بھی دیکھا تھا کہ کنواں دودھ سے بھرا ہوا ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیالے سے دودھ تقسیم فرما رہے ہیں۔ بعض لوگوں کے پاس چھوٹے برتن ہیں، بعض کے پاس بڑے۔ ہر شخص اپنا اپنا برتن دودھ سے بھروا کر لے جا رہا ہے۔

مولانا نے برتنوں کے چھوٹے بڑے ہونے کی یہ تعبیر دی کہ اس سے ہر شخص کا "ظرف علم" مراد ہے (۲)۔ (تاریخ دارالعلوم ملخصاً: ج ۱، ص ۸۶-۱۸۴)

(۱) ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ/ جنوری ۱۹۵۳ء، ص ۴۳

(۲) روداد جلد ۱۰، اقسام ۱۳۶۶/ ۱۹۴۷ء، مندرجہ ماہ نامہ دارالعلوم بابت ماہ رمضان ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۷ء، ص ۱۲

آٹھ اصول، ترقی کا زینہ:

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ اس مدرسے کے سب کچھ تھے، وہی روح رواں تھے۔ انہوں نے دارالعلوم کے لیے جو وصیتیں فرمائی ہیں ان سے آپ ان کے ذہن مبارک کا بھی اندازہ لگائیں اور یہ بھی دیکھیں کہ دارالعلوم نے ان پر کار بند ہو کر کتنی ترقی کی ہے۔

تاریخ دارالعلوم سے ہم یہ وصایا نقل کرتے ہیں:

۱: اصل اول یہ ہے کہ تمام قدور کارکنان مدرسہ کو ہمیشہ تکثیر چندہ پر نظر رہے۔ آپ کوشش کریں، اوروں سے کرائیں۔ خیر اندیشاں مدرسہ کو یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے۔
۲: بقائے طعام طلباء بلکہ افزائش طلباء میں جس طرح ہو سکے خیر اندیشاں مدرسہ ہمیشہ ساعی رہیں۔

۳: مشیران مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسے کی خوبی اور خوش اسلوبی ہو۔ اپنی بات کی بیچ نہ کی جائے۔ خداخواستہ جب اس طرح کی نوبت آئے گی کہ اہل مشورہ کو اپنی مخالف رائے اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہو تو پھر اس مدرسے کی بنیاد میں تزلزل آجائے گا۔

القصد! بدل سے ہر وقت مشورہ اور نیز اس کے پس و پیش میں اسلوبی مدرسہ ملحوظ رہے، سخن پروری نہ ہو اور اس لیے ضروری ہے کہ اہل مشورہ اظہار رائے میں کسی وجہ سے متاثر نہ ہوں اور سامعین بہ نیت نیک اس کو سنیں۔ یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات سمجھ میں آجائے گی تو اگرچہ ہمارے مخالف ہی کیوں نہ ہو بدل و جان قبول کریں گے اور نیز اسی وجہ سے یہ ضروری ہے کہ مہتمم امور مشورہ طلب میں اہل مشورہ سے ضرور مشورہ کیا کرے۔ خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ مشیر مدرسہ رہتے ہوں یا کوئی وارد و صادر جو علم و عقل رکھتا ہو اور مدرسوں کا خیر اندیش ہو۔ اور نیز اس وجہ سے ضرور ہے کہ اگر اتفاقاً کسی وجہ سے اہل مشورہ سے مشورے کی نوبت نہ آئے اور بہ قدر

ضرورت اہل مشورہ کی مقدار معتد بہ سے مشورہ کیا گیا ہو تو پھر اس وجہ سے ناخوش نہ ہوں کہ مجھ سے کیوں نہ پوچھا؟ ہاں اگر مہتمم نے کسی سے نہ پوچھا تو پھر اہل مشورہ مقرر ہو سکتا ہے۔

۴: یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسین مدرسہ باہم متفق المشر ب ہوں اور مثل علمائے روزگار خود بین اور دوسروں کے درپے توہین نہ ہوں۔ خداخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی تو پھر مدرسہ کی خیر نہیں۔

۵: خواندگی مقررہ اس انداز سے جو پہلے تجویز ہو چکی ہے یا بعد میں کوئی اور انداز مشورہ سے تجویز ہو پوری ہو جایا کرے ورنہ مدرسہ اول تو خوب آباد نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو بے فائدہ ہوگا۔

۶: اس مدرسے میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں جب تک یہ مدرسہ ان شاء اللہ بہ شرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی جیسے جاگیر یا کارخانہ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف ورجا جو سرمایہ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امداد نبی موقوف ہو جائے گی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہو جائے گا۔

القصد! آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سرو سامانی ملحوظ رہے۔

۷: سرکار کی شرکت اور امر کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔

۸: تمام قدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے چندے سے امید ناموری نہ ہو۔ بالجملہ حسن نیت اہل چندہ زیادہ پائے داری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔ (تاریخ دارالعلوم: ج ۱، ص ۵۳-۱۵۳)

وصیت ۶، ۷، ۸ کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے اور کبھی گورنمنٹ سے بھی گرانٹ نہیں لی گئی۔

یہ اکابر دارالعلوم کے حالات اور حضرت نانوتویؒ کی وصایا اس لیے لکھی گئی ہیں کہ دارالعلوم کی ترقی کی وجہ سامنے آجائے کہ یہ شجرۃ طیبۃ اصلہا ثابت

خاتمہ

اکابر دیوبند کا رویہ

علمائے دیوبند نے کبھی منع نہیں کیا کہ فلاں سنی حنفی سے نہ ملنا، اس کے پاس مت جانا، اس سے مصافحہ مت کرنا۔ وہ تقریر و تحریر میں بھی ایسا مضمون کبھی نہیں لائے اور نہ ان کے پیروکار ایسی بات کرتے ہیں۔ کیوں کہ ان کے پیش نظر مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا نہیں ہے جب کہ بریلویت نام ہی تفریق کا ہے۔

ایک سادہ لوح آدمی اسی وقت تک بریلوی رہتا ہے جب تک کہ وہ دوسرے حنفی سنی حضرات سے پرہیز کرتا رہے۔ ورنہ وہ فوراً بریلویت چھوڑ بیٹھتا ہے اور ان تفرقہ بازی کے خراب و اہیات لغو اور باطل خیالات سے تائب ہو جاتا ہے۔ اگر وہ تبلیغی جماعت میں جاتا ہے تو وہاں صرف دین کی باتیں سننے میں آتی ہیں، اخلاص کی تلقین کی جاتی ہے، عمل کی دعوت دی جاتی ہے۔ اس جماعت کی بنیاد اخلاص عمل اور ہر مسلمان سے محبت اور اس کے اکرام پر ہے۔ وہاں کبھی دل آزاری کی بات سننے میں نہ آئے گی۔ مسلمان دین سیکھتا جائے اور اخلاص کے ساتھ عمل کرتا جائے۔ ان کی توجہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بے عملی دور کرنے کی طرف ہے۔ اس کی فلاح کی دعا ان کی دعاؤں میں شامل ہے۔ یہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا بھلا چاہتے ہیں۔ یہی ان کا درد دل ہے اور یہ جذبہ ان کو اکابر دیوبند سے پہنچا ہے۔

حضرت مدنی کی دعا:

حضرت اقدس مولانا السید حسین احمد المدنی نور اللہ مرقدہ کی دعا سحر گاہی یہ ہوتی

وَفَرُّغَهَا فِي السَّمَاءِ کیوں کر بنا۔

فاضل بریلی بہ ذات خود اس کی جڑوں پر تیشہ زنی کرتے رہے، لیکن اس کی ترقی پر قطعاً کوئی اثر نہیں پڑا۔ انہوں نے حسام الحرمین کے نام سے فتویٰ جاری کیا اور نہ جانے کتنی درجنوں کتابیں لکھ ڈالیں، مگر بے سود۔ وہ ترقی کے سلسلے میں دارالعلوم کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ اور سبب کا خاکہ آپ کے سامنے آیا کہ درحقیقت دارالعلوم علوم نبویہ اور اعمال نبویہ کا محافظ ادارہ ہے۔ استغنا و توکل پر اس کی بنیاد ہے اور اس پر خصوصی عنایات ربانیہ ہیں۔

تھی۔

كَرَمَكَ يَا اَكْرَمَ الْاَكْرَمِينَ عَلَيَّ وَعَلَى اُمَّةٍ مُحَمَّدٍ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

”اے اکرام الاکرمین میں تجھے اپنے اوپر اور امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کرم کا سوا لی ہوں، تو کرم فرما۔“

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ تبلیغی جماعت کی بنیاد اخلاص کی تعلیم پر ہے، اس لیے اس کی بہت تلقین کی جاتی ہے اور سارے مسلمانوں کے ساتھ اخلاص برتنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان کی آخرت سنوارنے کی کوشش کی جائے۔ اس لیے وہ

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (سورہ والعصر: ۳)

”اور آپس میں تاکید کرتے رہے چچے دین کی اور آپس میں تاکید کرتے رہے تحمل کی۔“

پر عمل کرتے ہیں۔ ایسی جماعت کو جب کوئی مسلمان قریب سے دیکھتا ہے، جماعت کے لوگوں سے ملتا جلتا ہے یا اسے کسی دیوبندی عالم کے قریب رہنے اور اس کا درس اور وعظ سننے کا موقع ملتا ہے تو وہ بریلویت سے متنفر ہو جاتا ہے۔ اسی لیے ”بریلوی ذاکر حضرات“ سادہ لوح مسلمانوں کو ڈراتے اور ہدایت کرتے رہتے ہیں کہ ان کے پاس نہ جانا، انہیں سلام نہ کرنا، ان سے مصافحہ نہ کرنا، ان سے دور رہنا، بد مذہب اور ناپاک جاننا۔

جیسے بریلویوں کے سب سے بڑے بزرگ احمد رضا خان صاحب نے الزام تراشی کی ہے وہ بھی اسی طرح دن رات الزام تراشی میں لگے رہتے ہیں اور اپنے ماننے والوں کو دوسرے مسلمانوں سے دور رہنے کی ہدایات جاری کرتے رہتے ہیں۔ ان بریلوی واعظوں کو آخرت کا خیال تک نہیں آتا۔ نہ یہ خوف آتا ہے کہ خدا کے سامنے پیش ہونا ہے اور کل کو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی سامنا ہوگا۔ وہاں

امت میں اس تفرقہ بازی کے پھیلانے کا کیا جواب ہوگا؟ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آپ کے حوض کوثر سے ایسے لوگوں کو ہٹا دیا جائے گا جنہوں نے نئی چیزیں دین میں داخل کی ہوں گی۔

اِنَّكَ لَا تَذَرِيْ مَا اُحْدِثُوْا بَعْدَكَ فَاَقُوْلُ سَخِفًا

سَخِفًا لِّمَنْ غَيَّرَ بَعْدِي (بخاری شریف: ص ۹۷۴)

آپ کو پتا نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا احداث کیا ہے؟ تو میں کہوں گا دور ہو، دفع ہو، جس نے میرے بعد روش بدلی۔

میلا دینا نا بے اصل ہے، صدر الشریعہ:

آپ کے دیکھتے ہی دیکھتے بجائے بارہ وفات کے عید میلاد اور آخری چہار شنبہ کا جلوس (جسے بریلویوں کے صدر الشریعہ نے بہار شریعت کے ص ۲۵۸، ۲۵۹ سولہویں حصے میں بے اصل لکھا ہے) پاکستان بننے کے بعد شروع ہوئے اور پھیلے۔ اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام کا تو صرف دو تین سال سے تازہ تازہ رواج شروع ہوا ہے اور ان باتوں پر اتنا زور دیا جانے لگا ہے کہ جیسے اصل ایمان ہیں۔

بریلوی واعظ قرآن پاک اور دین کے فرائض سے نا آشنا لوگوں کو یہ یقین دلانے میں پوری قوت صرف کرتے ہیں کہ بس ان ہی چند اختلافی مسائل پر کفر و ایمان کا مدار ہے، ان کی دین سے ناواقفیت سے خوش ہوتے ہیں اور لڑوا کر اطمینان کا سانس لیتے ہیں، کیوں کہ اسی طرح وہ باقی رہ سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی باتوں کا یقین کرنا جھوٹ پر یقین کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ

(سورہ توبہ: ۱۱۹)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔“

ان کی باتوں پر یقین کر کے زبان سے دہرانا ان کی بہتان طرازی میں شریک

ہونا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا صحابہ کرام سے بیعت میں یہ جملہ استعمال فرمائے ہیں۔

وَلَا تَأْتُوا بَبْهَتَانِ تَفْتَرُونَ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأُزُجِلْكُمْ

(بخاری شریف ج ۷ ص ۷)

”اور کسی پر بہتان نہ باندھو گے کہ اپنے سامنے (جانتے بوجھتے) الزام گھڑو۔“

قرآن کریم میں بھی بہتان تراشی کے مواقع کے لیے یہ تعلیم موجود ہے:

لَوْ لَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا

سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ (سورہ نور: ۱۶)

”جب تم نے یہ سنا تو تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ

ہم یہ بات کیسے زبان سے ادا کریں؟ خداوند

تیری ذات پاک ہے۔ یہ تو بہتان عظیم ہے۔“

اللہ تعالیٰ ہدایت دے اور ہم سب کو دین پر استقامت بخشے، اپنی مرضیات پر

چلائے۔ آمین

حاجہ

حامد میاں غفرلہ

۲۳ رذی الحجہ ۱۳۹۹ھ

۱۵ نومبر ۱۹۷۹ء پنج شنبہ (جمعرات)

ماخذ

۱	القرآن الکریم	مولانا محمد قاسم نانوتوی	دوبہند
۲	انصار الاسلام	مولانا ذوالفقار علی دوبہندی	مطبع چھپائی، دہلی
۳	الہدیۃ المسیعیۃ فی ذکر المدرستہ الاسلامیۃ الدوبہندیۃ		
۴	امداد الفتاویٰ	مولانا اشرف علی تھانوی	مکتبہ دارالعلوم، کراچی
۵	ارواحِ خلاش	مولانا اشرف علی تھانوی	کتاب خانہ صحیفی، سہارن پور
۶	الموضوعات الکبریٰ		
۷	الموضوعات الکبیر	ملا علی قاری	
۸	اقبال کے مدوح علما	افضل حق قریشی	مکتبہ محمودیہ، لاہور
۹	احکام قرطاس	احمد رضا خان بریلوی	
۱۰	الطیب اللسان	ضیم الدین مراد آبادی	
۱۱	اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام	غلام رسول سعیدی	
۱۲	انوار رضا		
۱۳	اجمل المسند و تالیف الحجہ		
۱۴	بخاری شریف	امام بخاری	شرکت حنفیہ لیبٹڈ، لاہور
۱۵	بیضاوی شریف	قاضی بیضاوی	مرکزی مجلس رضا، لاہور
۱۶	بیان القرآن	مولانا اشرف علی تھانوی	نور محمد کتب خانہ، کراچی
۱۷	البحر الرائق		ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
۱۸	برہان قاطعہ	مولانا غلیل احمد سہارن پوری	اشرف المطابع، تھانہ بھون
۱۹	بہار شریعت	امجد علی اعظمی	
۲۰	ترمذی شریف	امام ترمذی	دارالاشاعت، کراچی
۲۱	ترجمہ قرآن قاری	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
۲۲	ترجمہ قرآن اردو	شاہ رفیع الدین محدث دہلوی	تاج کمپنی، لاہور
۲۳	تفسیر ابن کثیر	حافظ عماد الدین ابن کثیر	تاج کمپنی، لاہور
۲۴	تفسیر قرطبی	امام قرطبی	بیروت
۲۵	تفسیر ابن جریر		

امام بخاری

۲۶	تفسیر بخاری	امام بخاری
۲۷	تفسیر خازن	امام بخاری
۲۸	تفسیر مظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی
۲۹	تفسیر عزیزی	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
۳۰	تدریب الراوی	علامہ جلال الدین سیوطی
۳۱	تقریب	امام نووی
۳۲	تہذیب الاسماء واللغات	امام نووی
۳۳	تاریخ دارالعلوم دیوبند	مولانا سید محبوب رضوی
۳۴	تاریخ دیوبند	مولانا سید محبوب رضوی
۳۵	تاریخ صحافت اردو	میں صبیح الدین
۳۶	تاریخ شاہ جہاں پور	میں صبیح الدین
۳۷	تذکرۃ العابدین	دیوبند
۳۸	تفسیر نعیمی	دیوبند
۳۹	جزاء الاعمال	مولانا اشرف علی تھانوی
۴۰	جاں بازان حریت	اشرف المطالع، تھانوی
۴۱	جاہ الحق	احمد یار خان
۴۲	حالات شیخ محمد تھانوی	ثناء الحق دیوبندی
۴۳	حدائق بخشش (حصہ سوم)	احمد رضا خان بریلوی
۴۴	حیات اعلیٰ حضرت	پروفیسر مسعود احمد
۴۵	خزائن العرفان	فہیم الدین مراد آبادی
۴۶	روح المعانی	علامہ آلوسی
۴۷	روداد دیوبند	۱۸۸۳ء
۴۸	روداد جلسہ انعام	۱۹۴۷ء
۴۹	سنن ابن ماجہ	امام ابن ماجہ
۵۰	سنن داری	امام داری
۵۱	سوانح قاسمی	مولانا سید مناظر حسن گیلانی
۵۲	سوانح مخطوط	مولانا محمد یعقوب نانوتوی
۵۳	سیرت مبارکہ	مولانا سید محمد میاں دیوبندی

۵۴	سوانح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا	۵۴
۵۵	شعب الایمان	امام بیہقی
۵۶	شرح بیضاوی	علامہ شہاب الدین الخفاجی
۵۷	ضیائے کنز الایمان	مورخ ابن سعد
۵۸	طبقات ابن سعد	مولانا سید محمد میاں دیوبندی
۵۹	علمائے ہند کا شان دار ماضی	علامہ شامی
۶۰	فتاویٰ شامی	مولانا رشید احمد گنگوہی
۶۱	فتاویٰ رشیدیہ	مولانا عبداللہ
۶۲	مجموع الفتاویٰ	احمد رضا خان بریلوی
۶۳	فتاویٰ رضویہ	احمد رضا خان بریلوی
۶۴	کنز الایمان	احمد رضا خان بریلوی
۶۵	کفیل الفقہ	احمد رضا خان بریلوی
۶۶	لسان العرب	ابن منظور
۶۷	مقدمہ رسائل چاند پوری	انجمن ارشاد المسلمین، لاہور
۶۸	مولانا محمد احسن نانوتوی	پروفیسر محمد ایوب قادری
۶۹	مختلوع المصالح	علامہ خطیب تبریزی
۷۰	محاسن کنز الایمان	رضا اعظمی
۷۱	مقدمہ کنز الایمان	شیخ الہند مولانا محمود حسن محدث بجنور
۷۲	موضح الفرقان	دیوبندی
۷۳	مقدمہ ابن صلاح	حافظ ابن الصلاح
۷۴	مقتبوعات اعلیٰ حضرت	
	اخبارات و رسائل	
	خیر خواہ عالم دینی	
	ندائے عرفات - گرامنک	
	ماہنامہ دارالعلوم دیوبند	

کھڑا خانہ کی سازیاں

رضائے خانی کتابوں کے مضامین کا مستند مجموعہ جن میں تقریباً ہر ایک نمایاں اور نامور مسلمان پر کفر کا حکم لگایا گیا ہے (اعادۃ اللہ) مع سپاس نامہ جو بریلوی عسکریوں نے جلیان والہ باغ میں گولی چلانے والے رسوائے زمانہ عالم انگریز جنرل اوڈیر گورنر پنجاب کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جن پر کفر کا حکم لگایا گیا ہے ان کی دینی خدمات کیا تھیں۔

تالیف
مبلغ اسلام حضرت مولانا نور محمد مظاہری

تبویب و اضافات
علامہ ابو نافع امدادی
مولانا محمد طیب ظفر مند

ناشر
تحفظ نظریات دیوبند اکادمی
کراچی

☆ درود شریف جیسی عظیم عبادت کے ساتھ خرافات
☆ تاریخ میلاد کا موجد اور مروج کے حالات و عقائد
☆ تاریخ میلاد پر قص و سرور کی محافل
☆ پہلی مرتبہ میلاد انجمنی منانے والا غیر مقلد تھا۔
☆ اس کے بارے میں احناف کے فتاوے
☆ اہل بدعت کا ترجمہ قرآن و تفسیر میں تحریکات

اور اس جیسی دیگر معلومات کے لیے ایک جامع کتاب

کیا صلوٰۃ و سلام اور محفل میلاد بدعت ہے؟

کا مطالعہ فرمائیں۔

اس کتاب کے بارے میں "نقطہ نظر - اسلام آباد" کا تبصرہ ہے:

"جناب نعمان محمد امین نے تاریخ کے اوراق پلٹ کر دکھانے کی کوشش کی ہے کہ اذان کے بعد اور اس سے پہلے بلند آواز کے ساتھ درود و سلام کب سے پڑھنے کا آغاز ہوا؟ مجلس میلاد کا بانی کون تھا؟ اور وقت کے ساتھ میلاد انجمنی منانے کے کیا کیا انداز رہے ہیں۔ ان کے مطالعے سے حاصل یہ ہے کہ نئی اکبر علی اللہ علیہ وسلم اور اہل خیر القرون سے جو کچھ ثابت ہے وہی دین ہے اور ان کی مخالفت کرنا بے دینی ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے حنفی فقہاء کے اقوال اور فتاویٰ سے بھی استشہاد کیا ہے۔ (زمنہ ۱۷، اہانت اکبر ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء)۔

تصویر بہ طور سند متعلقہ ص ۱۴۶

ص ۱۴۶ کا ایک بار پر مطالعہ کر لیجیے اور پھر اس تصویر کو دیکھیے۔ یہی اے کے معمر قذافی جو اہل قرآن۔ یعنی منکر حدیث ہے، کی اقتدا میں شاہ احمد نورانی نماز پڑھ رہے ہیں۔ حال ہی میں ان کے حالات پر ایک کتاب شائع ہوئی ہے، جس میں آپ کا قول "زریں" نقل کیا گیا ہے کہ "میں نے کبھی بد مذہب کے پیچھے نماز نہیں پڑھی" اور اس کی تشریح میں بد مذہب حرمین شریفین کے ائمہ کرام اور ائمہ حنفی پر کابرت قدم علمائے اہل سنت و جماعت و یوہند شامل ہیں۔ اسی پر بس نہیں، بلکہ اس پر اللہ کا شکر بھی ادا کیا گیا ہے۔ یا للہ عجب!

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ منکرین حدیث کیا رضا خانی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں؟ جماعت رضا خانیت پر اس کا جواب ادھار ہے۔ ویسے یہ تصویر کئی سوالوں کو جنم دے رہی ہے اور میاں جی کے دعوے و منہ چڑا رہی ہے، جب کہ "اتحاد بین المسلمین" کے داعی ہونے کا گھمنڈ بھی ہے۔



ایک پیشین گوئی..... جو پوری ہو گئی

دو کس بہ نام احمد گم راہ کنند بے حد ساز نہ داز دل خود تفسیر فی القرآن
”دو شخص جن کے نام کے ساتھ احمد ہوگا، وہ لوگوں کو بہت گم راہ کریں گے، قرآن مجید کی تفسیر اپنے دل سے بنائیں گے۔“

۱۵۴۸ھ میں کی گئی یہ پیشین گوئی حضرت نعمت اللہ شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ کی ہیں اور آج ۱۴۳۱ھ ہے۔ حضرت نعمت اللہ شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اہل علم کے لیے کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اہل علم خوب جانتے ہیں کہ حضرت نعمت اللہ شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۵۴۸ھ سے لے کر قیامت تک کے بارے میں جو پیشین گوئی کی ہیں اور ان کے درمیاں ساڑھے آٹھ سو سال کا عرصہ بیت چکا ہے۔ یہ عرصہ اور اس کے درمیان ہونے والے واقعات نے آپ کی ہر پیشین گوئی کو سچا ثابت کیا ہے۔

حضرت نعمت اللہ شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک پیشین گوئی یہ بھی تھی کہ دو اشخاص جن کے نام کے ساتھ احمد ہوگا وہ لوگوں کو بہت گم راہ کریں گے اور قرآن مجید کی تفسیر میں اپنی رائے کو دخل دیں گے، اپنی من مانی تفسیر بیان کریں گے۔

تاریخ گواہ ہے کہ ان میں ایک تو مرزا غلام احمد قادیانی اور دوسرے احمد رضا بریلوی ہیں۔ احمد رضا بریلوی کے معتقد تو خود قبول کرتے ہیں کہ فاضل بریلوی کا ترجمہ قرآن ”کنز الایمان“ ایک تفسیری ترجمہ ہے۔ آج دنیا میں ان دو ”احمد“ کے ماننے والے گم راہ لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے ماننے والا گم راہ فرقہ ”قادیانی“ اور ”احمدی“ کے نام سے مشہور ہے، جب کہ احمد رضا بریلوی کے ماننے والا فرقہ ”بریلوی“ اور ”رضا خانی“ کے نام سے مشہور ہیں۔ ویسے بھی ان دو فرقوں میں موجود مماثلت کو ڈاکٹر علامہ خالد محمود مدظلہ نے اپنی مایہ ناز تصنیف ”مطالعہ بریلویت“ میں خوب واضح کیا ہے۔

(نعمان محمد امین)